أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

أَشْرَفُ الطَّرِيْقَةِ فِي الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ

المعروف بہ

شریعت اور طریقت

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ جامع الشریعت والطریقت

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کا پتہ

مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات

قرآن گھر ۴۲۰ اردو بازار — جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

قیمت مجلد۔ بیس روپے

(جمال پرنٹنگ پریس دہلی)

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین اما بعد اس پر فتن زمانہ میں منجملہ دوسری عام غلطیوں کے ایک اہم اور بڑی غلطی علم تصوف کے فہم میں ہوتی گئی کہ قول وفعل کی بے قیدی کا نام تصوف رکھ لیا کسی نے چند ظاہری رسوم کو تصوف کا نام دیدیا اور کسی نے صرف کثرت اوراد و وظائف کو تصوف سمجھ لیا علی ہذا القیاس تصوف کے مسائل سمجھنے میں صدہا غلطیاں کیں جن سے ایک طرف تو انکے عقائد درست نہ رہے بلکہ بعض تو شرک تک میں مبتلا ہو گئے اور دوسری طرف بعض حضرات نے یہانتک تجاوز کیا کہ اصلی تصوف کا ہی انکار کر بیٹھے اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کے خوگر ہو گئے تو بعض صوفیوں کے مسلمہ مسائل تصوف کو کتاب و سنت سے خارج اور شریعت کے خلاف سمجھ کر تصوف کے نام سے کوسوں دور بھاگنے لگے یہ لوگ صرف بزرگان دین کے برکات و فیوضات سے محروم نہ رہے بلکہ انکے قلوب میں قساوت پیدا ہو گئی انکے علاوہ بعض حضرات تصوف کے منکر تو نہیں ہیں حضرات اولیاء اللہ کے معتقد بھی ہیں لیکن علم تصوف کو شریعت کے علاوہ ایک علیحدہ علم سمجھتے ہیں اور مسائل تصوف کو غیر ثابت بالسنۃ۔ چنانچہ ان جملہ امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت اور طریقت مرتب کی گئی ہے جسکے جملہ مضامین حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ الشاہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے افادات کا انتخاب ہیں اور حضرت شیخ المشائخ مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفۃ الرشید حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ نے اسکا نام التشرف الطریقت فی الشریعت والحقیقت تجویز فرمایا ہے حضرت مفتی صاحب موصوف قدس سرہ و حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علیگڑھی خلیفہ مجاز حضرت مجدد تھانوی اور مولانا محمد نجم الحسن صاحب تھانوی نے حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ کی گرامی قدر مشوروں اور ارشادات کی تعمیل میں حلیہ طبع سے آراستہ کر کر منظر عام پر لائی گئی ہے اسمیں شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، بیعت، اخلاق، مجاہدات، اذکار و اشغال، مراقبات، احوال، توجہات، تعلیمات و مسائل مع دلائل و حقائق سالک کے لئے طریق عمل اور انکے متعلق ضروری تفصیلات مندرج ہیں جو قرآن مجید احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر تصانیف علماء محققین سے لیکر انہی کی روشنی میں کتب فقہ کی طرز پر ابواب و فصول کی صورت میں مرتب کی گئی ہیں اسطرح یہ کتاب اسلامی تصوف و سلوک کے اصول و فروع کا ایک جامع و مدلل ذخیرہ ہے شاید ہی تصوف کا کوئی ایسا اہم مسئلہ ہو گا جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو اسکے مطالعہ سے اسلامی تصوف و سلوک کے متعلق ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں تزکیہ نفس تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال کا طریقہ نہایت واضح طور سے آسان ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ شریعت اور طریقت میں کوئی تضاد نہیں علاوہ برادران طریقت اور شائقین تصوف کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً اس کتاب سے [illegible]

بہت ضروری ہے قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کسی جگہ مضمون میں غلطی ہو یا خامی ہو، تو وہ احقر مؤلف کی نقل یا عقل کا قصور اور خطا ہوگی حق تعالیٰ معاف فرمائیں اور اسکو حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی ذات گرامی کیطرف منسوب نہ فرمائیں کہ

عنقا را بلند است آشیانہ

نیز دعا کی بھی درخواست کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عجب اور کبر سے محفوظ فرمائیں

دعا جو محمد دین حنفی چشتی

اکابر اہلسنت والجماعت کے تاثرات

★ از عالیجناب قدوۃ السالکین عارف باللہ جامع الشریعت و الطریقت برہان حقیقت و معرفت فخر العلماء والفضلاء شیخ المشائخ سید نا مرشد نا مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور خلیفہ ارشد حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ الشاہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہدیہ مبارک اشرف الطریقت المعروف بہ شریعت و طریقت کے چند صفحات دیکھے دل بہت خوش ہوا جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ کسی تقریظ کا محتاج نہیں بلکہ اس کتاب پہ تقریظ خلاف ادب ہے آفتاب کو تائید کی ضرورت نہیں حق تعالیٰ قبول فرمائیں اور اہل اسلام کے لئے ذریعہ قرب فرمائیں اور آپکے لئے ذریعہ قرب اور صدقہ جاریہ فرمائیں یہ کتاب ہر مولوی سجادہ نشین تک پہنچ جاوے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگی۔

★ از عالیجناب امام العارفین قدوۃ السالکین عاملِ سنت ماحیٔ بدعت خلیفہ ارشد حضرت مجدد الملۃ التھانوی سیدی و مولانا خیر محمد صاحب جالندھری دامت فیوضہم مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب مفتی خیر المدارس ملتان۔

”شریعت اور طریقت“ علم تصوف میں بے نظیر کتاب ہے اسکے تمام مضامین حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے تصانیف اور ملفوظات سے ماخوذ ہیں مولانا محمد دین صاحب نے اس مبارک کتاب میں پہلے شریعت پھر طریقت و معرفت پھر ان کا باہمی تعلق بتلا دیا ہے اسکے پڑھنے سے یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے جو عام طور پر مشہور ہے کہ شریعت اور طریقت دو متضاد امر ہیں اسکے بعد تصوف کی ضرورت اور سلوک اور طریقت کے اقسام کی پوری تفصیل ذکر فرمائی ہے پھر پیر سے بیعت کی ضرورت اور اسکا ثبوت حدیث سے اور دلائل عقلیہ سے پیش کیا ہے اور شیخ کی پہچان شیخ اور مرید کے درمیان مناسبت اور صحبت شیخ کی ضرورت اور اسکے طریق کار کا بیان فرمایا ہے جو تھا حصہ کتاب کا تمام اہم ابواب پر مشتمل ہے اسمیں تین ابواب ہیں۔ باب اول میں ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت اور متعلقات کا ذکر ہے باب دوم میں اخلاق حمیدہ کی تفصیل اور انکے حاصل کرنیکے لئے عمدہ عمدہ طریق اور آسان تدابیر بیان فرمائی ہیں تیسرے باب میں

اخلاق ذمیمہ کبر و حسد عجب وغیرہ کی حقیقت اور ان سے بچنے اور علاج کے طریق اور لکھے گئے ہیں
مفیدہ بلا خوف خطر پوری تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اس کے بعد احوال معارف و حقائق اصطلاحات تصوف اور
سب سے آخر میں بہت ہی ضروری مسائل تصوف اور وصایا جامعہ بزرگان پر اس کتاب کو ختم کر دیا ہے یہ در حقیقت
اہل علم اور اہل سلوک کے لئے بہترین ذخیرہ ہے اللہ تعالیٰ حسب افادات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے
فیوض کو تا قیامت جاری و ساری رکھے اور مولانا محمد دین صاحب مدظلہ کو جزائے خیر دے جنہوں نے یہ خدمت
انجام دی ہے۔ عبداللہ غفر اللہ لہ ؛

کتاب "شریعت اور طریقت" کے متعلق جو کچھ حضرت مولانا عبداللہ صاحب مفتی خیر المدارس ملتان نے تحریر فرمایا ہے
یہ مشتے از خروارے ظاہراً واقعہ یہ ہے اصل لطف مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے مطالعہ کے بعد یہ کہنے پر ضمیر مجبور ہوگا
شنیدہ کے بود مانند دیدہ میرے نزدیک ہر عالم و عامی کو چاہیئے کہ اسکو حرز جاں بنائے اور فہم و عمل کے
ذریعہ نور باطن میں ترقی دے۔ حق تعالیٰ اسکے مرتب و ناشر کو جزائے خیر دے آمین ؛
احقر خیر محمد عفی اللہ عنہ

★ از عالیجناب اکمل الکاملین حامل لوائے شریعت و الطریقت استاذ العلماء و الفضلاء حضرت مولانا ظفر احمد
صاحب عثمانی تھانوی شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ اشرف آباد (ٹنڈو اللہ یار) سندھ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ آپ کا ہدیہ "شریعت اور طریقت" موصول ہو کر باعث مسرت ہوا ابھی تک
پوری کتاب کا مطالعہ تو نہیں ہو سکا مگر جا بجا دیکھنے کا موقع مل گیا ماشاء اللہ کتاب بہت جامع اور
نافع ہے آپ نے بڑی محنت سے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی تصانیف و مواعظ سے بہترین انتخاب فرمایا اور مسلمانوں
کو قیمتی خزانہ تلاش کر کے بہم پہنچایا اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے اور امت اسلامیہ کو اس کی قدر دانی
اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی ہو۔ والسلام مکرر مبارکباد قبول فرمائیں ؛
ظفر احمد عفا عنہ (عثمانی تھانوی)

دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد۔ ٹنڈو اللہ یار۔ سندھ ۱۳ رجب ۸۲ھ

★ تقریظ لطیف از عالیجناب عارف باللہ رہبر کامل جامع الشریعت و الطریقت خلیفہ ارشد مجدد الملت
حکیم الامۃ التھانوی جناب مخدومنا مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم
سہارنپور حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک ؛
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ہدیہ متبرکہ پہنچا اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے آپنے دین کا بہت

بڑا کام کیا ہے بہت سے متفرق یاقوت اور جواہر جمع فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت دین کو قبول فرمائیں۔ بعض بعض مقامات سے میں نے اس مجموعۃ الجواہر کو دیکھا نہایت مفید پایا۔ احقر کے نزدیک کیا بلکہ ہر متدین انسان کے نزدیک یہ علمی ذخیرہ نہایت ہی مفید اور قابل قدر ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین پر خصوصیت کیساتھ بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول اور مفید فرمائیں جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

دعا گو و دعا جو عبدالرحمٰن غفرلہ

از بہبودی ۱۸ رجب [illegible]ھ

★ تقریظ لطیف از عالیجناب فخر کشمیر حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر راولپنڈی۔ بعد الحمد والصلوٰۃ، میں نے کتاب "اشرف الطریقۃ فی الشریعۃ والحقیقۃ" المعروف بہ شریعت و طریقت کا مطالعہ کیا یہ کتاب واقعی اسلامی تصوف و سلوک کے اصول و فروع کا ایک جامع و مدلل ذخیرہ ہے جس کے مطالعہ سے تزکیہ نفس، تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال نہایت آسان ہو جاتا ہے اگر میں اس موقع پر لم یکتحل عین الزمان بمثلہ (آج تک اس جیسی کتاب زمانے کی نگاہ میں نہیں آئی) کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ خداوند تعالیٰ اس کتاب کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عموماً و خصوصاً شائع و ذائع فرما کر اس کے مرتب و ناشر کو جزائے خیر عطا فرمادیں۔

محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر۔

★ تقریظ دلپذیر از فاضل اجل عالم بے بدل عالیجناب ڈاکٹر میر محمد حسن صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (عربی)، پرنسپل گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ، کتب خانہ اشرفیہ پر اکثر بیٹھنے کا اتفاق ہوتا اور وہاں مولوی محمد دین صاحب مالک کتبی اشرفیہ کی کتاب "شریعت اور طریقت" کو بھی دیکھنے کا موقعہ ملتا مولوی صاحب کی محنت کی داد دیئے بغیر ہم نہ رہ سکتے تھے اس پر میرے مکرم و محترم دوست ڈاکٹر میجر عبدالعزیز صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ بی نے ارشاد فرمایا کہ چند سطور تقریظ کے طور پر لکھدینی چاہئیں۔ چنانچہ میجر صاحب موصوف کے فرمان کے مطابق یہ چند سطور لکھ رہا ہوں اگرچہ مجھے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اعتراف ہے کیونکہ میں خود نہ تو صوفی ہوں اور نہ مدارج و مقامات تصوف سے واقف

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور ان کے علمی تبحر سے کون واقف نہیں انہوں نے جہاں اپنے روحانی فیض سے لوگوں کو دین مستقیم کی راہ دکھائی وہاں اپنی تصانیف

سے بھی ہزار ہا گمشدگان راہ کو حق پر لا کھڑا کیا انہوں نے تصوف میں متعدد کتابیں لکھیں مولوی
محمد دین صاحب نے طالبان راہ طریقت کے لئے ان تمام مضامین کو جو حضرت مولانا کی مختلف
تصانیف میں بکھرے پڑے تھے یکجا کر دیا ہے اور اس طرح قارئین کو متعدد کتابوں کی طرف رجوع
کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے کتاب کی عبارت دراصل حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہی عبارت
ہے لیکن مولوی صاحب نے کہیں کہیں عبارت میں ربط قائم کرنے کے لئے اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھا دیئے
ہیں جنھیں انھوں نے قوسین میں لکھدیا ہے بالفاظ دیگر اس کتاب کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
ہی کی تصنیف سمجھنا چاہیئے۔

اس کتاب کے ترتیب دینے میں مولوی صاحب کے پیش نظر دو غرضیں تھیں ایک اپنے شیخ سے
اظہار عقیدت اور دوسرے یہ کہ شائقین تصوف زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

اس کتاب میں تصوف کے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے شاید ہی تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ
ہوگا جس پر اس کتاب میں بحث نہ کی گئی ہو آجتک جسقدر کتابیں عربی اور فارسی میں تصوف پر لکھی
جا چکی ہیں ان میں بہت سے مسائل پر جنکا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے بحث نہیں کی گئی مزید برآں
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصوف کی تصانیف ایک بار چھپنے کے بعد دوبارہ نہیں چھپیں جس سے
یہ خطرہ تھا کہ تصوف کے وہ مسائل جن کی تشریح انہوں نے ان کتابوں میں کی ہے کہیں معرض
خفا میں نہ چلے جائیں چنانچہ مولوی محمد دین صاحب نے حضرت مولانا کے بیان کو بغرض افادہ عوام
اس کتاب میں جمع کر دیا ہے انکا مقصد نہ اظہار علم ہے اور نہ صاحب تصانیف کہلانا

مجھے امید ہے کہ شائقین تصوف بالعموم اور مولوی صاحب کے برادران طریقت بالخصوص
اس کتاب کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہونگے۔

وانا الراجی لرحمۃ اللہ العبد الفقیر
محمد حسن غفر اللہ لہٗ

فہرست مضامین

۱۰ - موانع

۱۱ - علوم و مسائل

باب اول - مسائل جزئیہ

۱۔ شریعت

شریعت کی حقیقت اور اس کی ضرورت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں :-

ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ	پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ
فَاتَّبِعۡہَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ	یعنی شریعت پر کر دیا۔ سو آپ اسی طریقہ پر
لَا یَعۡلَمُوۡنَ ہٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ	چلے جائیے اور ان جہلا کی خواہشوں پر نہ چلئے
وَہُدًی وَّرَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ٥	یہ شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب
سورۃ الجاثیہ پارہ ۲۵	اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین کرنیوالوں کیلئے رحمت ہے

بصائر، بصیرت کی جمع ہے اور بصیرت باطنی روشنی کو کہتے ہیں جیسے بصر آنکھ یعنی ظاہری روشنی کو کہتے ہیں تو شریعت، بصائر یعنی باطن کو روشن کرنیوالی ہے اور سراپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہے اور مقصود تک پہنچا دیتی ہے اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہے گویا شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے راہ، یعنی مسافر کو ان ہی تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جب آدمی منزل مقصود تک جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور ایک طریق ہوتا ہے جس کے ذریعے سے مقصود تک پہنچ سکتا ہے اور ایک بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے

لہ الشریعت ص۱۳

جس کے ذریعہ سے راستہ نظر آوے حق تعالیٰ کے قربان جایئے کہ بتلاتے ہیں کہ یہ شریعت ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے بصائر یہ آنکھیں بھی ہیں وهدی یہ راستہ بھی اسی کے ذریعہ طے ہوتا ہے اور رحمۃ رحمت ہے کہ مقصود بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ شریعت رحمت تو ہے مگر ہر شخص کیلئے نہیں ہے بلکہ یقین کرنیوالوں کیلئے ہے (لہٰذا یقین کا حاصل کرنا ضروری ہوا۔)

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ شریعت کا موجود ہونا اور اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طریقہ پر چلنے کا حکم فرمانا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف شریعت اسلام ہی پسندیدہ نظام حیات ہے اسکے خلاف معاشرہ اور زندگی گزارنے کے جتنے بھی طریقے انسان نے اختیار کر رکھے ہیں وہ جہلاء اور بددین لوگوں کے خود ساختہ ہیں جو محض نفسانی خواہشات کے مطابق مختلف عنوانات سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مردود قرار دیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ الآیہ
جو شخص شریعت اسلامی کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریگا اسکے طریق کار کو خدا تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کریگا

شریعت خدا تعالیٰ کا قانون ہے اور سب جانتے ہیں کہ قانون کسی شخص کی رائے اور خواہش سے نہیں بدل سکتا البتہ قانون بنانیوالا خود ہی بدل دے تو دوسری بات ہے اور اسی طرح اگر لوگ قانون پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو انکی عمل چھوڑ دینے سے قانون نہیں بدل سکتا خاصکر خدا تعالیٰ کا قانون۔ کیونکہ

لہ نجات کا طریقہ ص۳

خدا تعالیٰ کی حکومت کا دارومدار بندے کی فرمانبرداری اور اطاعت پر نہیں اسکی فرمانبرداری کوئی کرے یا نہ کرے ہر حال میں وہ سب کا بادشاہ ہے تو پھر اسکا قانون کس طرح بدلا جاسکتا ہے (لہذا فرماتے ہیں) :-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ [1] جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے یعنی بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے ایسے ہی لوگ (دراصل کافر ہیں) فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

تم غور سے سن لیجئے کہ دین (شریعت) کے پانچ اجزاء ہیں ایک جزو تو عقائد کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہ بالکل حق ہے اسکی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی، دوسرا جزو عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ تیسرا جزو معاملات ہیں یعنی احکام نکاح وطلاق وحدود وکفارات وبیع وشراء وخرید وفروخت واجارہ وزراعت وغیرہ اور انکے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو بلکہ انکیں شریعت یہ بتلاتی ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جسمیں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو غرض جواز اور عدم جواز بیان کیا جاتا ہے چوتھا جزو معاشرت ہے یعنی اٹھنا، بیٹھنا، ہلنا، جلنا، مہمان بننا کسی کے گھر پر جانا کیونکر چاہیئے اور اس کے آداب کیا ہیں؟ بیوی بچوں عزیزوں اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کیساتھ کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے پانچواں جزو تصوف ہے جسکو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں آجکل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ

---

[1] الشریعت صفحہ [2] تفصیل الدین صفحہ

تصوف کے لئے بیوی بچوں اور دوسرے دنیاوی اور معاشرتی امور کو چھوڑنا پڑتا ہے یہ بالکل غلط ہے یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے غرض دین کے پانچ اجزا ہیں ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص ہے جیسے کسی کے ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔

چاہیئے یہ کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو اور اسی کے احکام کی اتباع کرے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے پھر وہ باختیار مالک ہے اور تمام اشیا میں خود مؤثر ہے کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں اسلئے جو حکم اسکی طرف سے صادر ہوگا وہ کامل ہوگا نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر صفتِ غضب غالب نہیں نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ صفتِ رحمت سے مغلوب نہیں بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم و کریم ہے کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں پس معلوم ہوا کہ کلام الٰہی ہے اسکے تمام احکام افراط و تفریط سے پاک ہونگے یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے کیونکہ وہ احکام سب کے مصالح کو جامع ہیں نیز ہماری یہ حالت مشاہد (یعنی نظر آتی) ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہمکو مغلوب کر دیتی ہے اسلئے ہم کو شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل (یعنی بہت میانہ روی) ہے سو تعدیل ہر چیز میں وہی ہے جو اسمیں شریعت کا

لہ کمالاتِ اشرفیہ ص [illegible]

حکم ہے مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے مگر اسکا اسقدر افراط کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض[1]
کا وسوسہ پیدا ہونے لگے مناسب نہیں جیسے کوئی بچہ بیمار ہو سخت ہوتا اور چلاتا ہے
اسپر رحم کھا کر دعا کرلے اور تاخیر صحت سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض پیدا ہونے
لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں قبول کیوں نہیں فرماتے یا
قبول ہونے میں دیر کیوں کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اسمیں بھی حکمت ہے بعض وقت
ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو عطا کرنا
ہے کہ میری سنت عادیہ میں یہ خلل ڈالنا چاہتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی سنت
عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب سے مسبب کو مرتب فرماتے ہیں، اور ایسے وقت
شریعت کا حکم یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کو موثر بنانے کیلئے دعا بھی کی جائے
حق تعالیٰ نے انسان کو عقل بھی دی ہے اور فطرت بھی اسلئے اگر دونوں کے
مقتضا میں تزاحم ہو۔ تو اسوقت اسکو شریعت کی تعلیم پر عمل کرنا چاہیئے
کیونکہ شریعت کی تعلیم میں دونوں کی رعایت ہے مثلاً کسی چیز کے فوت ہونے سے
رنج پہنچے تو عقل اسوقت رنج کرنے سے منع کرتی ہے کہ رنج کرنے سے وہ شئے
واپس نہیں آسکتی اس لئے رنج فضول ہے اور طبیعت رنج کا تقاضہ کرتی
ہے کہ یہ چیز ہم سے جدا کیوں ہوئی مگر شریعت میں دونوں کی رعایت کیگئی
ہے کہ رنج بھی ہو مگر اسکو غالب نہ کرو شریعت نے عقل کی بھی رعایت کی اور
طبیعت کی بھی اسی طرح فنائے دنیا سے غفلت عقل کے نزدیک سخت غلطی
ہے مگر طبیعت غفلت کو مقتضی ہے کیونکہ فنائے دنیا کو بار بار دیکھتے دیکھتے ساتھ

---

[1] الفانی ص۷

سی ہو جاتی ہے اور جس چیز کی مساوات اسی ہو جائے اس سے طبیعت کو غفلت ہو جاتی ہے شریعت نے یہاں بھی دونوں کی رعایت فرمائی کہ غفلت کا تو مضائقہ نہیں مگر نہ اتنی کہ غفلت کہ احکامِ عقلیہ بالکل برباد ہو جائیں۔

الغرض شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال اخلاق کی فرع ہیں (یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور) اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں انکا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جن سے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ قوتِ عقلیہ، قوتِ شہویہ، قوتِ غضبیہ حاصل یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کو دفع کیلئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت کو سمجھے یہ قوت عقلیہ ہے دوسرا ایک یہ کہ منفعت کو سمجھکر اسکو حاصل کرے یہ قوتِ شہویہ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اسکو دفع کرے یہ قوت دافعہ قوتِ غضبیہ ہے پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں۔ افراط، تفریط، اعتدال۔ چنانچہ قوتِ عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھ جاوے کہ خدا کو بھی نہ مانے جیسے یونانیوں نے کیا، تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفاہت تک اتر آئے اسی طرح قوتِ شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال حرام کی بھی تمیز نہ رہے بیوی اجنبیہ سب برابر ہو جائیں اور ایک درجہ تفریط یعنی ایسا بے تمیز ہو جاوے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے لیے حریص ہو کہ بنا پر اسباب ہضم کمی لگے یا ایسا زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں

لے کمالاتِ اشرفیہ ص۲۹

اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بن جاوے اور تفریط یہ ہے
کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مار لے دین کو برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ
نہ آئے یہ تھا افراط و تفریط کا بیان ان تینوں قوتوں کا اعتدال یہ ہے یعنی جہاں
شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں
اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے تو ہر قوت میں تین درجے
ہوئے افراط، تفریط، اعتدال۔ ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں جو
قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے اسکا نام جربزہ ہے جو تفریط کا درجہ ہے
اسکو "سفاہت" کہتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اسکا لقب "حکمت" ہے
اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ "فجور" ہے تفریط کا درجہ "خمود" ہے اعتدال
کا درجہ "عفت" ہے اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط "تہور" ہے اور تفریط کا درجہ
"جبن" ہے اعتدال کا درجہ "شجاعت" ہے تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق
حسنہ و سیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین
درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت باقی سب رذائل
ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے تین ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت
ہے۔ اسی لئے اس امت کا لقب "امت وسط" یعنی امت عادلہ ہے غرض
انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں بزرگ تو
بہت ہیں لیکن انسان بہت کم ہیں چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے

زاہد شدی شیخ شدی و دانشمند — ایں جملہ شدی ولیکن انسان نشدی

(یعنی تم زاہد، شیخ اور عقلمند اور سب کچھ تو بن گئے مگر لیکن انسان نہ بنے)

(حاصل کلام یہ کہ) شریعت نے ہمکو ایسی تعلیم دی ہے جسمیں تمام مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت ہے اسلئے ہمیں تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے مصلحتیں اور مضرتیں معلوم کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسکی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کریں پھر ہمیں تہذیب و تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سب مصلحتوں اور مضرتوں کی رعایت فرما کر ایسی جامع اور نافع تعلیم ہمکو فرمائی ہے جسمیں مضرت کا نام ونشان نہیں بلکہ راحت ہی راحت ہے پس مسلمان اگر شریعت کی تعلیم پر کما حقہ چلیں تو ہمہ تن راحت میں رہیں روحانی راحت بھی میسر ہو اور جسمانی راحت بھی (حاصل ہو)

طریق کار دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات خصلتیں اور رہنے سہنے کے طریقے سب کی اصلاح کریں اور جو معلوم نہ ہوں پوچھتے رہیں جو کام کریں پہلے شریعت سے تحقیق کرلیں مگر تحقیق ایسوں سے کریں جو سچی بات بتلادیں اور جو خود ہی اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر ٹھونسیں اور زبردستی غیر دین کو مصلحتوں اور پالیسی کی وجہ سے دین بنادیں وہ واقع میں عالم نہیں وہ تو جاہل ہیں ایسے مت پوچھیں ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہیں بھی گمراہ کریں گے اگر یہ کہیں کہ اس زمانہ میں سچے عالم کہاں ملتے ہیں؟ تو یہ غلط ہے بلکہ ڈھونڈنے سے مل جاتے ہیں۔

لہ انفاس عیسیٰ ص۲/۹۳ ۲ علم کی طلب ص۱۵/۳۱ ۳ الشریعت ص۲۳

شریعت طریقت حقیقت اور معرفت کی تعریف اور باہمی تعلق

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے اسمیں اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف یعنی ہم معنی سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ سے فقہ کی تعریف منقول ہے مَعْرِفَۃُ النَّفْسِ مَا لَہَا وَمَا عَلَیْہَا (یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا) پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام "فقہ" ہوگیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام "تصوف" ہوگیا اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الٰہیہ صفاتیہ و فعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ و بین العبد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں وہ) منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو "معرفت" کہتے ہیں اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اسکا منشا بھی صحیح نہیں کہ وہ ظاہر و باطن میں عقیدۃً تنافی (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل نہ ہو) یہی اہل علم تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور جو لوگ

۱؎ التکشف ص ۱۱ ۲؎ طریق القلندر ص ۲۲

سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی غالی صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علما کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط ہیں خشک علما تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں یہ سب اختراعات ہیں بس نماز روزہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اسی کو کرنا چاہیے یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے تو گویا انکے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہے انکے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا جو ایک غضب کی بات ہے خدا سے ڈرو اسکے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں ایک تو حقیقت الطریقت ہے جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے ایک رسالہ مستقل مسائل السلوک ہے جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت ہیں ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن و حدیث تصوف سے بھرے ہیں اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن و حدیث میں نہ ہو غرض صحیح اور مقصود مسائل تصوف کے ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں

۲- طریقت

طریقت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر کچھ

لله تعلیم الدین حصہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ؕ الآیہ

خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں ان کے لئے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں تبدیلی نہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں ولایت کا مدار دو چیزوں پر فرمایا ہے ایمان اور تقویٰ سو جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا اسی مرتبہ کی ولایت حاصل ہوگی اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان اور تقویٰ جو صحیح عقائد ضروریہ (گو تقلیداً ہوں) اور ضروری اعمال سے حاصل ہوتا ہے ادنیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جو ہر مومن کو حاصل ہے اسکو ولایت عامہ کہتے ہیں اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت حاصل ہوگی اسکو ولایت خاصہ کہتے ہیں اور اصطلاحاً "ولی" وہی شخص کہلاتا ہے جو اس ولایت خاصہ کیساتھ موصوف ہو ہمارا مقصود بھی اس کتاب میں اسی ولایت کے احکام کو بیان کرنا ہے تو اس ولایت خاصہ کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ٹھہری ایمان کامل[1] اور تقویٰ کامل[2] اور مثل نماز روزہ کے یہ بھی فرض واجب ہے اور یہ دونوں چیزیں بدون اصلاح باطن کے حاصل نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایمان کا محل تو ظاہر ہے کہ قلب ہے رہا تقویٰ سو گو ظاہری جوارح سے متعلق ہے مگر حقیقی تقویٰ جو کامل تقویٰ ہے قلب ہی سے متعلق ہے

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَاَشَارَ اِلٰى الصَّدْرِ (مسلم)

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

---

[1] وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔ الآیہ [2] وَلٰكِنْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوْبِكُمْ الآیہ

سو جبکہ ایمان کامل اور تقوی کامل کا حاصل کرنا فرض ٹھہرا اور وہ اصلاح باطن پر موقوف ہے سو اصلاح باطن بھی فرض ہوئی اسی طرح ظاہر ہے کہ اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان و تقوی معدوم ہوگا تو اعلیٰ درجہ کا بھی کسی طرح حاصل نہ ہوگا۔

شریعت[1] کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ماں باپ کی خدمت انکو ماموراتؔ کہتے ہیں اور کلمات کفر کہنا شرک کے اعمال کرنا، زنا، چوری، سود خوری، رشوت وغیرہ انکو مناہی کہتے ہیں بعض اعمال ایسے ہیں جنکا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق و عقائد حقہ صبر و شکر، توکل، رضا بالقضا، تفویض و اخلاص، محبت خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں اور عقائد باطلہ بے صبری، ناشکری، ریا، تکبر، عجب وغیرہ یہ مناہی و رذائل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) موجود ہے اسی طرح یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (اے ایمان والو صبر کرو) اور وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے اگر ایک مقام پر کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے) اور لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کیلئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہے) پاؤ گے تو دوسرے مقام میں یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ

---

[1] تصوف و سلوک ص ۱۱-۱۰

حُبًّا لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) کبھی دیکھو گے جہاں اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی (جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں مذکور) ہے اس کے ساتھ ہی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ (لوگوں کو دکھلاتے ہیں) بھی موجود ہے اگر ایک مقام پر نماز روزہ زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی بھی موجود ہے اسی طرح احادیث کو دیکھو جسطرح ان میں ابواب نماز و روزہ بیع و شراء، نکاح و طلاق پاؤ گے۔ ابواب ریاء و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔

جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم خداوندی ہیں کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ امر کا صیغہ ہے۔ اسی طرح اِصْبِرُوْا اُشْکُرُوْا امر کا صیغہ نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال بھی باطن کی اصلاح کیلئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود ہے اور موجب نجات اور اسکی کدورت موجب ہلاکت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ الآیہ — بیشک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ — اسدن مال و اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کیلئے ہیں

پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضا اسکے لشکر یا غلام ہیں اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اسکی مطابقت کرنے لگیں (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں)

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ (الحدیث)	بیشک آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتا ہے سن لو وہ دل ہے

یہ امور رات دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جس چیز کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضا اسکی دھن میں لگ جاتے ہیں آنکھ اسکو دیکھنے کان اسکو سننے ہاتھ اسکو پکڑنے اور پاؤں اسکی جانب چلنے کو چاہتا ہے خواہ وہ چیز بری ہو یا بھلی مگر دل کا خیال ان اعضا کو اسکے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسرا فقہ یعنی شرع کے معنی کا بھی اعتبار ہے اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں تصوف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جائے یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہیں اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے اگر کوئی ہدایہ کی ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ و کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جاویں گے اسی طرح توحید و اخلاص و تکبر و تواضع و عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ و رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

لہ التصوف و سلوک ص ۱۶

اہل علم بھی اسکا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام و قعود کے اور بھی کچھ ہوا اور وہ ضروری بھی ہے مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی حالانکہ قرآن مجید میں جہاں قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ ہے اسکے ساتھ ہی خَاشِعُوْنَ (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے جب صَلٰوتِهِمْ سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ کہ خَاشِعُوْنَ سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے حالانکہ دونوں حکم ضروری ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس ہم نے وہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق تم سے پہلے امتوں میں صاحب الہام گذرے ہیں پس اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں (بخاری و مسلم) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے اپنے پاس سے انکو علم سکھایا۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جسکو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو اسکی سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اسکی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو منکر کی یہی کافی سزا ہے کہ وہ اس سے محروم رہے شعر ؎

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی ... بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

ترجمہ:۔ عشق اور مستی کے رموز اور بھید مدعی اور خود پرست سے مت کہو چھوڑ دو اسے خود پسندی میں مرنے دو۔)

لہ تعلیم الدین ص۱۷

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو سو اگر تم اسکو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے

اس احسان کو بعد ایمان و اسلام کے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائد ضروریہ و اعمال ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اسکا نام حدیث میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ بھی طریق باطن ہے کیونکہ باہتمام اس طریق کے ایسی حضوری بالکل میسر نہیں ہوتی کہ لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے جسکے غلط ہونیکا عقل کو احتمال نہیں ہو سکتا کہ ہمکو اہل باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنی باطن میں عقائد و فقہ کے علاوہ محسوس ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ طاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت عقائد کی پختگی و زیادہ ہے یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریق باطن بھی کوئی چیز ہے اسکے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات اس درجہ منقول ہیں کہ جسکی کوئی انتہا نہیں اگرچہ کوئی قوی دلیل نہیں مگر استقامت شرع کے ساتھ اگر خرق عادات ہوں تو صاحب خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں۔[1]

اس بنا پر دو چیزیں طالب ولایت کے لئے فرض ٹھہریں ایک ضروری عقائد و اعمال کی تصحیح دوسری اصلاح باطن سو عقائد و اعمال تو بقدر ضرورت مراجعت کتب و علماء سے حاصل ہو سکتے ہیں یہاں صرف اصلاح باطن کا بیان کرنا باقی ہے۔

---

[1] تعلیم الدین ص ۶۸

تصوف کی ضرورت اور اسکا رواج

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم حدیث و اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز نہ تھے بلکہ پچھلے زمانہ میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا جداگانہ نام تجویز ہوا اور انکے واضعین (بنانیوالوں) کو سب نے امام مانا حتی کہ امام شافعیؒ جیسے حضرات کو امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفۃ (لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا امام بخاری حدیث میں ایسے امام ملنے گئے کہ آج تک ان کے تبحر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے اسی طرح تزکیۂ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ انکو سب نے پیشوا مانا ہے جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ان سے پیشتر حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ اور جس طرح پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقہ بزرگان چارہ نہیں گو ادنیٰ درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدون اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے مگر وہ مرتبہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اسکا حصول بدون صحبت کاملین کے ممکن نہیں جس طرح دیگر علوم مستخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہو گیا جیسے علم فقہ اور علم حدیث اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقہ کا نام تصوف ہو گیا اگر کوئی شرح وقایہ و ہدایہ پڑھتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے اور اگر تفسیر یا حدیث پڑھتا ہے تو

له تصوف و سلوک ص ۲۶

یوں نہیں کہتے فقہ پڑھتا ہے حالانکہ فقہ میں (بقول امام اعظمؒ) بہت سے علوم مثلاً حدیث تفسیر حتیٰ کہ علم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے یا صوفی ہے نماز روزہ ادا کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے حالانکہ تصوف تزکیہ باطن بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے۔

لہٰذا جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے ایسے ہی ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور امام غزالی کی اربعین" اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ہمت کا مقتضا تو یہ ہے کہ صاحب ذوق بنو اگر اتنی ہمت نہ ہو تو خدا کے لئے انکار تو نہ کرو۔

ولایت کے شیون

ولایت چونکہ نبوت سے ماخوذ ہے اور نبوت میں مختلف شیون (شانیں) ہیں اسلئے کسی ولی کو علی قدم عیسیٰ اور کسی کو علی قدم موسیٰ حسب اختلاف شیون کہا جاتا ہے اور یہ سب شیون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے شیون کے القاب ہیں آپ کے ان شیون مختلفہ کے تابع ہیں جس جس کو آپ کی شان ملقب بہ شان موسوی سے فیض ہوا اسکو علی قدم موسیٰ اور جسکو آپکی شان عیسوی سے فیض ہوا اسکو علی شان قدم عیسیٰ وغیرہما سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لہ تصوف و سلوک صفحہ ۲۵ سلہ تفصیل الدین صفحہ ۲۲ سلہ تصوف و سلوک صفحہ ۱۳۴ ہے تعلیم الدین صفحہ ۱۵ لہ جو رفق النفاق صفحہ

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط سو تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جس طرح کہ یہیں
نسبت موسوی شیون محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ایک شان ہے عیسیٰ
روح اللہ موسیٰ کلیم اللہ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اسماء ہیں جن لوگوں
میں ان شیون موسویہ اور شیون عیسویہ کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات وہ لوگ مرتے وقت
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰى كَلِيْمُ اللّٰهِ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ پڑھنے لگتے
ہیں جس کی حقیقت عوام نہیں سمجھتے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع الکمالات ہیں
پس اس سے مستفید ہونا نہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ در اصل کمال موسوی ہے
بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ دراصل کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے سے
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تحقیقات مفیدہ متعلقہ نبوت و ولایت

اس میں گفتگو ہے کہ نبوت افضل ہے یا ولایت مگر اس پر اتفاق ہے کہ نبی ولی سے افضل ہے کیونکہ وہ نبوت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں جو حضرات نبوت کی افضلیت کے قائل ہیں وہ نبی کی افضلیت سے استدلال کرتے ہیں اور جو ولایت کی افضلیت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ولایت میں توجہ الی الحق (صرف خدا کی طرف توجہ) ہے اور نبوت میں توجہ الی الخلق (مخلوق کی طرف توجہ) ہے چونکہ خدا کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے افضل ہے پس ولایت افضل ہوئی لیکن تحقیق یہ ہے کہ ولایت تو بیشک توجہ الی الحق ہے مگر نبوت توجہ الی الخلق والحق معاً (خدا اور مخلوق دونوں کی طرف توجہ) یعنی مرتبہ جامعہ ہے پس نبوت کا افضل ہونا ظاہر ہے

علاوہ بریں اگر ولایت کو افضل کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ نبی کو نبوت ملنے کو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے کیونکہ نبی قبل از نبوت ولی ہوتا ہے پھر نبوت ملتی ہے مگر دونوں فریق میں نزاع لفظی ہے کیونکہ جو لوگ نبوت کو افضل کہتے ہیں وہ نبوت کو معنی مطابقی (یعنی توجہ الی الحق والخلق معاً) پر محمول کرتے ہیں اور جو لوگ ولایت کو افضل کہتے ہیں معنی تضمنی (یعنی مخلوق کی طرف توجہ) کے اعتبار سے کہتے ہیں۔

دوم یہ کہ نبی کی دو شاخیں ہوتی ہیں ایک ولایت کی ایک نبوت کی تو نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے چنانچہ دیکھیے کہ نبی کی توجہ الی افادۃ الخلق من حیث النبوت (یعنی مخلوق کے افادہ کیلئے نبوت کی حیثیت سے توجہ تھی اور توجہ الی الحق من حیث الولایت (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ولایت کی حیثیت سے) یعنی اصل مطلوب یہی توجہ الی اللہ ہے اور توجہ الی الافادۃ مطلوب للغیر ہے (الغرض) ولی کبھی کسی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا نہ عبادت کبھی معاف ہو سکتی ہے بلکہ خواص کو زیادہ عبادت کا حکم ہے البتہ مجذوب کہ مسلوب الحواس ہوتا ہے معذور ہے نہ ولی معصوم ہوتا ہے نہ صحابہ ہی کے مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔

لقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ وقولہ علیہ السلام خیر القرون قرنی والاجماعہم علی ان الصحابۃ کلہم عدول وبقول عبداللہ ابن المبارک من اتباعہم انا بغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم لوگ بہترین امت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے اور اسلئے کہ سب کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں اور عبداللہ بن مبارک کے تابعین میں سے یہ فرماتے ہیں کہ جو غبار حضرت امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا وہ حضرت اویس قرنی (جو مشہور ولی ہیں) اور۔

خیر من اویس القرنی و عمرالمروانی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز مروانی سے بہتر ہے

(اور اسی طرح) حضرت غوث اعظم نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں اتنا ہی فرق ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی گھوڑی کی ناک میں جو گرد بیٹھ کر جم گئی ہو وہ ہزار عمر بن عبدالعزیز جیسوں سے افضل ہے اس لئے کہ عمر ابن عبدالعزیز وہ آنکھ کہاں سے لائیں گے جن سے حضرت امیر معاویہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور وہ زمانہ کہاں سے لائیں گے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھے بیٹھے۔

اقسام طریق و سلوک

طریقؒ دو قسم پر منقسم ہے طریق جذب اور طریق سلوک کبھی وصول الی اللہ پہلے ہو جاتا ہے پھر شوق عبادت و ریاضت پیدا ہوتا ہے اسکو "طریق جاذب" کہتے ہیں اور کبھی اول ریاضت ہوتی ہے پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے اسکو طریق سلوک کہتے ہیں۔

سلوک دو قسم پر منقسم ہے سلوک نبوت اور سلوک ولایت اور ہر ایک کے آثار و خواص جدا جدا ہیں جو حسب ذیل لکھے جاتے ہیں اولیا میں سے کسی پر کسی وقت فیض نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیض ولایت کا۔

آثار سلوک ولایت	آثار سلوک نبوت
(۱) طریق ولایت والے کھانے پینے میں تکلفاً کمی کرتے ہیں۔	(۱) طریق نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

ؒ مبادی التصوف صٰ

آثار سلوک ولایت	آثارِ سلوکِ نبوت
(۲) خلق سے نفرت کرتے ہیں	(۲) خلق کی طرف افاضہ کے لئے رغبت کرتے ہیں لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے
(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے جب تک واجب نہ ہو۔	(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔
(۴) انکو اپنے مکاشفات و تحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں اگر خلاف شرع نہ ہو	(۴) انپر ادب غالب ہوتا ہے جیسا کہ صاحب شرع سے منقول ہوتا ہے اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے اگرچہ وہ زیادت خلاف شرع نہ ہو۔
(۵) ان پر ذوق وشوق غالب ہوتا ہے اور عبادت میں لذت طبعیہ آتی ہے۔	(۵) انپر ذوق وشوق غالب نہیں ہوتا بلکہ ان کو عبادت میں کبھی طبعی مزہ نہیں آتا یعنی اگر نہ آوے دلگیر نہیں ہوتے محض حکم ایزدی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔
(۶) اہتمام سے دعا نہیں مانگتے۔	(۶) بمقتضائے اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ دعا مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔
(۷) اسباب ظاہری کو ترک کرتے ہیں	(۷) اوروں سے زائد اسباب سے متمسک ہوتے ہیں مگر بدوں انہماک کے

آثار سلوک ولایت	آثار سلوک نبوت
	مقتضاء کے موافق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں دو دو زرہیں پہنیں ہیں۔
(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ طبعاً زیادہ محبت کرتے ہیں مگر اعتقاد فضیلت ترتیب سے ہوتا ہے۔	(۸) حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے زیادہ محبت کرتے ہیں
(۹) شیخ کو سارے جہاں سے افضل سمجھتے اور اس پر فریفتہ ہوتے ہیں۔	(۹) افضلیت کا یقین نہیں کرتے محبت کرتے ہیں۔
(۱۰) ان سے شریعت میں کبھی تسامح بھی ہو جاتا ہے اور وہ معذور ہیں۔	(۱۰) یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں۔
(۱۱) ان پر سکر (یعنی عالم بیخودی) غالب ہوتا ہے۔	(۱۱) ان پر صحو (یعنی ہوشیاری) غالب ہوتا ہے۔
(۱۲) بعض اوقات بعض مغلوبین جماعت سے بھاگتے ہیں کیونکہ ان کو اخفاء مقصود ہوتا ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں ابھی غیر باقی ہے	(۱۲) جماعت کی پابندی کرتے ہیں اور ان کی نظر سے مقصودیت غیر کی بالکل نفی ہو چکتی ہے۔
(۱۳) اگر ظاہری شریعت کے خلاف شیخ حکم کرے تو اُسے خلاف شریعت	(۱۳) اگر خلاف ظاہر شریعت کوئی حکم شیخ کی طرف سے ہو تو مخالفت کرتے ہیں

آثار سلوک ولایت	آثار سلوک نبوت
نہیں کسی تاویل سے کر لیتے ہیں مگر غیر قطعیات میں۔	مگر ادب کے ساتھ۔
(۱۴) ان پر حب عشقی غالب ہوتی ہے	(۱۴) ان پر حب ایمانی غالب ہوتی ہے
(۱۵) اصحاب سلوک ولایت پر کبھی تشبیہ غالب ہوتی ہے۔	(۱۵) اصحاب سلوک نبوت پر ہمیشہ تنزیہ غالب رہتی ہے۔
(۱۶) سلوک ولایت کی انتہا مقام رضا یا فنا الفنا رہے۔	(۱۶) سلوک نبوت کی انتہا مقام عبودیت ہے۔

تنبیہ تفصیل بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اولیاؒ خلاف شریعت چلتے ہیں کیونکہ ایک تو محض ظاہر ہے اسپر اصحاب حدیث چلتے ہیں اور دوسرے نصوص کے معانی محض احکام ہوتے ہیں اسپر فقہاء عامل ہیں تیسرے نصوص کے معنی المعنی ہوتے ہیں، اسپر بعض احکام میں صوفیہ عامل ہیں لیکن فقہا کا طریق اسلم ہے کیونکہ وہ شرعیات ہی سے علت مستنبط کر کے حکم کو متعدی کرتے ہیں اور صوفیہ کبھی اپنے ذوق سے بھی علت نکال کر حکم کو متعدی کر لیتے ہیں شرعیات سے علت نکالکر حکم کو متعدی کرنیکی نظیر تو صحابہ کے زمانہ میں بھی پائی جاتی تھی اور اسکا حجت ہونا تو صراحۃً ثابت ہے بخلاف ذوق محض کے کہ اس سے علت نکالکر حکم کو متعدی کرنے کی نظیر معروف نہیں اور محض ظاہر اَیٰتِہٖ یَتَدَبَّرُوْنَ وَیَتَفَکَّرُوْنَ کے خلاف ہے

سالک کا مقام سالکین کا مقام اِیَّاکَ نَعْبُدُ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں) پر تمام ہو جاتا ہے اس کے بعد اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

۱؎ مبادی التصوف صفحہ ۱۰ ۲؎ اولیاء اللہ ۳؎ مسائل السلوک صفحہ

(آپ ہی سے اعانت کی درخواست کرتے ہیں) سے تمکین کا طالب ہوتا ہے بیان اس کا یہ ہے کہ مرید کی ابتدائی حرکت "حمد" ہے کیونکہ جب سالک کا نفس مزکی اور اس کا قلب مجلی ہو جاتا ہے تو پھر اس میں انوار عنایت جو کہ مقام ولایت کا موجب ہے درخشاں ہوتے ہیں تو یہ نفس مزکی طلب (مقصود) کے لئے خالص ہو جاتا ہے پس اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کے آثار کامل اور اس کے الطاف کو غیر متناہی دیکھتا ہے سو اس پر وہ حمد کرتا ہے اور ذکر کو اختیار کرتا ہے پس سرا پردہائے عزت کے پیچھے سے اس کیلئے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (سارے عالم کے مربی) کے معنی کا حجاب منکشوف ہو جاتا ہے اسوقت وہ ماسوی اللہ کو محل فنا میں اور اپنے کو تربیت میں بقاء دہندہ کا محتاج دیکھتا ہے پس وہ دہشت اغراض اور ظلمت سکون الی الاغیار سے خلاصی طلب کرنے کے لئے ترقی کرتا ہے پس اس پر درگاہ مقدس کی ہواؤں سے رحمن رحیم (بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں) کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں۔ پھر وہ سرا پردہ ہائے جمال کے آگے سے برقہائے جلال کی چمک کے واسطے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے پھر وہ مقام لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (یعنی مقام توحید) میں بلسان اضطرار پکارتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے سپرد کر دیا اور میں ہمہ تن آپ پر متوجہ ہو گیا اور اس مقام پر پہنچ کر وہ لجہ وصول میں گھس گیا اور مقام عین تک پہنچ گیا جس سے اس نے نسبت عبودیت کو محقق کر لیا اور کہنے لگا اِیَّاكَ نَعْبُدُ و اور یہاں مقام سالک کی انتہا ہے (جیسا کہ شروع میں کہا گیا) کیا سید الخلق و حبیب حق صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہیں کرتے ہو کہ آپ کے مقام کو کسطرح اس قول سے تعبیر کیا گیا۔

لے اس خطاب میں مقام فناء کی طرف اشارہ ہے (مسائل السلوک ص۳)

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔ وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت لے گیا اس کے بعد بندہ نے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے تمکین کی درخواست کی (جیسا شروع میں اسکا بھی ذکر ہے) اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ (ہم کو سیدھا راستہ دکھلا دیجئے) سے بھی اسی تمکین کا طالب ہوا اور اس قول سے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے) تلوین سے پناہ مانگی پس طالب کمال ہو کہ اس نے صعود کیا اور کامل ہو کر اس نے رجوع (نزول) کیا اور گویا اسی (لطیفہ) کے سبب نماز کو معراج مومن کہا گیا

اصلاح باطن اور اس کے لوازمات

باطن کے متعلق دو قسم کے اوصاف ایک محمودہ دوسرے مذموم سو حقیقت اصلاح کی یہ ہے کہ اوصاف محمودہ کو پیدا کرے اور اوصاف مذمومہ کو دور کرے پہلے کو تحلیہ کہتے ہیں اور دوسرے کو تخلیہ اور تجلیہ کہتے ہیں اسی طرح تحصیل ولایت کے جاننے کا نام عرف میں تصوف ہو گیا اب ان اوصاف حمیدہ اور اوصاف ذمیمہ کو معلوم کرنا چاہیئے یوں تو بیشمار اوصاف ہیں مگر ان کے اصول بعد دیئے جاتے ہیں

لہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم بدون اس کے میسر نہیں ہوتا کہ اہل صراط مستقیم کا اتباع کیا جائے (جن کو الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے تعبیر کیا ہے) اور اسکے لئے صرف کتب اوراق کافی نہیں نیز اشارہ ہے اسطرف کہ مطلوب صراط مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی جو صرف منعم علیہم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام مخلوق کو عام ہے (ایضاً) ٢ہ تعلیم الدین صلا سے التصوف ھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس وتصفیۃ الاخلاق وتعمیر الظاھر والباطن (بقیہ برصا۴۳)

اوصاف حمیدہ اور کچھ اوصاف ذمیمہ جنکے حاصل یا زائل کرنے کیلئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف صاف امر فرمایا ہے ان اوصاف کو جبکہ درست ہوجاویں اصطلاح صوفیہ میں مقامات کہتے ہیں پس تقریر ہذا سے واضح ہوگیا کہ مقاصد اس فن کے یہی مقامات ہیں۔ اور طالب کا اتنا ہی کام ہے کہ ان کو درست کرے انکے درست کر لینے کو تفصیلی ریاضت کہتے ہیں ایک طریق ریاضت و مجاہدے کا اجمالی ہے اسکے اصول ائمہ فن کے نزدیک چار امر ہیں۔ قلۃ الکلام، قلۃ الطعام، قلۃ المنام قلۃ الاختلاط مع الانام۔ غرض ریاضت و مجاہدہ خواہ تفصیلاً ہو یا اجمالاً اس سے قلب سالک میں استعداد قریبہ وصول الی اللہ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد محض فضل خداوندی سے اس کے قلب کو بالفعل ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اس کو "نسبت سکینہ" اور "نور" سے تعبیر کرتے ہیں

(حاشیہ بقیہ از صفحہ) ونیل السعادۃ الابدیۃ وموضوعہ التزکیۃ والتصفیۃ والتعمیر المذکور وغایتہ نیل السعادۃ الابدیۃ ومسائلہ ما یذکر فی کتبہ من المقاصد (الرسالۃ القشیریۃ) لہ اب یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ شارع علیہ السلام نے تصوف نہیں سکھایا۔ لہ المقام ما یتحقق بہ العبد بمنازلہ من الآداب مما یتوصل الیہ بنوع تصرف ویتحقق بہ بضرب تطلب ومقاساۃ تکلف فمقام کل احد موضع اقامتہ عند ذلک وما ہو مشتغل بالریاضۃ الی ان قال فان من لا قناعۃ لہ لا یصح لہ التوکل الخ (الرسالۃ القشیریۃ) ۱۲ منہ وھو اربعۃ السہر والخلوۃ والصمت والجوع الخ (الاحیاء) کہ تاوقتیکہ ہمہ امراض معنوی کہ صفات ذمیمہ اند دفع نہ شوند وبجائے آنہا ہمہ اوصاف حمیدہ حاصل نہ شوند استعداد وصول الی اللہ میسر نہ باشد (ضیاء القلوب) ۱۲ شہ یرجع الطرق کلہا الی تحصیل ہیئۃ نفسانیۃ تسمی عندھم بالنسبۃ لانہا انتساب ما ... بقیہ

اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام "وصول" ہے پچھلے زمانہ میں بوجہ برکت قربِ
عہد سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر بوجہ نسبت قوی پیدا ہو جانیکے وصولِ
کامل ہو جاتا تھا لیکن اس زمانہ میں اکثر اس مقام پر نسبت ضعیف پیدا ہو جاتی ہے
جسکا حاصل کرنا فرض ہے اور نسبت قویہ اور وصول کامل کے لئے اذکار و اشغال
و مراقبات کی حاجت پڑتی ہے جسکا حاصل کرنا مندوب ہے اہل بیعت خلافت و مشیخت کا
ادنیٰ درجہ اس قوت نسبت کے حاصل ہو جانے پر میسر آجاتا ہے پھر بعد حصول نسبت
قویہ کے چونکہ مبداءِ فیاض سے قلب کو تعلق ہو گیا ہے بوجہ صفائی قلب پر کچھ
علوم و اسرار کبھی حالات و آثار نازل ہوتے ہیں ان علوم کو حقائق و معارف اور
ان آثار کو احوال کہتے ہیں اور بعض اوقات محض جذبۂ غیبی سے یا کسی بزرگ کی توجہ و ہمت

(حاشیہ بقیہ از صفحہ ۴۳) انتساب و ارتباط باللہ عزوجل و بالسکینۃ وھو النور الی قولہ والغرض من
اشتغال تحصیل نسبتہ والمواظبۃ علیہا والاستغراق فیہا حتی یثبت للنفس ھٰھنا
ملکۃ راسخۃ ولا تظن ان النسبۃ لا تحصل الا بھذہ الاشغال بل ھذہ طرق فیھا
من غیر حصر فیھا والغالب لرأی عندی ان الصحابۃ والتابعین کانوا یحصلون السکینۃ
بطرق اخری فمنھا المواظبۃ علی العبادات الی آخر ما ۱۲ (القول الجمیل)
له الحقیقۃ الشھود لما خفی وقد یراد الخفی والظاھر ۱۲ (قشیریہ) ٢ے الحال عند القوم
معنی یرد علی القلب من غیر تعمد منھم ولا اجتلاب ولا اکتساب لھم من طرب
او حزن او بسط او شوق او انزعاج او ھیبۃ او ابتھاج فالاحوال مواھب والمقامات
مکاسب ۱۲ (قشیریہ) ٣ے بدانکہ علت موجب قرب الٰہی جذب یعنی کشش خداست بندہ
را بسوئے خود۔ و ایں جذب گاہے بے توسط امرے باشد و آنرا اجتبا گویند و گاہے بتوسط امرے باشد
و آں بتوسط دو چیز است یکم استغراق یکے عبادت دوم صحبت انسان کامل مکمل پس جذب الٰہی کہ بتوسط عبادت
باشد آنرا ثمرہ گویند و آنچہ بتوسط صحبت شیخ باشد آنرا تاثیر شیخ (ارشاد الطالبین) بقیہ بر صفحہ ۴۵

اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس کے بعد مقامات کی تصحیح ہوتی ہے اور یہ اقرب طریق ہے اور اکثر اس زمانہ میں معمول مشائخ یہی ہے اور یہ طریق طریق عشق سے ملقب ہے شعر ہے

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد

پہلے شخص کو سالک مجذوب، مرید، اور محب کہتے ہیں دوسرے کو مجذوب سالک مراد اور محبوب کہتے ہیں اور تقدیم سلوک کو ہدایت اور تقدیم جذب کو اجتبا کہتے ہیں پس ترتیب سلوک اہل طریق کے نزدیک یوں ہوئی کہ اوّل قلب میں ارادہ پیدا ہوا اسوقت اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد کرنا چاہیئے۔ جس کا عنوان اس زمانہ

حاشیہ بقیہ از صفحہ اول را مرادیت و ثانی را مرادیت گفتن لائق است واللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب، حق تعالیٰ اجتبا سکینہ ہر کرا میخواہد یعنی بدون سعی و برگزیدہ میکند وہدایت میکند کسے را کہ رجوع مے آرد ۱۲ (درستی) مجذوب سالک آنکہ اوّل بقوت امداد جذبات بساط مقامات را گردہ بعالم کشف رسد بعد ازاں منازل و مراحل را بہ قدم سلوک باز آید و سالک مجذوب آنکہ اول جملہ مہالک مقامات نفسانی را بقدم سلوک نوشتہ آنگاہ بامداد جذبات جناب الٰہی بعالم کشف و یقین رسیدہ ۱۲ جواہر غیبی از شرح گلشن راز سالکان دو نوع اند محبوبان و محبان آنکہ جذب ایشاں مقدم است محبوباں اند و آنکہ سلوک ایشاں مقدم است محباں اند ۱۲ جواہر غیبی

لہ فاذا کفی ذالک او ضعت بالمجاھدۃ الی قولہ الزمہ الشیخ ناحیۃ ویلقنہ ذکر امن الاذکار حتی تسقط حرکۃ اللسان تبقی صورۃ اللفظ فی القلب ثم لا یزال کذالک حتی یمحی عن القلب حروف اللفظ وصورتہ تبقی حقیقۃ معناہ فاذا حصل قلبہ مع اللہ تعالیٰ انکشف جلال الحضرۃ ۱۲ الابدیۃ وتجلی لہ الحق وظھر لہ من لطائف اللہ ما لا یجوز ان یوصف انتھی مختصرا ۱۲ (احیاء) لہ التوبۃ والعزیمۃ علی ترک المعاصی والتبعات بحبل التقویٰ، ھی مضمون فیصنا لیعتہ مقامہا ۱۲ (القول الجمیل)

میں بیعت ہے پھر شیخ کامل اجمالی یا تفصیلی ریاضت کرا دے جس سے کچھ نسبت پیدا ہو جاوے یا پہلے القار نسبت کرے پھر ریاضت کرادے۔ جب قلب تعلقات سے خالی ہو جاوے پھر اگر چاہے اسکو خلافت دے اگر چاہے منتظر نزول احوال و معارف کا رہے اگر قسمت میں ہے تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جسکے غلبہ کا نام عروج ہے اور منتہی اسکا تجلی بے کیف ہے پھر بعض تو اسمیں مستغرق رہجاتے ہیں اور بعض کو افاقہ ہوتا ہے اس افاقے کو نزول کہتے ہیں خلافت کاملہ اور مشیخت علیہ اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔

اصول طریقت کا اجمالی خاکہ

اس طریق کے متعلق چند ضروری امور مثل اصول موضوعہ کے ہیں اگر تحقیقاً یا تقلیداً ان کا اعتقاد اور ان پر عمل کیا جائے تو ہمیشہ کی پریشانی و غلط فہمی و کجروی سے بچ جائے

اول ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں کچھ مقاصد، کچھ زوائد و توابع اصل مقاصد ہوتے ہیں اور مبادی اس سے مقدم مگر مقصود بالغرض۔ اور زوائد اس سے موخر مگر غیر مقصود اسطرح اس طریق میں بھی بعض مبادی ہیں اور وہ چند علوم و مسائل ہیں جو بصیرت فی المقصود کے موقوف علیہ ہیں اور بعض مقاصد ہیں کہ وہی مقصود یا لتحصیل ہیں اور ان ہی پر کامیابی اور ناکامی کا مدار ہے اور بعض زوائد و توابع ہیں کہ انکا وجود نہ معیار کامیابی ہے نہ فقدان معیار ناکامی (یعنی غیر مقصود ہیں)

ثانی۔ مجمد مبادی کے امر اول مذکورہ بالا ہے جو غایۃ اعظم المبادی و اجمع المبادی ہے اور دوسرے مبادی پر اثنائے سلوک میں وقتاً فوقتاً تنبیہ و اطلاع کی جاتی رہتی ہے اور مقاصد اعمال خاصہ ہیں جو افعال اختیاریہ ہیں جنمیں ایک حصہ اعمال صالحہ

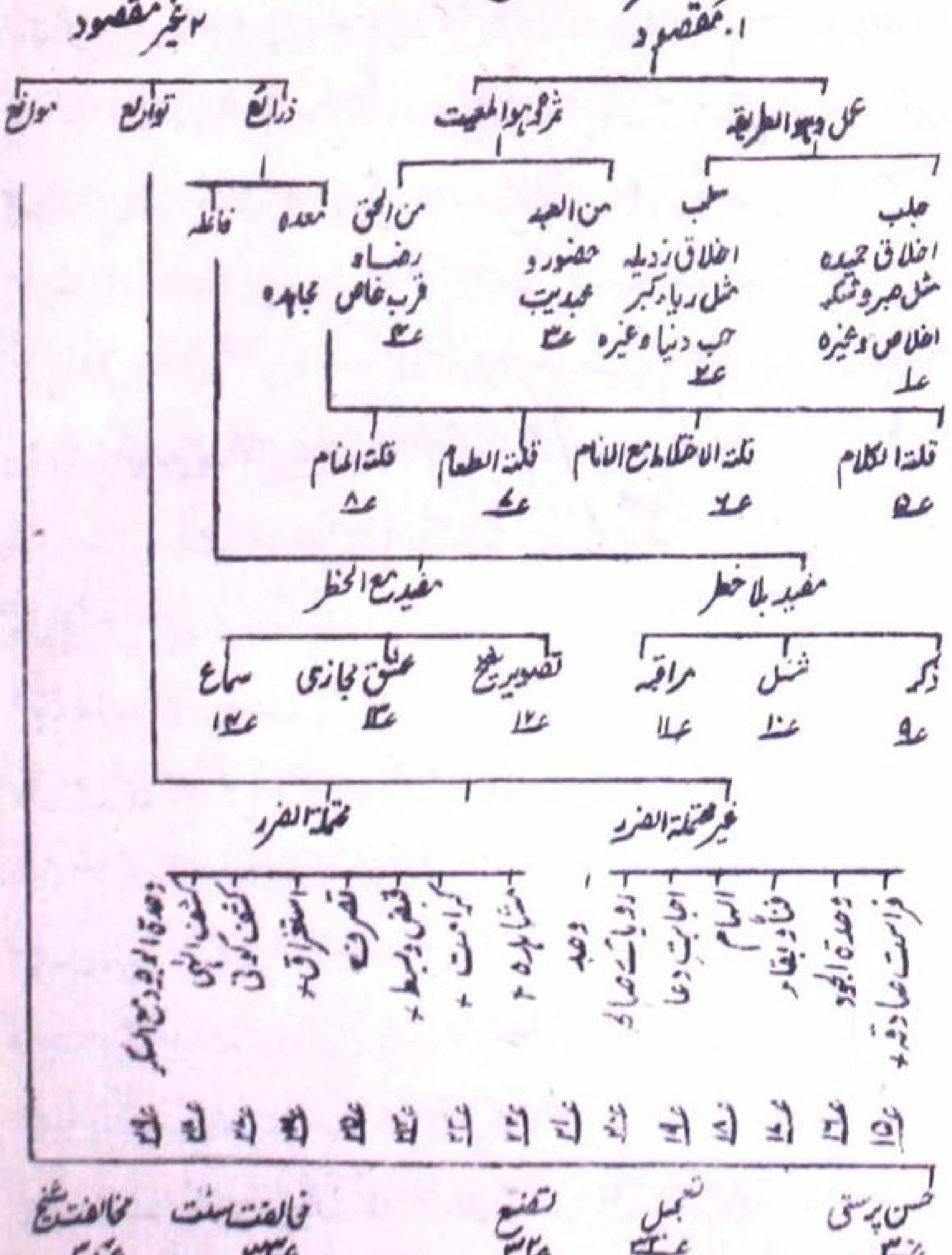
۱؎ [illegible] ۲؎ القا [illegible]

متعلق بجوارح ہیں جنکو سب جانتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و دیگر طاعات واجبہ مندوبہ اور دوسرا حصہ اعمال صالحہ متعلق بقلب و نفس ہیں مثل اخلاص تواضع و حب حق و شکر و صبر و رضا و تفویض و توکل و خوف و رجا و امثالہا اور ان کے اضداد کا ازالہ اور ان اعمال اختیاریہ کو مقامات کہتے ہیں اور یہی نصوص میں مامور بالتحصیل ہیں اور ان کے اضداد مامور بالازالہ والرفع اور ان اعمال کی غایت تعلق بحق (یعنی نسبت) و رضائے حق ہے کہ روح اعظم سلوک کی یہی ہے اور زوائد احوال خاصہ ہیں مثل ذوق و شوق، قبض و بسط، صحو و سکر، غیبت، وجد، استغراق و اشباہہا اور یہ امور غیر اختیاریہ ہیں اعمال مذکورہ پر اکثر انکا ترتب ہوتا ہے اور گاہ نہیں ہوتا یہ احوال نہ مامور بہا ہیں نہ ان کے اضداد مامور بالازالہ اگر ترتب ہو جاوے محمود ہے اگر نہ ہو تو مقصود میں کچھ خلل نہیں اسی لئے کہا گیا ہے المقامات مکاسب و الاحوال مواہب (یعنی مقامات اختیار سے حاصل ہوتے ہیں اور کیفیات و احوال عطاء ربی ہیں) پس خلاصہ یہ ہوا کہ طریق میں تین امور مبحوث عنہ ہیں (یعنی تین امور ہیں جن سے بحث کی جاتی ہے)

(۱) علوم جن سے مقصود محض بصیرت ہوتی ہے (۲) اعمال جو کہ مقصود ہیں اور ان کا اہتمام ضروری ہے (۳) احوال جو کہ مقصود نہیں گو محمود ہیں ان کے درپے ہرگز نہ ہونا چاہئیے ثالث یہ قواعد کلیہ ہیں باقی جزئیات کا انطباق اس میں شیخ کی ضرورت ہے کہ اسکا درجہ طبیب کا سا ہے اور طالب کا درجہ مریض کا سا طبیب سے اپنا حال کہا جاتا ہے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے اسکا استعمال کرکے اسکو اطلاع دی جاتی ہے پھر جو رائے دیتا ہے اس پر عمل ہوتا ہے اسیطرح تا حصول صحت سلسلہ جاری رہتا ہے اسی طرح طریق سلوک میں بھی دوام ہیں اطلاع و اتباع تا حصول مقصود یعنی رسوخ نسبت بحق (مطلب یہ کہ جب تک کامل نسبت اور حصول پیدا نہیں ہوتا جملہ امراض سے شیخ کو مطلع کرتا رہے اور اس کی طرف سے

تجویز کردہ نسخہ شفاء کو استعمال میں لاتا رہے۔)

شجرۃ المراد یعنی نقشہ امور تصوّف



لہ مبادی التصوف مگر + نشان والے متفرق جگہ سے ماخوذ ہیں۔

ترتیب حصول سلوک اور اسکے عنوانات

یہ سب کچھ جان لینے کے بعد اس بات کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ اس راہ میں گامزن ہونے سے پہلے ترتیب سلوک کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے صحیح ترتیب یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبۂ خالصہ کریں اور کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اگر فوت ہوگئی ہوں تو انکا ادا کرنا شروع کر دیں اور اگر ذمہ پر کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جاویں یا اہل حق سے معاف کرا دیں۔ کیونکہ بدوں اس کے ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کریں اگر عمر بھر بھی ریاضت اور مجاہدہ کریں گے ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی قوی عزم رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال یا جان کا کتنا ہی ضرر ہو اور گو نفسانی دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو اور گو خلق کتنا ہی ملامت کرے سب برداشت کریں گے اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے اگر اتنی ہمت نہیں تو وہ طالب حق نہیں ہیں کیونکہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے شعر ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۔۔۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(یعنی محبوب کے راستہ کو جو اپنے اندر جسم و جان کے لئے ہزاروں خطرات رکھتا ہے طے کرنے کی اگر خواہش ہو تو اس میں قدم رکھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ دیوانہ بنا جائے)

جب یہ امور انجام پا جائیں تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کیا جائے پھر شیخ کامل

لہ تسہیل السبیل حصہ

کی جستجو کی جائے۔

پس امور مذکورہ کی ترتیب کے اعتبار سے عنوانات کی یوں ترتیب ہوئی ارادت و بیعت، ریاضت جمالی و تفصیلی، اذکار، اشغال و مراقبات، احوال معارف (و حقایق)، اور چونکہ ہر فن میں کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں جنکے نہ جاننے سے قوم کے کلام سمجھنے میں غلطیاں ہوتی ہیں اسی طرح ہر مطلوب میں کچھ موانع پیش آجاتے ہیں اسی طرح کچھ مسائل جزئیہ بھی ہوتے ہیں اسی طرح کچھ اغلاط بھی لاعلمی سے واقع ہوجاتی ہیں تو اسمیں تنبیہ کی حاجت ہے جسکو اصلاحات کہنا چاہیئے بعض امور کسی اشتباہ کے دفع یا کسی مرض باطنی کے علاج یا کسی عمل کے طرز و طریق میں اسکو تعلیمات سے تعبیر کرنا مناسب ہے اور بعض امور ظاہر نظر میں حدود جواز سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں اگر واقع میں وہ داخل حدود ہیں تو انکی تاویل اور تطبیق کیلئے ان کو توجیہات کہنا خوب ہے اور ایسے امور جو ان کلیات سے کسی کی فرد نہ ہوں انکو متفرقات کہا جائیگا اسی طرح مشائخ کا معمول رہا ہے کہ کچھ کلمات جامعہ بطور وصیت کے طالبین کو فرماتے ہیں بتوفیق اللہ تعالیٰ ان سب مضامین کو الگ الگ ابواب میں بترتیب مذکور لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ تکمیل فرمائیں۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

۳ بیعت و ارادت

باب اول۔ بیعت کا بیان!

عن عوف بن مالک الاشجعی قال   حضرت عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ

كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم تسعة او ثمانية او سبعة فقال الا تبايعون رسول الله صلى الله عليه وسلم فبسطنا ايدينا وقلنا على ما نبايعك يا رسول الله قال على ان تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وتصلوا الصلوات الخمس وتسمعوا وتطيعوا (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپکی بیعت کریں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو اسکو مسلم ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا۔

اثبات بیعت اور اسکی حقیقت

حضرات صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جسکا حاصل التزام احکام (یعنی اعمال ظاہری و باطنی یا استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ صحابہ ہیں چونکہ صحابہ ہیں اس لئے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہوا کہ التزام و اہتمام اعمال کے لئے ہے پس اس کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بعدہ جو اشتباہ بیعت خلافت کے سلف نے صحبت پر اکتفا فرمایا پھر خرقہ کی رسم بجائے

بیعت کے جاری ہوئی۔ جب وہ رسم (بیعت) خلفا میں رہی تو صوفیہ نے اس مردہ سنت کو پھر زندہ کیا۔

(بیعت کی اصلی حقیقت خود لفظ بیعت و ارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لغوی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے ارادہ محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لئے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے پس مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لئے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنا لینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ ساتھ چلنا تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دینا جیسے مریض کسی حاذق طبیب کے حوالے اپنے کو کر دیتا اور دوا و پرہیز میں کامل اس کی تجویز و ہدایت پر عمل کرتا ہے۔

پیری و مریدی یا بیعت و ارادت کی حقیقت و ضرورت میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے ایک طرف اسکو سرے سے بعضوں نے بدعت سمجھ رکھا ہے اور دوسری طرف صرف ایک رسم بنا رکھا ہے کہ بس دست بوسی و پابوسی کر لی باقی خود کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں حالانکہ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ صرف کام ہی خود چاہا جاتا ہے کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا اگرچہ رسمی ہی، مرید کہلانے کی بھی نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے برکات کچھ نہیں لیکن اسکو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ اصلی غرض اور مقصود سالک کو راستہ کو سمجھے جس کا طریق

لہ التصوف و سلوک ص ۹۵ مولانا ... سنبیل ص

احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے شیخ اس کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اسپر کار آمد ہوتا ہے اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ جو کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضا سے دخول جنت و لقاءِ حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی اور شیخ کی طرف سے تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اتباع کا عہد یہی پیروی مریدی کی حقیقت ہے۔ اور گو یہ تعلیم بدون بیعت متعارفہ (یعنی مشہورہ) بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعًا یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا ہے اور شیخ کی تعیین (یعنی ایک معین شخص ہونا) اور وحدت (یعنی ایک ہی ہونے) میں بھی یہی حکمت ہے کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا عورت کو کوئی کپڑا وغیرہ پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو یہ بیس اس معاہدے کی تاکید کے لئے ایک عادتِ صالحہ مستحسنہ ہے اور نہ معاہدہ کا جزو نہیں نہ مقصود ہے نہ کسی مقصود کا موقوف علیہ، اسی وجہ سے غائب کے لئے اسکی رسم نہیں (یعنی غائب کی بیعت بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے بذریعہ تحریر وغیرہ بھی ہو جاتی ہے) اور اسکا استحسان سنت میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ مردوں کے لئے ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کے قائم مقام ہے۔

بیعت کی ضرورت

یہ یقینی ہے[1] کہ بیعت طریقت کی ضرورت عام نہیں لیکن باوجود اسکے پھر بھی نفس میں بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں کہ بدون تنبیہ شیخ محقق عارف کے سمجھ میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں بھی آجاتے ہیں تو انکا علاج سمجھ میں نہیں آتا اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی

---

[1] انفاس عیسیٰ ص۶۱ ۔ تسہیل السبیل ص۳۶

سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھکر آگاہ کرتا ہے اور انکا علاج و تدبیر بتاتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد دیکھ چکا ہے جو پریشانی تمکو پیش آتی ہے وہ اسکو بارہا پیش آچکی ہے اس کو بھی کسی صاحبِ بصیرت نے سنبھالا تھا بار بار تجربہ ہونے سے اسکو پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اسمیں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہوسکتا پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کر چکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے۔ اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے کوئی شخص کتنا ہی عالم فاضل ہو اور طب کی کتابیں بھی پڑھ لیتا ہو مگر باقاعدہ کسی طبیب کے پاس رہ کر مشق نہ کی ہو اگر وہ خود اپنا علاج محض کتابی نسخوں سے کرنے لگے تو خطرے کا باعث نہیں تو اور کیا ہے۔ لہذا کمتب طب سے کوئی مریض اپنا معالجہ نہیں کرسکتا حالانکہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے اور طبیب انہی سے علاج کرتا ہے مگر تم نہیں کرسکتے اگر معمولی مرض کا علاج کر بھی لیا تو شدید امراض کا علاج تو کبھی نہیں کرسکتے مجھے ہر سال برسات کے اخیر میں بخار آیا کرتا تھا اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے تھے میں نے کہا لاؤ اسکو لکھ لیں جب بخار آیا کرے گا تو اس کو استعمال کر لیا کریں گے چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا مگر خاک نفع نہ ہوا آخر کار حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوا پھر تحقیق ہوئی کہ اس سال صفرا کے ساتھ

لہ الباطن صہ۹۱ ۲ہ الرغبۃ المرغوبہ صہ۱۷

بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں اب اگر میں نے یہ نسخہ بھی نقل کر لیا کہ چلو اس میں صفراء و بلغم دونوں کی رعایت ہے تو اسکا اندازہ کیسے ہو تا کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ ہے یا مساوی ہی ہے یا کم ہے اسکا اندازہ تو طبیب ہی کر سکتا ہے جو نبض کی حالت کو پہچانتا ہو۔ اس لئے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے۔

غرض[1] نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بغیر رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے اگر ایک نابینا کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اس کو خود چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے نہیں تو ہزار رفیق بھی ملنے پر راستہ قطع نہ ہو گا البتہ چلنے کے بعد رہبر اور رفیق کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اگر رہبر نہ ہو۔ تو نابینا راستہ میں ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گریگا۔ بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑ لے بالکل ویسی ہی حالت اس راستہ کی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا ہے۔

(الغرض[2]، عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدون استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہ (طریقت) میں آنے کی توفیق ہو۔ استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جس کے فیض تعلیم و برکت صحبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے۔ اشعار؂

گر ہوائے ایں سفر داری دلا۔ دامن رہبر بگیر و پس بیا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق۔ عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

(یعنی اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کر چلو۔ اس لئے کہ جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گذر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا)

اور[3] مولانا رومی فرماتے ہیں۔ شعر؂

---

[1] تصوف و سلوک ص۱۰ [2] تعلیم الدین ص۲۷ [3] الفاقی ص۷

یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاوز اندریں صحرا مشر

(یعنی باطنی راستہ کے لئے کوئی رفیق ساتھ لے لو۔ تنہا اس راستہ کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو کیونکہ تم تنہا اسکو قطع نہیں کر سکتے۔)

باب دہم شیخ کامل کا بیان

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل (اخرجہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال لیا کرے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتا ہے (ابوداؤد و ترمذی شریف)۔

ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے اور جب معمولی دوستی دین کے اندر موثر ہے تو اتنی بڑی دوستی اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی چنانچہ مشاہد ہے کہ پیر کے عقائد و اعمال و اخلاق کا اثر مرید میں سرایت کرتا ہے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے یعنی مرید ان امور کو مستحسن سمجھتا ہے پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے اس لئے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہیئے اس میں زیادہ تر بے پروائی برتی جاتی ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔

چونکہ بدون علامات تلاش ممکن نہیں اس لئے اس مقام پر شیخ کامل کی حقیقت اور اس کے شرائط و علامات رقم ہوتے ہیں۔

---

[1] التکشف صفحہ ۵۲ تعلیم الدین صفحہ ۴۲

شیخ کامل کی اہمیت اور اس کی پہچان

کار مرداں روشنی و گرمی است   کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

روشنی سے مراد نور ایمان و عرفان گرمی سے مراد گرمی عشق۔ اس میں اشارہ ہے شیخ کامل کی پہچان کی طرف کہ ان کے یہ صفات ہیں (معرفت اور عشق الٰہی) اور جو کمینے اور چھچھورے ہیں ان کی عادت حیلہ (مکر و فریب) اور بے حیائی ہے۔

مولنا رومی نے شیخ کامل کی علامات اجمالاً بیان فرمائی ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کیلئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسروں کا علاج بھی کر سکے کیونکہ اگر مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے "رای العلیل علیل" (یعنی بیمار کی رائے بھی بیمار ہے) گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتبار نہیں۔ اور اگر وہ خود صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے مرشد کی ضرورت ہے جو خود بھی متقی اور صالح ہو۔ مبتدع (اہل بدعت) و فاسق نہ ہو اور دوسروں کی تکمیل بھی کر سکتا ہو۔

کیونکہ اگر بد عقیدہ و بد عمل ہے تو اول اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیر خواہی سے تعلیم کریگا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اس لئے نصیحت نہ کر سکے گا کہ خود اس کا عامل نہیں۔ یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کروں گا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی تاویل سے درست کرنا چاہے گا۔ تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے

ثانیاً اس کی تعلیم میں انوار و برکات و تاثیر امدادِ غیبی نہ ہوگی اسی طرح اگر متقی صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو بھی طالب کی رفع ضرورت نہیں کر سکتا اور جس طرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب پڑھا ہو۔ کسی طبیب کامل کے پاس مدت معتدبہ تک مطب کیا ہو سمجھدار لوگ اس کی طرف رجوع ہوں اس کے ہاتھ سے لوگ شفایاب بھی ہوتے ہوں اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ:۔

(۱) علم شریعت سے بقدرِ ضرورت واقف ہو، خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے تاکہ فسادِ عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے ورنہ بمصداق

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(۲) عقائد، اخلاق و اعمال میں شرع کا پابند ہو۔

(۳) تارکِ دنیا۔ راغبِ آخرت ہو ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو۔

(۴) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔

(۵) بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہو ان سے فیوض و برکات حاصل کیے ہوں۔

(۶) تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو۔ اور ان کی کوئی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پہ چھوڑ دے۔

(۷) جو لوگ اس سے بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع شریعت و قلتِ حرص دنیا کے اچھی ہو۔

(۸) اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

لے (۱)، (۳)، (۵)، از تعلیم الدین صلا و (۲)، (۴)، (۶ تا ۸) از قصد السبیل صلا

(۹) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

(۱۰) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی۔ اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

(۱۱) خود بھی ذاکر و شاغل ہو کیونکہ بدون عمل یا عزم عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی

(۱۲) مصلح ہو، نرا صالح ہونا کافی نہیں شیخ ہونے کے لئے دونوں کے جمع کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو (یعنی فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے تاکہ) جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے۔ اس سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اس کی اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جاوے۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں۔ پھر نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں۔ یا یہ شخص صاحب تصرفات ہے یا نہیں یا اس کو کشف ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت سے نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں اصل میں یہ ایک نفسانی تصرف ہے جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں۔ کیونکہ اس کے اثر کو بقا نہیں ہوتا۔ صرف مرید غبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو۔ چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں ایک گونہ تاثیر وانفعال قبول آثارِ ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

۱؎ کمالات اشرفیہ ص۱۳۶ تا ۱۳۸ قصد السبیل ص۵

طریق کار اکثر درویشوں سے ملتا رہے جنہیں احتمال کمال کا ہو اور کسی کی عیب جوئی اور انکار میں مبادرت دا ندیشقدمی) نہ کرے مگر جلدی سے بیعت بھی نہ کرے۔ اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں۔ اگر مستقیم نہیں اس سے علیحدہ ہو گو خوارق وغیرہ اس سے صادر ہوتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الآیہ) جس کے دل کو اپنی یاد سے ہم نے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کا پیرو ہو اور اسکا کام حد سے بڑھا ہوا ہو اسکا کہنا مانو

اگر شرع پر مستقیم ہے تو خود اس کا نیک و ولی ہونا تو ثابت ہو گیا مگر اس شخص کو تو تربیت و تکمیل کی ضرورت ہے۔ اس لئے ابھی بیعت نہ کرے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب میں کچھ اثر (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت، دنیا و معاصی سے نفرت) پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہی علامت آئی ہے۔

اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ (یعنی جب انہیں دیکھیں تو اللہ تعالیٰ یاد آئے) اکثر عوام کو تھوڑی صحبت میں اس کا محسوس کرنا دشوار ہے۔ اس وقت یوں کرنا چاہیے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو عاقل راست گو دیکھے اس سے شیخ کی تاثیر کا حال دریافت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الآیہ) اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ علم سے پوچھو

اور حدیث شریف میں ہے:-

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ ۔ جہل کی شفا (دوا) دوسروں سے سوال کرنا اور دریافت کر لینا ہے

اگر کوئی معتبر آدمی شہادت دے تو اسکا اعتبار کرے۔ اور جب بہت آدمی ویسی

لہ تعلیم الدین ص۱۰

ہی شہادت دیں تو زیادہ اطمینان کا باعث ہے مگر وہ گواہی دینے والے قرائن سے سچے معلوم ہوتے ہوں۔ مریداں ہمی پرانند (یعنی مرید پیروں کو بڑھا چڑھا دیتے ہیں) کے مصداق نہ ہوں (اور اگر خود وہاں نہ جا سکے یا اتنی فرصت اور ہمت نہ ہو تو) دوسرا طریق مکاتبت طویلہ ہے یعنی بذریعہ تحریر) اس سے کچھ طریق پوچھ کر اس پر عمل کرے۔ پھر اپنے احوال سے اس کو اطلاع دے پھر جو وہ تجویز کرے اس کا اتباع کرے۔ اسی طرح مدت دراز تک کرتا رہے۔ بعد اس کے اگر دل چاہے بیعت کی درخواست کرے پھر دوسرا جو کچھ جواب دے۔ اس پر راضی رہے۔

باب سوم مناسبتِ شیخ و مرید کا بیان

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ، مَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ، اخرجہ (مسلم وابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح لشکر کے لشکر ہیں، جو عالم ارواح ہیں، مجتمع تھیں جنہیں وہاں باہم جان پہچان ہوئی ان میں یہاں بھی، باہم الفت ہے اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی۔ ان میں اختلاف طرح ہے۔

یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لئے پیر و مرید کی باہمی) مناسبت فطری شرط ہے۔ اس حدیث کے عموم میں یہ مناسبت بھی داخل ہے کیونکہ نفع عادۃً الفت پر موقوف ہے جو مناسبت فطری کی حقیقت ہے اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے (بعض دفعہ) دوسرے شیخ کے پاس جس کے مناسبت مظنون یا مکشوف ہو بھیج دیتے ہیں (کیونکہ) اس طریق میں

لہ التکشف ص ۵۶۷ کمالات اشرفیہ ص ۲۱۳

مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی (ضروری) چیز ہے۔ بدوں مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا۔ اور مناسبت شیخ (جو افاضہ و استفادہ کا مدار ہے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر مولست ہو جاوے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو گو عقلی ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں۔ اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے لہٰذا پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئیے۔ اس کی سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضت، مراقبات و مکاشفات سب بیکار ہیں کوئی نفع نہ ہو گا۔ اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کر لی جائے۔ اسی پر نفع موقوف ہے اس لئے جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرتی چاہئیے جب پوری طرح راہ پر پڑ جاوے۔ خوب محبت (اور مناسبت) ہو جاوے اس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔

باب چہارم۔ صحبت شیخ کا بیان

عن حنظلة[1] (فی حدیث طویل) فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ وَنَسِیْنَا کَثِیْرًا فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (لمبی حدیث) میں، پھر جب ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آتے ہیں تو بیوی بچوں اور معاملات جائیداد میں آلودہ ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس حالت پر میرے پاس تم ہو اگر تم لوگ اسی حالت پر ہمیشہ رہو اور ذکر میں دوام ہو جائے تو

[1] التکشف ص ۲۲۲

لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِىْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (اَخْرَجَهٗ مسلم والترمذی)	تم سے بستروں پر اور سڑکوں پر فرشتے مصافحہ کرنے لگیں لیکن اے حنظلہ ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی یہ مضمون آپ نے تین بار فرمایا (اسکو مسلم و ترمذی نے روایت کیا)

جس طرح مجاہدات وریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے اسی طرح شیخ کی صحبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے۔ گو اس کو مثل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقا نہیں ہوتا چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں اس سے ناشی ہے جس کا سبب بُعدِ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحبت شیخ کی ضرورت

ربیعت کی اصلی بڑی ضرورت یہی ہے کہ شیخ یا پیر کی صحبت و تعلق ہو تاکہ راستہ کے خطرات یا اسکی ٹھوکروں سے حفاظت ہو، علم چاہے ہو یا نہ ہو بلکہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے صاحب صحبت بلا علم" کی اصلاح "صاحب علم بلا صحبت" سے زیادہ ہوتی ہے صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہاء اور بڑے سے بڑے اولیاء و اقطاب پر مسلم ہے۔ اس فضیلت کا مدار محض حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر ہے، صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لیکر

لہ تصوف و سلوک صلا ۲ے کمالات اشرفیہ صکا ۳ے تصوف و سلوک صلا

لیکر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہو سکتا غرض بدوں کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔

صحبت صالح ترا صالح کند | صحبت طالح ترا طالح کند
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا | گو نشیند در حضورِ اولیا
یک زمانہ صحبتے با اولیاء | بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است | بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(مطلب یہ ہے کہ) نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنا دے گی جو شخص خدا تعالیٰ کی ہمنشینی کا طالب ہو تو اس کو اولیائے کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے انشاء اللہ ان کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت (عبادت) سے بہتر ہے۔ نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہو جاوے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔

(ان اشعار اور ان کے مطلب سے جو بات سمجھ میں آتی ہے) وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گر ہاتھ آجاتا ہے۔ یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاح سعادت بن جاتی ہے ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جسمیں یہ حالت میسر ہو گی ہر صحبت میں امر کا احتمال ہے اس لئے ہر صحبت کا اہتمام چاہیئے مانا ہے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے اور اس حالت کو صد سالہ طاعت

لے اخبار الخلیل ۵۲ کمالات اشرفیہ ۲۲۱

کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے اگر کسی شخص کے پاس سو اشرفیاں ہوں تو بظاہر اس کے پاس امتعہ (یعنی اسباب میں) سے کوئی ایک چیز بھی نہیں لیکن اگر ذرا تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے (کیونکہ اشرفیوں سے اسباب خریدا جا سکتا ہے) اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہو گئی تو بظاہر تو خاص طاعات میں سے کوئی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے بس مراد (اس سے) اعمال پر قدرت ہوتا ہے۔ اس سے اس کے سب کام بن جاویں گے۔ اور اصل چیز وہی کام ہے جن کی یہ مفتاح (چابی) صحبت میں نصیب ہو گئی۔ اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس کام کی؟ اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدوں اعمال نہ کچھ اعتبار اقوال کا ہے نہ احوال کا، نہ کیفیات کا اس لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہیئے، اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں۔ اور اعمال بلا توفیق حق کے مشکل اور حق تعالیٰ کی توفیق عادۃً صحبت کامل پر موقوف ہے۔

صحبتِ شیخ[1] میں طالب غیر ارادی طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے صحبت نیکاں کے متعلق یہ قطعہ بہت عجیب اور مناسب ہے۔) ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے	رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ترجمہ:- ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی۔ میں نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہو گیا

[1] کمالات اشرفیہ ص۱۹۱

ہوں اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی ہی تھی۔ مگر ایک مدت تک پھول کے ساتھ میری صحبت رہی میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔

(اسی طرح صحبت شیخ میں خاصیت ہے کہ:۔

(۱) شیخ کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آئے گی۔

(۲) اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی اور مفتاحِ طریق ہے۔

(۳) اخلاق و عادات میں اسکا اتباع کرے گا اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہو گی۔

(۴) جو حال غریب (یعنی عجیب) پیش آویگا اس باب میں اس سے تشفی ہو جاوے گی۔

(۵) جو افادات زبانی سننے میں آتے ہیں وہ تحقیقات و مسائل کے خلاصہ ہوتے ہیں جس سے اپنی حالت بھی وضوح کے ساتھ منکشف ہوتی ہے۔

(۶) ان اہل صحبت میں جو بابرکت ہوتے ہیں وہاں ایک نفع صحبت کی برکت اور ان کے طرز عمل سبق لینا ہوتا ہے۔

(۷) عمل کا شوق بڑھتا ہے۔

(۸) اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے۔

(۹) اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۱۰) مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لئے انکی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے علاوہ شفا ہو جاتی ہے۔ خود کتابیں دیکھ کر

[illegible] انفاس عیسیٰ [illegible]

علاج کرنا کافی نہیں۔

(۱۱) اہل اللہ کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا ایک وقت چوکو گے دو وقت چوکو گے تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جاوے گی اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہو گی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا دوسری وجہ بڑی مخفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

(۱۲) ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے بس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدوں پاس رہے صرف ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دنوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

طریق کار صحبت کے پرہیز کی ساتھ اختیار کی جائے پرہیز یہ ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے بچیں اور اہل دنیا وہ ہیں جو غیر اللہ کا تذکرہ زیادہ کریں جن کی صحبت کی جائے، ان کی طرف سے دل میں بد اعتقادی اور انکار رکھ کر نہ رہیں اگر پورا اعتقاد نہ ہو تو کم از کم دل میں اتنی گنجائش تو ضرور ہو کہ

لے اور دو کا چھوڑنا ... [illegible]

ہو کہ شاید ان کی بات صحیح ہو۔

جب[1] شیخ کامل میسر ہو جاوے اور اس سے بیعت کا ارادہ کریں تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے اس کی خدمت میں رہیں اور اگر اسکی نوبت نہ آئے تو غائبانہ ہی اسکی تعلیم پر کاربند رہیں اور اگر ابتدا میں ذرا زیادہ اور اس کے بعد کبھی کبھی شیخ کی صحبت نصیب ہو جاوے تو نورٌ علیٰ نور ہے

مطالعۂ کتب اگر اہل[2] اللہ کی صحبت میسر نہ ہو تو کم از کم انکے ملفوظات وغیرہ کا مسلسل بنظر اصلاح و استفادہ مطالعہ نہ صرف دین کی فہم و بصیرت کے لئے ضروری ہے بلکہ اس سے اہل اللہ کا ایمان و عمل ہمارے اندر منتقل ہوتا اور قالب سے تجاوز کر کے قلب و روح میں ترنا بارچ جاتا ہے حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے بھی براہ راست صحبت میسر آنے کی صورت میں بزرگوں کے ملفوظات اور تقاریر ہی کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی ہے بشرطیکہ نیت دینی و باطنی اصلاح و استفادہ کی ہو نہ کہ آجکل کی طرح علمی و ادبی تحقیق و تنقید کی خود حضرت حکیم الامۃ کے ملفوظات اور تقاریر کو بالخصوص اسلئے پڑھنا چاہیئے کہ وہ قدیم بزرگوں کے ملفوظات سے نسبتاً وقت کے حالات اور تجدیدات کے مناسب ہیں ان سے نہ صرف غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا بلکہ تصوف کے ساتھ ساتھ نفس دین سے متعلق جو بدگمانیاں تھیں وہ بھی دور ہو گئیں۔ اور طالبانہ ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔

---

[1] تقصد اسبیل ص۱۱ [2] تصوف و سلوک ص۱۱۱، ۱۱۲ ملخصاً۔

۴۔ اعمال

باب اول۔ ریاضت و مجاہدہ کا بیان

عن فضالة الكامل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد من نفسه في طاعة الله۔ (رواه البيهقي)

حضرت فضالہ کامل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے (مشکوٰۃ شریف)

مجاہدہ نفس کو بزرگوں کے ملفوظات میں "جہاد اکبر" کہا گیا ہے اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کی ترکیب "المجاهد الخ" جس سے ظاہر حصر جنس مستفاد ہوتا ہے جو حصر کمال کے لئے مستعمل ہوتا ہے کما لا یخفیٰ علی اهل العلم (ترجمہ: جیسا کہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں) پس معنی یہ ہوئے کہ "مجاهد کامل" مجاہد نفس ہے۔ تو ظاہر بات ہوئی کہ جہاد کامل جہاد نفس ہے اور کامل اور اکبر کے ایک ہی معنی ہیں۔

ریاضت و مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ[1] امور مقاصد یعنی ضروری کاموں میں سے ہے کیونکہ یہ مامور بہ فی الشرع ہے (یعنی شریعت میں اس کا حکم ہے) نصوص میں جا بجا مجاہدہ کا ذکر ہے پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہیے جو شریعت نے بتلائی ہے اس لئے کہ مجاہدہ تمام عبادات بلکہ تمام شریعت کی روح ہے کیونکہ سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ مجاہدہ لغت میں مشقت کو کہتے ہیں[2] اور اصطلاح میں مخالفت نفس

۱؎ التکشف ص ۴۲۹ ۲؎ اشرف المسائل ص ۲۲

کا نام مجاہدہ ہے اور اسکا حاصل بھی مجاہدہ ہی ہے کیونکہ مخالفت نفس میں تعب ضرور ہوتا ہے اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے کیونکہ اسمیں ایک گونہ نفس کے اوپر پابندی لازم ہوتی ہے اور نفس پر پابندی گراں ہے وہ تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے اس لئے نفس پر اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں اور اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں اور مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق بڑھانا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و طاعت کے مقابلہ میں نفس کی جانی و مالی اور جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب رکھا جا سکے جس کی قرآن نے جامع تعبیر جہاد بالنفس والاموال سے فرمائی ہے اور اسی مجاہدہ پر ہدایت کا قطعی وعدہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۂ عنکبوت) جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انکو قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دینگے

تو مجاہدہ کی حقیقت ہے نفس کے اقتضاآت کو روکنا تفصیل اسمیں یہ ہے کہ اقتضاآت نفس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں اُن کی مخالفت تو ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز روزہ اور بقدر ضرورت کھانا پینا کپڑا پہننا انکی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے اس قسم کی تمام شرعی امور کا بجالانا ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو نہ یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ مستحبات بھی انمیں تقلیلاً مخالفت کرے یہ مخالفت مستحب ہے مگر ایسا مستحب کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اسی مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا بہت کھانا

۱؎ اشرف المسائل صفحہ ۲؎ انفاس عیسیٰ ص

بہت عمدہ کپڑے پہننا بہت باتیں کرنا لوگوں سے بہت ملنا جلنا سو ان میں تقلیل کرے۔ اور اگر تقاضا زیادہ ہو تو ان میں شیخ محقق سے رجوع کیا جاوے اگر وہ کہدے کہ تقاضا محمود ہے تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کیجائے۔ اس لئے کہ مطلقاً مخالفت نفس کا نام مجاہدہ نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور بہ نہ ہو ورنہ نفس مطمئنہ خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو، کو بعض اوقات مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں (حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) یقیناً مرغوبیت صلوٰۃ پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ اسکا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہوگا۔ تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہوگا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے۔

مشائخ نفس دو قسم کے ہیں ایک حقوق جس سے قوام بدن اور بقاء حیات ہے دوسرے حظوظ جو اس سے زائد ہیں سو مجاہدہ و ریاضت میں حظوظ کی تقلیل۔ یا ترک کرایا جاتا ہے۔ اور حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا ہے۔ کہ یہ خلاف سنت بھی ہے حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا (بیشک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے صحت میں خلل پڑتا ہے۔ پھر ضروری اشغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے اس لئے ترقی باطنی سے محروم رہتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ بزرگوں نے جو ریاضات و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیا ہے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر ہوگی۔ اس کو عبادت اور موجب قرب الٰہی نہیں سمجھتا اب ان پر

۱؎ اشرف المسائل ص ۔۔۔ کمالات اشرفیہ ص ۔۔۔ التکشف ص ۔۔۔

یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (الآیہ) — اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو پاک طیب چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انکو حرام مت کرو اور حد سے مت بڑھو

کیونکہ بدعت اس وقت ہوتی ہے جب بطور تقرب ہو ورنہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:-

وَاِنَّ الْاِسْرَافَ اَنْ تَاْکُلَ مَا اشْتَہَیْتَ — یہ اسراف میں سے ہے کہ جس چیز کی نفس خواہش کرے سو کھائے

بس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کو قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور طاعات میں سستی اور کاہلی ہوتی ہے یا معاصی کا تقاضا کرنے لگتا ہے بعض اوقات اس وجہ سے لذات متروک ہو جاتی ہیں کہ غلبۂ محبت الٰہی میں لذات کی طرف التفات نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے نہ سنت ہے نہ بدعت

مجاہدات و ریاضات کی ضرورت اور انکا رواج

صحابہ کرام کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفیض نبوی صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہو گئی اور اس کمی کی تلافی کیلئے بزرگوں نے مجاہدات و ریاضات ایجاد کیئے۔

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ اعمال، نفس کی خواہش کیخلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال

؎ ارواح ثلثہ ص۲۱۰ ؎ المجاہدہ ص [illegible]

میں منازعت نفس کیوجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم، اس کسل ہی کو رفع کرنے کے لیئے مجاہدہ کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی کا تقاضا کرتا ہے اس کے مقابلہ کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ ایک غلطی تو مبتدی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں ہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کر کے آئندہ کے لیئے مجاہدہ سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتے ہیں اور اسوقت منتہی کو معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اسوقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں ذرا فرق ہے۔ جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی ابھی سواری شروع کی گئی ہے اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے۔ اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے۔ مگر سوار کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع کرنے کو کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا۔ تو کسی وقت یہ شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔

ہم جتنے گناہوں میں مبتلا ہیں سب کی اصل یہ ہے کہ ہم نفس کو مشقت سے

بچانا چاہتے ہیں اور جتنے اوامر کو ہم ترک کر رہے ہیں انکی اصل بھی یہی ہے پس معلوم ہوا کہ اصلاحِ اعمال و اصلاحِ نفس کا مدار عادی مجاہدہ پر ہے چنانچہ بے نمازی اسی لئے بے نمازی ہے کہ وہ اپنے نفس کا اتباع کرتا ہے اور اس کو آرام دیتا ہے۔ اگر وہ مجاہدۂ نفس کرتا تو بے نمازی نہ ہوتا۔

غالب حالت یہی ہے کہ نماز روزہ وغیرہ میں مشقت ہوتی ہے اور اس مشقت میں بعض اوقات مانعیت کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور اس مشقت کی مانعیت کا علاج مجاہدہ ہے اور وہ مانع غالباً دو ہیں ایک اسباب تنعم، دوسرے ضعف نفس یعنی باوجود عقیدہ صحیح ہونے اور تحریک طاعت پیدا ہونے کے بھی بعض دفعہ نفس ضعف و کم ہمتی کیوجہ سے یا اسباب تنعم اور سامان راحت میں منہمک ہونے کے نماز روزہ وغیرہ اعمال شرعیہ سے سستی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ نفس اپنی تسویل (یعنی بہکانے) سے ان موانع کے ساتھ عقیدہ صحیحہ سے بھی مانعیت کا کام لیتا ہے مثلاً کسی وقت گناہ کا تقاضا ہوا تو نفس یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے غرض نفس کی شہوت وغیرہ بعض دفعہ عقائد صحیحہ سے مخالفت کا کام لینے لگتی ہے۔ اسلئے ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے جو اس مانع کا مقابلہ کرے اور وہ مجاہدہ ہے کیونکہ ان سب موانع کا حاصل یہ ہے کہ نفس آرام و لذت چاہتا ہے والعلاج بالضد پس اس کا علاج یہی ہے کہ نفس کو مشقت کا عادی بنایا جائے۔ لہذا نفس کی اصلاح بدون مجاہدہ کے نہیں ہو سکتی۔

مجاہدہ میں اعتدال | مجاہدہ[1] سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا اور راحت و تنعم

---

[1] المجاہدہ ص۱۷

کی عادت نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل اور بیکار ہو جائیگا تو خوب سمجھ لو کہ محنت ہمیشہ مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا مرتب ہو اسی وقت مستحسن ہے پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے بلکہ اعتدال کی رعایت لازم ہے اسی کو شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید　　　نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(یعنی نہ اتنا زیادہ کھاؤ کہ منھ سے باہر آنے لگے اور نہ اتنا کم کہ جسم میں کمزوری لاحق ہو جائے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا (الآیہ)

یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ اس کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے۔

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہئے مگر اس اعتدال کو بھی اپنی رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجۂ اعتدال و طریق مجاہدہ معلوم کریں۔

ریاضت و مجاہدہ کے اقسام

ریاضت و مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدۂ اختیاریہ دوسرا مجاہدۂ اضطراریہ

جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اسکو مجاہدۂ اضطراریہ میں مبتلا کر کے صبر دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا ہے پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تقلیل لذات کو اختیار کیا اسکو مجاہدۂ اختیاریہ کہتے ہیں، اور ایک یہ کہ خود تقلیل لذات نہیں کیا لیکن حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا اسکو مجاہدہ اضطراریہ

لے کمالات اشرفیہ صـ ۲۴۳

کہتے ہیں مثلاً بچہ مرگیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (الآیہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم کو خوف، بھوک، مال جان اور پھلوں کی کمی میں سے کسی چیز کے ساتھ آزمائیں گے۔

(تو اس) مجاہدۂ اضطراریہ میں بھی ثواب ملتا ہے اس سے زیادہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں:۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کا انعام اور رحمت ہے

ان مجاہدات اضطراریہ سے نفس کی تہذیب وتمحیص ہو جاتی ہے چنانچہ رنج وغم میں اخلاق درست ہو جاتے ہیں ساری شیخی فاں اور فرعون بے سامانی رخصت ہو جاتی ہے جو بات مجاہدات اختیاریہ سے برسوں میں حاصل نہ ہو وہ ان مجاہدات اضطراریہ سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ڈھیلا ہو جاتا ہے۔

مجاہدۂ اختیاریہ میں تو فعل کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں انوار زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے۔ اور مجاہدۂ اضطراریہ میں فعل کم ہوتا ہے اس میں نورانیت کم ہوتی ہے لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال وقابلیت کی نمو اعمال اختیاریہ کے راسخ ہونے میں سخت ضرورت ہے اسی لئے بزرگوں نے ایسے ایسے مجاہدات بہت زیادہ کر لئے ہیں اور بعض اوقات مجاہدات اضطراریہ واختیاریہ دونوں موجود ہوتے ہیں، تو یہ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ کا مصداق ہے (یعنی نور پر نور ہے۔ خدا جس کو مناسب سمجھتا ہے نور سے راہ دیتا ہے۔) اور اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے مجاہدوں کو جمع کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

لہ الجمعین ص ۲۰۳-۲۰۵

الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ۔ (الآیہ)

کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم یقین لائے۔ اور ان کی آزمائش نہ ہوگی اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے ان کو جانچا ہے، پس اللہ تعالیٰ معلوم کریگا ان کو جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔

یعنی تم کو محض اٰمَنَّا کہنے پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ مجاہدات اضطراریہ سے تمہارے صدق و کذب کا امتحان کیا جائیگا ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ۔ (الآیہ)

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گذرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑا گئے حتےٰ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اور وہ بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟

اس میں بتلا دیا کہ مجاہدۂ اختیاریہ کے ساتھ اضطراریہ کو جمع کیا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی فراغت میں اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اس میں حالت ضراء (تنگی) میں انفاق (یعنی خرچ کرنے کی) ترغیب ہے جس میں دو مجاہدوں کا جمع ہے کہ فقر بھی اور انفاق بھی ہے ایک اضطراری مجاہدہ ہے ایک اختیاری۔ بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجاہدۂ اضطراریہ و اختیاریہ کا جمع ہونا شریعت میں محمود و مطلوب ہے پھر اگر مجاہدۂ اضطراریہ سے عمل میں

قلت بھی ہو جائے اور محض فرائض و واجبات ہی پر اکتفا ہو رہا ہے تب بھی مجاہدہ کاملہ کا ثواب ملتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ مسافر و مریض کے لئے ان اعمال کا ثواب پورا لکھا جاتا ہے جو وہ سفر و مرض سے پہلے کرتا تھا۔

ریاضت و مجاہدہ کے ارکان

(بلحاظ ارکان) مجاہدے کے دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً تکثیر نوافل سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے کہ جسوقت نفس معصیت پر داعی ہو اسوقت اسکے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنیکا عادی ہو گا تو اسکو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہو گی لیکن اگر بدوں مجاہدہ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت ہو جائے تو اسکو مجاہدۂ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ شاذ ہیں اسی واسطے صوفیہ نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اسکے چار ارکان ہیں قلت کلام۔ قلت طعام۔ قلت منام و قلت اختلاط مع الانام جو شخص ان ارکان کا عادی ہو جائیگا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائیگا کہ تقاضے معصیت کو ضبط کر سکے گا اور مجاہدہ نفسانیہ کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اسکی مخالفت کرنا یہ بات سوقت حاصل ہو گی جب نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کیا کریں مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا

نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے (اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اسکی جائز خواہش پوری کر دیجائے (تاکہ نفس پریشان نہ ہو جائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے اسلئے) ع کہ مزدور خوشدل کند کار بیش تو جب مباحات میں مخالفت نفس کے عادی ہوگے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر رہوگے اور جو شخص مباحات میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

(خلاصہ یہ کہ) ریاضت و مجاہدہ کے دو رکن ہیں۔ اول مجاہدۂ اجمالی۔ (یا جسمانی) دوم ریاضت تفصیلی (یا نفسانی)، مجاہدۂ اجمالی کے اصول چار ہیں۔ قلت کلام قلت طعام، قلت منام۔ اور اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں مرتبۂ وسط حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے۔ نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت و قساوت و کاہلی پیدا ہو۔ نہ اسقدر قلت کرے کہ جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے (اس مجاہدۂ اجمالی کا مفصل بیان انشاء اللہ تعالیٰ "ذرائع کے بیان" میں آئیگا دوسرے ریاضت تفصیلی اس میں دو قسمیں ہیں۔ قسم اول "اخلاق حمیدہ" میں اور وہ چند مقامات ہیں۔ مثل توبہ۔ صبر۔ و شکر وغیرہ۔ قسم دوم "اخلاق ذمیمہ" میں۔ اور وہ چند چیزیں ہیں مثل شہوت۔ حرص۔ غضب وغیرہ (تفصیل آئندہ باب میں ملاحظہ ہو۔)

طریق تکمیل تکمیل کے دو درجے ہیں ایک "تخلیہ" اور ایک تحلیہ "یا ایک تجلیہ اور ایک تحلیہ "تجلیہ" میں کبھی تخلیہ ہی ہوتا ہے جیسے برتن کو پہلے میل کچیل سے صاف کرتے ہیں پھر اس پر قلعی اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ تحلیہ کے

لے تعلیم الدین ... ۲ے اشرف المسائل ... تعلیم ...

معنی لغت میں آراستہ کرنا اور اصطلاح صوفیہ میں یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاقِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ سے آراستہ کرے جسکا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنیکے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور غیر اللہ سے تعلق منقطع کرنا ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے لئے تحلیہ و تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جاوے یا تخلیہ کو۔ مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تحلیہ کرتے ہیں بعض تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں اور اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں۔ اور ہر دو طریق سے کامیابی ہوتی ہے جیسے معالجات امراضِ جسمانیہ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں۔ حکمائے یونان تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں یعنی پہلے مادۂ فاسد کو نکالتے ہیں۔ بعد میں تقویت طبع کا اہتمام کرتے ہیں اور حکمائے یورپ کی رائے یہ ہے کہ مرض کی حالت میں سب سے پہلے تقویتِ طبع کا اہتمام کرنا چاہیئے یعنی تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تحلیہ سے تخلیہ خود ہو جاتا ہے یعنی جب طبیعت قوی ہو جاتی ہے تو وہ مرض کو خود زائل کر دیتی ہے حکمائے یونان جواب میں کہتے ہیں کہ ضعف طبع کا سبب تو مرض ہی ہے اگر مرض کا ازالہ ہو گیا تو طبیعت خود قوی ہو جائیگی اور دونوں طریقوں سے کامیابی ہوتی ہے اسی طرح صوفیہ کی بھی رائے مختلف ہو گئی بعض کے یہاں صفاتِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ پہلے پیدا کیا جاتا ہے پھر رذائل کی اصلاح کی جاتی ہے اور بعض کے یہاں صفات رذیلہ اور تعلق غیر اللہ کو اول قطع کیا جاتا ہے پھر صفاتِ حمیدہ اور تعلق مع اللہ پیدا کیا جاتا ہے مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تحلیہ کو مطلقاً مقدم

کیا جائے نہ تحلیہ کو، بلکہ دونوں کو دوش بدوش چلنا چاہیئے اگر تحلیہ کو مقدم کیا گیا تو بعض دفعہ رذائل ایسے قوی ہوتے ہیں کہ سارا تحلیہ بیکار ہوجاتا ہے مثلاً کوئی شخص سر سے پیر تک پاخانہ میں بھرا ہوا ہو تو اس کے بدن پہ عطر ملنا بیکار ہے وہ عطر کو بھی لے ڈوبے گا اسیطرح اگر تخلیہ کو مقدم کیا تو اتنا زمانہ تحلیہ کی برکات سے خالی جائیگا پھر ممکن ہے کہ تخلیہ میں دیر لگ جائے اور کوتاہی عمر کی وجہ سے تحلیہ کی نوبت ہی نہ آئے تو یہ شخص تعلق مع اللہ سے بالکل ہی کورا جائیگا اسلئے محققین کی رائے اب یہ ہے کہ تخلیہ اور تحلیہ ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے چشتیہ کے یہاں پہلے تخلیہ مقدم تھا اور اب بھی انکو تخلیہ کے ساتھ تحلیہ کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے مگر پہلے یہ حالت تھی کہ برسوں مجاہدات کرواتے تھے پھر مدت کے بعد بارہ تسبیح وغیرہ تعلیم کرتے تھے اور نقشبندیہ پہلے ہی ان ذکر تعلیم کر دیتے تھے ان کے ہاں تحلیہ مقدم تھا بعد میں تخلیہ کرلتے تھے۔ اور اب گو دونوں سلسلوں کے محققین کی رائے بدل گئی ہے مگر مذاق پر چشتیہ کے تخلیہ غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ غالب ہے مگر باوجود اس کے اہل تربیت جو محقق ہیں اس میں طالب کے مذاق پر زیادہ مدار رکھتے ہیں جس کو وہ اپنی خداداد بصیرت سے تشخیص کر لیتے ہیں۔

طریق کار ہر وقت تین سوہان روح تیار ہیں ماضی کی حسرت، حال کی شبہات مستقبل کا خوف جب محققین مجددین مجتہدین فی الطریق رضی اللہ عنہم اکملہم مرشدی حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً ان کو دکھلایا کہ اس طریق میں بوجہ تعب شدید اور حصول ثمرۂ تربیت میں زبان مدید کے بعض اوقات مصرعہ مشہورہ ہی کا مصداق

ہو جاتا ہے۔ ع

تا تو ہمین مے رسی من بخدا می رسم!

پھر اہل زمانہ کی قوتیں ضعیف، ہمتیں کمزور تو ان سب امور پر نظر کر کے بالہام حق ایک دوسرا طریق، تربیت کا اختیار فرمایا وجہ یہ کہ یہ سب ماضی و مستقبل حجاب عن الحق ہیں حق تعالیٰ نے ہمکو اپنے مشاہدہ کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ ماضی و مستقبل کے مطالعہ کے لئے۔ ولنعم ما قال الرومی (یعنی مولانا رومیؒ) کیا خوب فرمایا ہے کہ ماضی و مستقبل پردۂ خدا ست البتہ توبہ کی ضرورت سے ماضی پر اور عزم کی ضرورت سے مستقبل پر نظر تھی لیکن ضروری کے لئے بقدر ضرورت اتنا کافی ہے کہ گذشتہ گناہوں سے موافق شرائط خوب توبہ کر کے پھر بار بار دل میں انکا سبق نہ دہرایا رہے اور مستقبل کیلئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اسکا قصد کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر یہ گناہ نہ کرونگا اس کے بعد ہر وقت اس قصہ میں نہ لگا رہے اس سے زیادہ دوسرا کام ہے جسکو حدیث میں ان دو لفظوں میں تعبیر فرمایا گیا ہے (احفظ اللہ تجدہ تجاہک) اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھو اسکو اپنے سامنے پاؤ گے)، پس اس کام میں لگ جانا چاہیئے یعنی ذکر و فکر اور عمل کے وقت عمل میں کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرب کو مقصود سمجھے اور جو طریق اسکے لئے مقرر ہے یعنی عقائد کی تصحیح کے بعد اعمال اختیاریہ کہ جس وقت کا جو عمل ہو خواہ ظاہری مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ خواہ باطنی مثل خوف و رجا شکر و صبر وغیرہ بس اس میں مشغول رہے اور جو بُعد کے اسباب ہیں یعنی ظاہری و باطنی معصیت اس سے بچتا رہے نہ اس کی ضرورت ہے کہ اسباب قرب میں ملکہ پیدا کرنے کی فکر کرے نہ اس کی حاجت کہ اسباب بُعد کی مادہ کو منقطع

کرے۔ بلکہ، امور اختیاریہ میں سے جس میں کوتاہی ہو جائے اس کو مہتم بالشان سمجھ کر اس کی اصلاح کرے اور امور غیر اختیاریہ کے وجود و عدم پر التفات بھی نہ کرے اور اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے مثلاً اگر کسی ضروری عمل میں خلل ہو گیا۔ اس کی قضا یا تلافی کرے اگر کوئی امر منکر صادر ہو گیا۔ اس سے استغفار کرے اور پھر اپنے کام میں لگ جائے۔ اسی ایک بات کے پیچھے نہ پڑ جائے کہ ہائے یہ کام مجھ سے کیوں ہوا یا یہ کام کیوں نہیں ہوا۔ یہ غلو و مبالغہ ہے جس سے (اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے) کتاب و سنت میں منع فرمایا ہے۔

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ (دین میں، ناحق کا غلو مت کرو۔)

مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ جو سختی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سختی کرتے ہیں

سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاسْتَقِیْمُوْا درمیانی راہ اختیار کرو اور قرب تلاش کرو اور راہ پر ڈٹے رہو

حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں: ع

سخت می گیرد جہاں بر مردمانِ سخت گیر

اور اسی غلو اور مبالغہ کا اثر خصوصاً اس وقت کے قویٰ اور ہمتوں پر یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد مایوسی اپنا رنگ لاتی اور سالک کو معطل کر دیتی ہے اور کبھی جان پر اور کبھی ایمان پر اسکا اثر پہنچتا ہے جان پر تو یہ کہ صحت خراب ہو جاتی ہے کثرت تخیلات و افکار سے سودا بڑھ جاتا ہے اور ایمان پر یہ کہ باوجود مبالغہ و معالجہ کے کامیابی مزعوم یعنی شفا مطلق کے نہ ہونے پر یا دیر میں ہونے سے حق تعالیٰ سے تنگی اور شکایت پیدا ہو کر کیفیت کراہت اور ناراضگی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمکو اتنے دن سر مارتے ہو گئے مگر وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا کے وعدے خدا جانے کہاں گئے اور ایک مرض

ہر وقت گلوگیر رہتا ہے کہ اپنے عمل کو بالغ اور اپنی سعی کو سابغ سمجھ کر ہر وقت ثمرات کا منتظر رہتا ہے بس اپنے عمل کا پلہ عطائے حق سے بڑھا ہوا سمجھتا ہے جس کا حاصل ہوتا ہے کہ کبھی اپنے کو کامیاب نہیں سمجھتا اس لئے ناشکری ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اگر بزعم خود کامیاب بھی ہو گیا تو اگر وہ کامیابی پھر زائل ہو گئی کیونکہ ایسے انقلابات عمر بھر رہتے ہیں تو پھر وہی تنگی اور پریشانی شروع ہوتی ہے تو اس کا سلسلہ عمر بھر بھی منقطع نہیں ہوتا اس کا یا اس کو دیکھ کر دوسرے کا نفس کہتا ہے کہ اس راہِ خدا سے خدا کی پناہ جس میں بجز مصیبت کے راحت کا نام ہی نہیں۔ بس اس غلو کے یہ مضار و مفاسد دیکھ کر انھوں نے یہ تجویز کیا کہ ان تدقیقات و تعمقات کو اصلاً نظر انداز کر دے اگر کوئی وارد محمود آ جائے تو نہ اس کو کمال سمجھے نہ اس کے دوام کی تمنا کرے نہ اس کے فوت پر حسرت کرے اگر کوئی وسوسہ پیدا ہو اس کے دفعہ میں تند ہی نہ کرے ذکر کی طرف بہت مبالغہ سے نہیں بلکہ سرسری طور پر متوجہ ہو جائے خواہ دفع ہو یا نہ ہو یعنی ذکر بقصدِ قرب کرے نہ بقصدِ دفع وسوسہ خلاصہ یہ کہ طالب رضائے حق و طالب عطائے حق رہے یعنی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچے جس امر کو رضا میں دخل ہو اس پر عمل کرے اور جس امر کو سخط حق میں دخل ہو اس سے اجتناب کرے اگر اس کا صدور ہو جائے استغفار کرے نہ اپنے کو خواص میں سمجھے کہ احوال خاصہ میں فکر رہے نہ ثمرات عاجلہ آجلہ کا طالب رہے بس اس کی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اعمال کی توفیق اور آخرت میں جنت عطا فرماویں دوزخ سے نجات بخشیں بس ہو گیا سلوک مسنون۔

باب دوم

اخلاق کا بیان

اخلاق[1] سب فطری و جبلی ہیں اور درجۂ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے مَنْ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (یعنی جس نے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اسکا ایمان مکمل ہوا۔) اس میں اعطاء و منع دونوں کے ساتھ لِلّٰہِ کی قید ہے جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں نہ بخل مطلقاً مذموم بلکہ اگر خدا کے لئے ہوں تو دونوں محمود۔ ورنہ دونوں مذموم۔

اخلاق[2] ذمیمہ جن سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی ہیں جن کا آئندہ ذکر آئیگا (انشاء اللہ تعالیٰ)، اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے اس لئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملے گی اسوقت تک نفس قابو میں نہ آئے گا اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پرواہ رہنا کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہلایا جا سکتا ہے جبکہ اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں جسطرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسی وقت کہلا سکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں آنکھ کان غرض سارے اعضاء مناسب اور خوبصورت ہوں اسی طرح انسان کو حسن خلق

---

[1] انفاس عیسیٰ ص۲۸۱ [2] تبلیغ دین ص۴۴

اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کی تمام باطنی حالتیں قابل تعریف اور پسندیدہ ہوں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو۔ پس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسی کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

جاننا چاہیئے کہ خَلق اور خُلق جدا جدا دو لفظ ہیں۔ خَلق سے مراد صورتِ ظاہری ہے اور خُلق سے مراد صورت باطنی کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کو قوت بصارت یعنی چہرہ کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اسکا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھیں کرتی ہیں یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت اور سیرت بری اور بھونڈی ہے ظاہری ہیئت و شکل کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل اور ہیئت کو سیرت کہتے ہیں۔ مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے چنانچہ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ یہ اور آدم (علیہ السلام) کے پتلے میں میں نے اپنی روح کو پھونک دیا ہے" آیت کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کہدے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے) میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امر ربی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی۔ اور اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (یعنی بیشک میں نے آدم

علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، ارشاد ہوا۔ اس مقام پر روح اور نفس سے مراد ایک ہی شے ہے یعنی وہ شے جو حق تعالیٰ کے الہام و القاء سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل وہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ اس صورت کے اعضاء ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی حق تعالیٰ نے باطنی اعضا مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت۔ اور قوت عدل ہے لہٰذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور مناسب در حد اعتدال پر نہ ہوں گے اس وقت تک سیرت کو حسین نہ کہا جائیگا۔ ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی ہوگی اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل اور صورت جسمیہ میں افراط تفریط ہو کہ پاؤں مثلاً گز بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا گز بھر کا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہیں کہا جائے گا۔ پس اسی طرح اگر کسی کی قوت غضبیہ مثلاً حد اعتدال سے کم ہے اور قوت شہوانیہ مناسب اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے۔ اب[1] ہم چاروں اعضائے مذکورہ کا اعتدال و تناسب و حسن بیان کرتے ہیں۔

اوّل:۔ قوت علم اس کا اعتدال اور حسن تو یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں فرق کر سکے اور اعمال میں حسن اور قبیح یعنی اچھا اور برا پہچان سکے۔ پس جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا۔ جس کو حق تعالیٰ

---

[1] اسی قسم کا ایک مضمون شریعت کے بیان میں بھی ہے وہ بھی دیکھ لیا جائے۔

بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو حکمت نصیب ہوئی۔ اس کو خیر کثیر عطا ہوئی یہ اور حقیقت میں تمام فضیلتوں کی جڑ اور اصل یہی ہے۔

دوم وسوم:۔ قوت غضب و قوت شہوت۔ ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت اور شریعت کے اشارہ پہ چلنے لگیں اور مہذب شدہ مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرمانبردار بن جائیں کہ جس طرف بھی ان کو شریعت چلائے بلا عذر و بلا تامل اسی جانب لپکیں اور شکار پہ حملہ کریں اور جس وقت وہ ان کو روکنا چاہے تو فوراً ٹھہر جائیں اور چپ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔

چہارم:۔ قوت عدل اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارہ کے ماتحت بناتی رکھے گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوت عدل اس کی پیشکار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے فوراً اسی جانب جھک جاتی ہے اور اسی کے موافق احکام جاری کر دیتی ہے اور قوت غضبیہ و شہوانیہ گویا شکاری مرد کے مہذب کتے ہیں فرمانبردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجرا ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائیگی اسوقت انسان حسن الخلق اور خوب سیر کہلائیگا اور انکی بدولت انسان کے تمام اخلاق و عادات درست ہو جائیں گے

قوت غضبیہ:۔ کے اعتدال کا نام "شجاعت" ہے اور یہی عنداللہ پسندیدہ ہے کیونکہ اگر اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام "تہور" (بیباکی سے تباہ کرنا) ہوگا اور اگر کمی ہوگی تو "بزدلی" کہلائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں حالتِ اعتدال یعنی شجاعت سے "لطف و کرم" دلیری و جودت۔ بردباری

استقلال۔ نرمی و ملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے اور اگر زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی۔ ڈینگ مارنا۔ شیخی بگھارنا۔ غصہ سے بھڑک اٹھنا۔ تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی و ذلت۔ بے غیرتی۔ کم ہمتی۔ حساست۔ کمینہ پن، اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں۔

شہوت کی حالت اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنی حد اعتدال سے بڑھ جائیگی تو "حرص و ہوا" کہلائیگی۔ حالت معتدل یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس سے جو خصائل پیدا ہوتے ہیں۔ وہ سخاوت۔ حیا۔ صبر۔ قناعت اور افتقار کہلاتے ہیں طمع کم ہوجاتی ہے۔ خوف و خشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور حد اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص و لالچ۔ خوشامد چاپلوسی امراء کے سامنے تذلل اور فقراء کو بنظر حقارت دیکھنا۔ بیحیائی۔ فضول خرچی۔ ریا۔ تنگدلی۔ نامردانگی۔ اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

اور قوت عقل۔ میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر و منتظم اور ذکی و سمجھدار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی ہے اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چلتی اور جودت دکھلاتی ہے اور اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی فریب ہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان و ضعف ہوگا تو کند ذہنی و حماقت، اور بیوقوفی کہلائے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا۔

غرض جسوقت یہ ساری قوتیں حد اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان

کو خوب سیرت کہا جائیگا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں خیر الامور اوسطہا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے بندوں کی یہ شان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں[1]

جس طرح حسن ظاہری میں کمی اور بیشی ہوا کرتی ہے کوئی زیادہ خوبصورت ہے اور کوئی کم اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ خوبصورت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں آیت کریمہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم نازل ہوئی ہے آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ سیرت باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادتِ اخروی حاصل ہوگی۔

اخلاق حمیدہ کا بیان

اخلاق حمیدہ کے چند مقامات ہیں ارادہ و نیت، اخلاص، انس، تبلیغ، تفکر، تفویض، تقویٰ، تواضع، توبہ، توحید، توکل، خشوع، خوف، دعا، رجا، رضا، زہد، شکر، شوق، صبر، صدق، محبت وغیرہ ہر ایک مقام کو ایک ایک فصل میں مع اس کی دلیل حقیقت اور طریق کار و طریق تحصیل کے بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی فصل۔ ارادہ اور نیت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ — اور مت دھتکارو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انکو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح

---

[1] تعلیم الدین ص۵۳ [2] تعلیم الدین ص۵۴

بِالْغُدُوِّ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الآیہ) ، صبح و شام یعنی ہر وقت پکارتے ہیں خاص ذات باری تعالیٰ کو چاہتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (متفق علیہ)   اعمال کا اعتبار نیت ہی پر ہے۔

نیت کی حقیقت

دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو اپنی غرض و نفع کے موافق سمجھتا ہے نیت کہتے ہیں اور اس کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اسکے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اسکام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا قدرت، قصد و ارادہ کی خادمہ ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی گئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے۔ اور جس وقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اسی وقت وہ جاگ اٹھی اور اس کے کھانے کا قصد ہوا اس کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھے گا اور وہ قوت اپنا کام کرے گی جو خواہش طعام کے اشارہ کی مطیع بنائی گئی ہے غرض آنکھ کے مشاہدہ سے معرفت و علم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی۔ اور قصد پیدا ہوگا۔ اور یہ قصد خدا داد قوت کے ذریعے سے ہاتھ کو حرکت دلائے گا۔ اور کھانا کھلائیگا۔ اسی طرح تمہارے اندر ان لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے۔ جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل اور شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے لہٰذا وہ اعضاء کو حرکت دے گی اور خواہش کو پورا کرلے گی۔ پس وہی عزم اور پختہ میلان

لہ تبلیغ دین صفحہ

میلان جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتی ہے مثلاً جہاد میں جانیوالا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اسکو گھر سے باہر نکلنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے؟ یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اس کی نیت ہے اور اگر اس کا باعث مال غنیمت یا شہرت و نیکنامی کا حاصل کرنا ہے تو اسی کو اس کی نیت کہا جاویگا۔ نیک[1] عمل میں نیت تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اس میں نہ غایت محمودہ کا تصور ہو، نہ غایت مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایت محمودہ کا قصد ہو۔ مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ خوش ہوں تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایت مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاء مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولیٰ و ثانیہ اخلاص میں داخل ہے

طریق کار (جب[2] کام شروع کرے تو) شروع میں ایک بار نیت کر لینا کافی ہے اگر ہر بار نیت کی ضرورت ہو تو کوئی بھی فعل اختیاری نہ ہو سکے گا دیکھئے مسجد کی طرف نماز کی نیت سے چلنا موجب ثواب ہے مگر ہر قدم پر نیت مشی و ارادۂ رفع قدم ضروری نہیں اس طرح تو چلنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ غرض افعال اختیاریہ کیلئے حدوث میں تو ارادہ کی ضرورت ہے مگر اس کے بقاء میں ضرورت نہیں ایک دفعہ نیت کافی ہے پھر جتنی دیر تک وہ فعل کرتے رہو گے وہی نیت مستمر (یعنی جاری) رہے گی۔ نیت[3] یہ ہو کہ کہیں راستہ نظر آجاوے اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقۃ ہے۔ بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہئے۔ اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔

---

[1] دعوات عبدیت ص ۱۱۳ [2] العید الوعید ص ۲۰ [3] کمالات اشرفیہ ص ۱۲۲

(مزید تفصیل کے لئے فصل اخلاص وریا ملاحظہ ہو۔ ۱۲ مرتب)

طریق تحصیل اس چیز کی مثلاً عمل صالح وسلوک طریق آخرت کے نفع ومصالح کی معرفت حاصل کرکے ان میں غور کرے دل کو حرکت پیدا ہوگی

دوسری فصل اخلاص کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ (الآیہ)

اور انکو حکم نہیں ہوا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرنیوالے ہوں اسکیواسطے دین اور طرف سے پھیر ہوئے ہوں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى نِيَّاتِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (الحدیث)

حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔

حقیقت اخلاص اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی ورضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کو ملنے نہ دینا اخلاص ہے۔[۱]

اخلاص[۲] کے وجوداً وعدماً تین درجے ہیں ایک یہ کہ فعل کے وقت غایت صحیح کا قصد ہو۔ یہ تو غایت اخلاص ہے وہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے دوسرے یہ کہ غرض فاسدہ کا قصد ہو یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو۔ نہ غایت صحیح کا نہ غایت فاسدہ کا بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کرلیا۔

---

[۱] تعلیم الدین ص ۔۔ [۲] الاخلاص ۔۔ تعلیم الدین ص ۔۔ اشرف المسائل ص ۔۔

یہ درجہ بین بین ہے اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بُعد ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہو نگے اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو یہ تو اخلاص کا درجۂ کمال ہے ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع و خضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاوے گا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو یہ مرتبہ بین بین ہے یہ اگر اخلاص کا درجۂ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری فاعل مختار سے بدوں کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی یہ محض عادت کی برکت ہے جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی تکرار کی وجہ سے عادت ہو گئی ہے اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلًا عَلَیْہِمَا بِقَلْبِہٖ (دو رکعتیں ایسی حالت میں پڑھے کہ دل سے اس پر متوجہ ہو۔) یہ ایک مرفوع حدیث کا جزء ہے اور دوسری حدیث موقوف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے قول کا جزو یہ ہے

سنن ابن ماجہ (؟) ص ۲۵

اِنِّیْ لَاُجَھِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ (میں اپنے لشکر کی تیاری نماز کی حالت میں کرتا ہوں) مجموعہ روایتین سے دو درجے مفہوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصد اُاستحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جاوے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں البتہ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہو گیا اور درجۂ اول اکمل اور درجۂ دوم اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل۔ اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے خلاف نہیں

اخلاص کے فائدے

چاہے کیسا ہی نیک کام ہو اور چاہے ذرا سا کام ہو مگر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے چاہے اسکا کوئی بھی معاون نہ ہو جسقدر بھی اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بڑھتا جائیگا اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مد یعنی آدھ سیر جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسرے کے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے بات یہ ہے کہ ان حضرات کے اندر خلوص اور محبت اسقدر تھا کہ اوروں کے اندر اتنا نہیں اسی واسطے ان کے صدقات و حسنات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

لے انفاس عیسیٰ مث حصہ الشومجمد۔

طریق کار اعلیٰ درجہ[1] یہ ہے کہ، محض خدا کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو اس سے کم یہ ہے کہ، مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کام کرے مگر کوئی دنیاوی غرض مطلوب نہ ہو صرف اسکا خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے (تیسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کیا یہ بھی اخلاص یعنی عدم الریاء ہے۔

طریق تحصیل ریاء[2] کو دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے معالجہ ریاء میں معلوم ہو گا۔

تیسری فصل اُنس و ناز کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الآیہ) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تسکین و اطمینان مسلمین کے دلوں میں اتارا ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ (رواہ مسلم)

لوگ نہیں بیٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں مگر فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور ان کو رحمت خداوندی ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر تسکین اور اطمینان اترتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان میں جو اس کے پاس ہیں یعنی فرشتوں میں، یاد کرتا ہے (مسلم شریف)

اُنس کی حقیقت جو چیز[3] من وجہ ظاہر اور معلوم ہو اور من وجہ مخفی و مجہول ہو اگر وجوہ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح و سرور ہو اسکو اُنس کہتے ہیں یہ فرح کبھی یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ مطلوب کے صفات

---

[1] انفاس عیسیٰ [illegible] [2] تعلیم الدین [illegible] [3] تعلیم الدین [illegible]

جلال پیش نظر نہیں رہتے اور اس وجہ سے اسکے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہونے لگتی ہے اس کو انبساط و ادلال (اور ناز) کہتے ہیں یہ ایک حال ہوتا ہے جو متوسطین سلوک پر وارد ہوتا ہے کاملین اہل دلال نہیں ہوتے ان میں عجز و نیاز غالب ہوتا ہے ہاں وسط سلوک میں بعض لوگوں پر غلبہ بسط سے دلال کا حال وارد ہو جاتا ہے وہ اس وقت ناز میں آکر بعض ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو دوسرا اگر کہے تو مردود ہو جائے مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد ... چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز ... عیب باشد چشم نابینا و باز
پیش یوسف نازش و خوبی مکن ... جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

(ترجمہ:۔ ناز کرنے کے لئے گلاب جیسی صورت چاہیئے۔ اور جب ایسی صورت نہ ہو تو بدخوئی کے قریب نہ جا بدصورت کو ناز کرنا زیبا نہیں۔ نابینا آنکھ کھلی ہوئی بدنما معلوم ہوتی ہے یوسف علیہ السلام کے سامنے ناز و خوبی مت کر۔ سوائے عاجزی اور آہ (یعقوب علیہ السلام) کے اور کچھ مت کر۔ یعنی ناز کرنے کے لئے بھی منہ چاہیئے۔ ہر ایک کا منہ ناز کے قابل نہیں ہوتا اگر کسی کو یہ حال حاصل ہو اس کے لئے ناز بجا ہے اور اگر حال نہ ہو تو بجز آہ و نیاز کے کچھ مناسب نہیں (کبھی تو اہل دلال کی بات سن لی جاتی ہے) ورنہ گاہے ان کی گوشمالی بھی کر دی جاتی ہے جیسے خداوند کریم حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ ... اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب
اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ ... سلب کر لیں۔ پھر اس کے واپس لانے کے لئے

لَوْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۔ (الآیہ سورۃ بنی اسرائیل)

آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ ملے مگر آپ کے رب ہی کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) بے شک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔

یعنی اگر ہم چاہیں تو یہ سب علوم جو وحی کے ذریعہ سے آپ کو عطا کئے ہیں۔ آپ سے سلب کر لیں تو دوسرا کون شخص ہے کہ اپنی کسی حالت پر ناز کرے بلکہ ہر وقت تغیر و زوال سے ترساں و لرزاں رہنا چاہیئے۔

طریق تحصیل چونکہ یہ بھی آثار محبت سے ہے اس لئے اس کی تحصیل کے لئے کوئی جداگانہ طریق نہیں (یعنی محبت کے ساتھ تو ساتھ حاصل ہو جاتا ہے)

چوتھی فصل تبلیغ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ (اور لوگوں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں ثواب سے) پورے کامیاب ہوں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مروا بالمعروف وتناہوا عن المنکر (ابن ماجہ) امر بالمعروف (یعنی نیکی کا حکم) اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔

تبلیغ کی حقیقت امر بالمعروف یقیناً واجب ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور حکم سب کو عام ہے مگر اس میں بھی ایک تفصیل ہے وہ یہ کہ

لہ تعلیم الدین صفحہ [illegible] بیان القرآن صفحہ [illegible] آداب تبلیغ صفحہ [illegible]

اس کی دو قسمیں ہیں ایک خطاب خاص، دوسرا خطاب عام تبلیغ خاص تو ہر جگہ اور ہر شخص پر ہے یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتی اور امر بالمعروف، تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ سب کے ذمہ فرض نہیں بلکہ صرف علماء پر واجب ہے، مگر عوام المسلمین کے ذمہ سفر خرچ و دیگر اسباب کا مہیا کرنا ہے، اور امر بالمعروف کا مدار قدرت پر ہے یعنی جس کسی پر جتنی قدرت ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ امر بالمعروف کرے مثلاً ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ اور دیگر ضروریات دین کی نصیحت کریں خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جو ان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے حدیث میں ہے:-

مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْهُمْ اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا	تم اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا امر کرو جبکہ ان کی عمر سات سال ہو۔ اور دس سال کی عمر میں مار کر پڑھاؤ۔

غرض ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو امور خیر کا حکم کرے۔ اور خلاف شرع باتوں سے روکے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ[1]	یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں۔ اور برے کاموں سے منع کریں۔

جو شخص بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا

---

[1] بیان القرآن سورۃ حج ۔ ان القرآن حاشیہ سورۃ الحج

ہو کہ اگر امر و نہی کر دوں گا تو مجھ کو کوئی ضرر معتد بہ لاحق نہ ہوگا اسکے لئے امور واجبہ میں امر و نہی کرنا واجب ہے امور مستحبہ میں مستحب مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب ہیں انکی نصیحت کرنا مستحب ہوگا اور جو شخص بالمعنی مذکور قادر نہ ہو اس پر امر و نہی کرنا امور واجبہ میں بھی واجب نہیں صرف اتنا کافی ہے کہ تارک واجبات و مرتکب محرمات سے دل سے نفرت رکھے البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملیگا پھر اس امر و نہی میں قادر کے لئے امور واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قدرت ہاتھ سے ہو تو ہاتھ سے اسکا انتظام واجب ہے اور اگر ہاتھ سے قدرت نہ ہو اور صرف زبان سے قدرت ہو زبان سے کہنا واجب ہے مگر ہاتھ سے ازالہ منکر کرنے کا اختیار حکام کو ہے۔ عوام کو اس کا اختیار نہیں راز یہ ہے کہ عوام کی دست اندازی سے فساد ہوگا اور شریعت کا مقصود امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اصلاح ہے نہ کہ فساد لیکن حکومت کے درجے میں باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر، استاد کو شاگرد پر فی الجملہ حکومت ہوتی ہے لہذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کا حکم ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ[لے] جب لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو ان کو معصیت سے روک سکتے ہیں مگر وہ کاہلی کریں اور ان کو معصیت سے منع نہ کریں تو حق تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرمائیگا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جس میں اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور ان کے اعمال انبیاء جیسے تھے مگر اتنا قصور تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں دیکھ کر ان کو غصہ نہ آتا تھا۔ اور امر بالمعروف

لے کمالات اشرفیہ ص ... تبلیغ دین ص ۲۷۴

اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے۔

پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کرو گے اور گناہ سے ان کو نہ روک دو گے اس وقت تک بری الذمہ ہرگز نہ ہو سکو گے۔

تبلیغ کے آداب و شرائط

امر بالمعروف[1] کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضوابط و قاعدے، اور طرق (طریقے) مقرر ہیں۔ ایک قسم اصول کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کے الگ آداب ہیں ایک فروع کی تبلیغ اس کے الگ آداب ہیں (اور وہ یہ ہیں کہ)

(۱) اس امر[2] کے متعلق (جس کی تبلیغ کرنی ہو) شریعت کا پورا حکم معلوم ہو۔

(۲) امر بالمعروف[3] کی اول شرط اخلاص ہے کہ محض لوجہ اللہ نصیحت کرے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے نصیحت نہ کرے اور اس کا معیار یہ ہے کہ عین نصیحت کے وقت بھی یہ شخص مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھے۔

(۳) دوسروں کی نصیحت کے لئے شفقت شرط ہے۔

(۴) تبلیغ کے وقت خود نفس تبلیغ کو مطلوب سمجھے ترتب[ع] ثمرات کو مقصود نہ سمجھے کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔

(۵) وعظ میں تعرض خاص نہ ہونا چاہئے بلکہ خطاب عام ہونا چاہیے۔

(۶) واعظ کے لئے مناسب ہے کہ محض تبلیغ کیلئے ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے۔

---

[1] آداب التبلیغ ص ۲ [2] بیان القرآن سورۃ آل عمران [3] الفاس عیسیٰ ۲۵۴،۲۵۳،۲۴۸،۲۴۵

[ع] یعنی جسکو تبلیغ کی ہے وہ اس کی بات مان لے ۱۲

اور اسکو ہدایا لینے سے قطعاً منع کر دیا تھا جب یہ غرض ہوگا اسکا مخاطب پر بڑا اثر ہوگا۔

(۷) کسی شخص کی مجمع عام میں اصلاح نہ کی جائے کیونکہ اس سے دوسرے کو شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کا اثر یہ ہے کہ نصیحت کرنے والے سے بغض ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اس امر کو ترک کرنے کی بجائے اسمیں اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میری رسوائی تو ہو ہی گئی پھر میں کیوں چھوڑوں اس لئے بہتر یہ ہے کہ یا تو خود اس کو خلوت میں لے جا کر اس سے کہہ دے یا اگر اس سے نہ کہہ سکے تو کسی ایسے شخص سے کہہ دے جو کہ اسکی اصلاح کر سکے لیکن اس کے دشمن سے نہ کہے کیونکہ دشمن سے کہنے میں اصلاح تو ہو نہیں سکتی ہاں تذلیل ہوگی۔

(۸) سختی اور درشتی کا اظہار نہ ہو بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے اگر پھر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض خطاب عام پر اکتفا کرے نرمی سے کہے تحقیر اور طعن کے طور پر نہ کہے

طریق تبلیغ

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (القرآن)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلائیے اور اگر بحث کی ضرورت ہو تو ان سے مجادلہ بھی کیجئے مگر احسن طریقہ سے سبیل رب وہ ہے جس سے ان تک رسائی ہو جائے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ سبیل صرف اسلام ہے اسی کی طرف بلانے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر ہوا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے تین چیزیں بتلائی ہیں۔ دعوت بالحکمت، دعوت

---

۱ اشرف المسائل ص [illegible] ۲ انفاس عیسیٰ ص [illegible] ۳ اشرف المسائل ص [illegible]
۴ آداب التبلیغ ص ۲۶۱ / ۲۶۷۹ ملخصاً

بالموعظۃ الحسنۃ، اور ایک مجادلہ یعنی ایک قسم دعوت کی تو یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت کی جائے اور ایک یہ کہ مجادلہ حسنہ کیا جائے۔

گفتگو میں دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک اپنے دعوی کا اثبات اور دوسرے کے دعوی کا ابطال تو حکمت یہ کہ اپنے دعوی پر علمی دلائل قائم کئے جائیں اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالف کے مدعی کو باطل کیا جائے اصل مقصود یہ دونوں ہیں باقی تیسری چیز موعظہ حسنہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کو عباد بندوں کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے اس لئے موعظہ حسنہ بھی ایک طریق بتلا دیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ ناصح دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ضابطہ کی تحقیق نصیحت کرنیوالا وہ اپنے ضابطہ کی خانہ پری کر دیتا ہے دوسرا وہ ناصح جسکو سامعین پر شفقت بھی ہے مثلاً ایک تو منادی کا حکم سنانا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا ہے دونوں میں بڑا فرق ہے منادی کا کام تو ضابطہ کا ہے صرف حکم پہنچانا اسکا فرض منصبی ہے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اس سے اسکو کوئی بحث نہیں اور باپ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی شفقت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو منوالوں اس لئے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے چنانچہ اس کو سمجھاتا ہے کڑھتا ہے۔ دل سے دعا کرتا ہے اوروں سے بھی دعا کراتا ہے تو دیکھئے دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے غرض محض شفقت ہی کے مقتضا سے اللہ تعالیٰ نے اولاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً آپ کی امت کو فرمایا ہے کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل ہی پر اکتفا نہ کرو بلکہ ساتھ ساتھ موعظہ حسنہ بھی کرتے رہو۔ وہ

ایسے مضامین موثرہ ہیں جس سے مخاطب میں نرمی پیدا ہو اور دل پگھل جائے (جیسے درجات جنت کی ترغیب اور جہنم سے ترہیب کرنا وغیرہ (مثلاً)، باپ کہتا ہے کہ بیٹا یہ چیز مضر ہے اس کو مت کھانا یہ پیٹ میں درد پیدا کر دے گی پھنسیاں نکل آئینگی اسی طرح کبھی طمع دلانے سے کام لیتا ہے کہ اگر یہ دوا پی لوگے تو تم کو یہ دوں گا وہ دوں گا تو اس لئے ترغیب و ترہیب دونوں کی ضرورت ہے۔

نصیحت کا قاعدہ یہ ہے کہ مصلح اپنے اوپر مشقت ڈالے اور مخاطب کو آسان طریقہ سے سمجھائے۔ ابتدا میں تالیف قلب کرے اور انتہا میں صفائی سے کام لے یعنی مسئلہ کو صاف صاف بیان کر دے گول مول بیان نہ کرے ابتدا میں ترغیب اعمال اخلاق کے پیرایہ میں دینی چاہیئے تاکہ مخاطب کو گرانی اور وحشت نہ ہو مثلاً اس طرح (نصیحت شروع کرے) کہ نفس کو پابند کرنا اور آزادی سے روکنا اور اس میں استقلال اور پختگی پیدا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہے؟ مردانگی اس میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو نفس کا تابع فرمان نہ ہو۔

طریق کار

دو چار آدمی مل کر تبلیغ کا کام شروع کر دیں اور اپنی قلت پر نظر نہ کریں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام شروع کریں (تبلیغ عام کے لئے) ایک مبلغ مقرر کر لیں اور اس کا خرچہ اپنے ذمہ لے لیں کسی عالم کو مشورہ کیلئے منتخب کر لیں اسی کے مشورہ سے مبلغ رکھیں اور اسی کی رائے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کریں اور مبلغ سے کہدیں کہ جس طرح فلاں شخص کہے اسی طرح کرو۔

رفاہِ عام کا کوئی کام کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے سے جتنا کام

الانفاس عیسیٰ ص ۲۵۱ تا ۲۵۳ ملخصاً

ہو سکے شروع کر دے مثلاً ایک دینی مدرسہ قائم کرنا ہے تو لڑکے لے کر بیٹھ جائیں اور پڑھانا شروع کر دیں کوئی پوچھے تو کہہ دیں کہ اتنا ہی ہمارے بس میں تھا سو اپنا کام کیجئے آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے مدرسہ بھی جاری کرا دے گا۔

طریق تحصیل تبلیغ کے فضائل اور ترک تبلیغ کے مواخذہ کو ذہن میں حاضر کرنا اور اس میں غور و فکر کرنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

پانچویں فصل تفکر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ الآیہ[1]	اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے شاید وہ کچھ فکر کریں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی (رواہ احمد) پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی چیزوں پر اختیار کرو

حقیقت تفکر دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری بات ذہن میں آجائے (اس کا نام تفکر ہے) مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ "آخرت باقی ہے" دوسری یہ جانتا ہے کہ "باقی قابل ترجیح کے ہے" ان دونوں سے تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ "آخرت قابل ترجیح کے ہے" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے[2]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ	بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں اہل عقل کیلئے دلائل ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ ہر حال

---

[1] تعلیم الدین [2] بیان القرآن آخر سورۂ آل عمران والرحیل

اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (الآیہ)

میں دل سے بھی اور زبان سے بھی، کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور (و فکر) کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس (مخلوق) کو لایعنی پیدا نہیں کیا (بلکہ اسمیں حکمتیں رکھی ہیں) ہم آپکو منزہ (اور پاک سمجھتے ہیں) سو ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے

اس میں صاف تعلیم ہے کہ خلق سمٰوٰت و ارض میں اس غرض سے تفکر کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا علم ہو کہ یہ فضول پیدا نہیں کئے گئے پھر اس سے امر کا نتا وقوع معاد (یعنی آخرت) پر استدلال کر کے جنت کی طلب اور جہنم سے استعاذہ (یعنی اعمال صالحہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے اسی لئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے کان دائم الفکرۃ متواصل الحزان کہ آپ ہمیشہ فکر و سوچ اور غم میں رہتے تھے اور اس فکر اور غم ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے۔ حدیث شریف میں ہے کان جل ضحکہ التبسم کہ آپ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ آپ تبسم فرما لیتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تبسم فرما لیتے تھے ورنہ جسکے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اسکو تو تبسم بھی نہیں ہو سکتا اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے یعنی بالکل نہ ہنستے۔

تفکر کی ضرورت

عن علیؓ قال الخیر... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بھوئی

له الکشف صفحہ ۳۲، ۴۶

فی قراءۃ لیس فیھا تدبر ولا عبادۃ لیس فیھا فقہ
ارشاد فرمایا ایسے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی معتد نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو۔

الحدیث اخرجہ رزین۔

صوفیہ کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ہے (لہذا) خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اکابر کو (بھی) فارغ ہو کر بیٹھنا نہ چاہیے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال و اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہیئے فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی۔ کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہو جاتے ہیں۔

سارا قرآن مجید فکر کی تاکید سے بھرا ہوا ہے قیامت کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو قیامت کے امکان کو سمجھنے کے لئے ملکوت السموٰت والارض میں نظر کرنا چاہیئے ایک جگہ ارشاد ہے لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اللہ تعالیٰ یہ احکام صاف صاف اسلئے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو (یعنی دنیا و آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرو کہ ان میں اختیار کرنے کے قابل کون ہے اور کون قابل ترک ہے اہل اللہ نے دنیا میں فکر کرکے ہی اس کی حقیقت کو سمجھا ہے اسی لئے دنیا سے ان کو نفرت ہے۔

طریق فکر نور ایمان کے کامل کرنے کا طریقہ ذکر و فکر ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے :-

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ
ہر شخص دیکھتا رہے اور فکر کرتا رہے کہ کل کیواسطے کیا سامان کیا
یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے کہ آج دن میں کتنے نیک کام ہوئے جو نیک کام

لہ کمالات اشرفیہ ص۲۷۶ تا ۲۷۹ ص المراقبہ ص ۲۰۳

ہوگئے ہیں ان پر خدا کا شکر کرے اور جو گناہ ہوئے ہیں ان سے توبہ و استغفار کرے[1] جو بات کہے سوچ کر کہے جو کام کرے پہلے اسکے انجام کو سوچ لے مراقبات[2] کرے (بالخصوص مراقبہ موت) اور اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبراوے تو حیات کو سوچے کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے ابقیٰ (باقی رہنے والی بھی ہے الذ (بہت لذیذ) بھی ہے اشہٰی (بہت زیادہ پسندیدہ) بھی ہے یوں تصور کرے کہ میں آسمان پر پہنچا ہوں حوریں ہیں باغ کی قصور کی سیر کر رہا ہوں پھر یہ خیال کرے کہ یہ چیزیں جب ملیں گی جب خدا کے حکموں کی پابندی کروں گا اس سے لالچ اور رغبت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سرزد ہوں گے۔

طریق تحصیل دونوں[3] چیزوں (یعنی دنیا اور آخرت کی حقیقت) کا ذہن میں حاضر کرنا (تفکر کی تحصیل کا طریق ہے)۔

چھٹی فصل تفویض کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس مومن نے کہا:-

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (الآیہ)	اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا (خود) نگراں ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء و اذا امسيت فلا تحدث نفسك بالصباح (الحدیث)	جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ۔ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ۔

---

[1] کمالات اشرفیہ ص ۶۲، ۱۴۳ [2] تعلیم الدین ص ۹۴ [3] الجر بالصبر ص ۱۲۱

حقیقت تفویض و طریق کار

اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں ان میں تصرف کریں اور اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرنا تفویض ہے، جو تمام حالات کو شامل ہے خواہ وہ حالات آفاقیہ ہوں خواہ انفسیہ ہوں پھر انفسیہ میں خواہ احوال حسیہ ہوں جیسے مرض و صحت اور قوت و ضعف خواہ باطنیہ ہوں جیسے قبض و بسط ہیبت و انس اور محبت و شوق وامثالہا۔

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرے اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے تجویز ہی تمام تر پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کیلئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے سے

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ہیں ان کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں پھر اس کے بھی دو طریق ہیں کبھی تو استحضار ثواب سے تفویض حاصل ہوتی ہے کہ اس سے ہم کو ثواب ملے گا اور کبھی محض حق کے لئے تفویض حاصل ہو

جاتی ہے گو ثواب بھی مل جائے مگر یہ شخص محض اس لئے تفویض کرتا ہے کہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے سامنے اپنی رائے اور تجویز کو فنا کر دیا جائے یہ تفویض کا اعلیٰ درجہ ہے وہ صاحبِ تفویض تو ہر امر میں ابتدا ہی سے تفویض کرتا ہے اور تدبیر جو کچھ کرتا ہے محض سنت اور طاعت سمجھ کر کرتا ہے اس کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ تدبیر ضرور کامیاب ہی ہو بلکہ وہ کامیابی اور ناکامی کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے کوشش کرتا ہے اور دونوں حالتوں میں راضی رہتا ہے (اور اسی میں راحت بھی ہے) مگر راحت کی نیت سے تفویض کرنا دین نہیں بلکہ دنیا ہے حقیقی تفویض وہ ہے جس میں یہ بھی قصد نہ ہو کہ اس سے چین ملے گا بلکہ محض رضائے حق کا قصد ہو۔ کیونکہ راحت تو ہر حال ہوگی مگر اس نیت سے ثواب باطل ہو جائیگا اور ممکن ہے کہ اس نیت کی نحوست سے راحت بھی کم نصیب ہو نیز اس درجہ کا رضا و قرب بھی نہیں ہوتا جیسا کہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو تفویض کو محض حق تعالیٰ کا حق سمجھ کر اختیار کرتا ہے یہ سمجھ کر تفویض اختیار کرو کہ تم غلام ہو اور وہ آقا ہیں اور آقا کا حق ہے کہ غلام اپنے سب امور میں اس کو مفوض کر دے اور اپنی منفعت و مصلحت کا خیال نہ کرے پھر وہ منافع و مصالح بھی خود بخود حاصل ہو جائیں گے کیونکہ وہ تفویض کے ساتھ لگے ہوئے ہیں لیکن ادائے حق عظمت کے ساتھ وہ منافع مع ثواب و رضا کے حاصل ہوں گے اور اس کے بغیر گو منافع مرتب ہوں گے مگر اس میں رضا و قرب زیادہ نہ ہوگا۔

(الغرض) اپنی تجویز کو دخل نہ دیں بلکہ اپنی تربیت کو خدا تعالیٰ کے سپرد کریں کہ جس طرح چاہیں تربیت کریں حالات و کیفیات عطا کریں یا سب کو

[illegible]

سلب کر لیں اپنی تجویز کو خدا تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دیں (یعنی کامل عبدیت اختیار کر لیں۔)

طریق تحصیل جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آوے اسوقت اسکو فوراً ذہن میں حاضر کر لیا جائے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے ابتدا میں تو اہل اللہ کو یہ حالت تکلف کے ساتھ حاصل ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی حکمت و قدرت کو سوچ سوچ کر اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے پھر یہ حالت انکے لئے امر طبعی بن جاتی ہے۔

ساتویں فصل تقوی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ (الآیہ) ایمان والو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَلَا إِنَّ التَّقْوَىٰ هَاهُنَا وَأَشَارَ إِلَىٰ صَدْرِهٖ آگاہ رہو کہ تقوی اسجگہ ہے اور آپنے قلب کیطرف اشارہ کیا

حقیقت تقویٰ تقوی کا امر اور فضل قرآن مجید میں جسقدر ہے غالباً کسی چیز کا اتنا نہیں اس سے اسکا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوا۔ حقیقت اسکی یہ ہے کہ تقوی کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے ایک ڈرنا دوسرے بچنا اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو معاصی سے (

لہ انفاس عیسیٰ ص ۲۱۹۳۲۳۰ ۲ الکمال فی الدین ص ۱۲ سہ الکمال فی الدین ص ۲۰۲ ۱۳۲۱۲۵

بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اول جب فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ کا نزول ہوا تو اس سے صحابہ ڈر گئے کیونکہ وہ سمجھے کہ آج ہی حق تقویٰ لازم ہو گیا حالانکہ شروع ہی سے تقویٰ کا حصول دشوار ہے حق تقویٰ کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی شان کے لایق جیسا تقویٰ ہے وہ اختیار کرو (سو آیت میں) یہ مراد نہیں کیونکہ یہ تو بشر کی طاقت سے خارج ہے اور اسکی تکلیف تکلیف ما لا یطاق ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان کی وسعت کے موافق جو تقویٰ خدا تعالیٰ کی شان کے لایق ہے اسکو بجا لاؤ آیت میں یہی معنی مراد ہیں ابتدا ہی سے انسان کا اس درجہ میں پہنچ جانا دشوار ضرور ہے تو صحابہ نے اس آیت کو معنی فوز سمجھا اور پھر یہ خوف ہوا کہ حق تقویٰ کا آج ہی سے حاصل ہونا تو بڑا دشوار ہے پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہو اس پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی جتنا تقویٰ تم سے اس وقت ہو سکتا ہے اس وقت تو اس کو اختیار کرو پھر ترقی کرتے رہو یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہو جائے اس آیت نے پہلی آیت کی تفسیر کر دی۔

تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر اور شرک سے بچے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو ترک کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے پھر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ پیدا ہوتا رہے گا اور تقویٰ کی کمی سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا حتیٰ کہ درجہ "احسان" حاصل ہو جائیگا جو کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے وہ یہی تقویٰ کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اور یہی درجہ مطلوب ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى
الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَ
أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي
الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ
الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ۔ (الآیہ)

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف
کرلو یا مغرب کی کرلو، لیکن (اصل) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ
کی (ذات و صفات) پر یقین رکھے (اور اسی طرح) قیامت کے دن
(آنے) پر بھی (اور) فرشتوں (کے وجود) پر بھی (اور اللہ تعالیٰ
کی) کتاب پر (اور سب) پیغمبروں پر بھی (اور وہ شخص) مال
دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنے حاجتمند) رشتہ داروں کو
اور (نادار) یتیموں کو اور (دوسرے غریب) محتاجوں کو (بھی)
اور (بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو
(اور قیدی اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو)
اور (وہ شخص) نماز کی پابندی بھی رکھتا ہو (اور مقررہ) زکوٰۃ بھی
ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (کہ ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی
رکھتے ہوں) کہ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب (کسی جائز امر کا)
عہد کرلیں (اور اس صفت کو خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ) وہ لوگ
(ان واقع میں مستقل مزاج رہنے والے ہوں) (ایک) تنگدستی میں
اور (دوسرے) بیماری میں (اور تیسرے معرکۂ) قتال (کفار) میں (دینی) گم
ہمت نہ پریشان ہوں کہ بس) یہ لوگ ہیں جو سچے (کمال کے ساتھ
موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جاسکتے ہیں)

۱؎ بیان القرآن حصہ ۱ ص ۹۸

غرض اصلی مقاصد اور کمالات دین کے یہ ہیں کہ نماز میں کسی سمت کو منہ کرنا انھیں کمالات مذکورہ میں سے ایک کمال خاص یعنی اقامت صلوٰۃ کے توابع اور شرائط میں سے ہے اور اس کے حسن سے اس میں بھی حسن آگیا ورنہ اگر نماز نہ ہوتی تو کسی خاص سمت کو منہ کرنا بھی عبادت نہ ہوتا۔

اس آیت میں تمام ابواب تقویٰ کو اجمالاً بیان کر دیا گیا ہے جس میں اول محض صورت بے معنی کو کافی سمجھنے کی ممانعت ہے اس کے بعد ایمان باللہ و ایمان بالمعاد اور ایمان بالملٰئکہ اور ایمان بکتب سماویہ اور ایمان بالانبیاء کا امر ہے یہ تو اعتقادیات کے متعلق ہے پھر حب مال کو انفاق سے زائل کرنے کا امر ہے یا محبت الٰہی میں مال خرچ کرنے کی ترکیب ہے یہ اصلاح قلب کے متعلق ہے پھر اقامت صلوٰۃ کا امر ہے یہ طاعت بدنیہ ہے پھر ایتاء الزکوٰۃ کا یہ طاعت مالیہ ہے اس کے بعد ایفاء عہد کا امر ہے جو معاشرت کے متعلق ہے پھر صبر کا امر ہے جو سلوک کے متعلق ہے غرض اس میں تمام شعب تقویٰ کو اجمالاً جمع کر دیا ہے اسی لئے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ پر اس کو ختم فرمایا ہے۔

اعمال تین قسم کے ہیں ایک وہ جو دین میں نافع ہیں ان کا تو کرنا مامور بہ ہے خواہ درجۂ فرضیت و وجوب میں ہو یا درجۂ سنیت و استحباب میں اور بعض وہ ہیں جو دین میں مضر ہیں ان کا ترک مامور بہ ہے خواہ درجۂ حرمت میں ہو یا کراہت میں اور بعض وہ ہیں کہ جن کے فعل یا ترک کا امر نہیں وہ مباحات ہیں مباحات اپنے اثر کے لحاظ سے دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دین کے لئے نافع ہیں جیسے بغرض حفظ صحت چلنا پھرنا ورزش کرنا یا نافع نہیں اگر دین میں نافع ہے تو وہ خلاً

لے ماعلیہ الصد ص۲۶ ۱ ۲۲/۱۵ لکھنؤ

ماموربہ ہے گو درجۂ وجوب میں نہ ہو مگر جب مباح نافع فی الدین کو اچھی نیت سے کیا جائے تو وہ مستحب ضرور ہو جاتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے یا وہ دین میں نافع نہیں تو فضول ہے اور فضولیات کا ترک کر دینا ماموربہ شرعاً ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ مالایعنی کو ترک کر دیا جائے جب فضولیات کے ترک کو حسن اسلام میں دخل ہے اور حسن اسلام ماموربہ اور مطلوب ہے تو ان فضولیات کا ترک بھی ماموربہ ہو گیا گو ان کو حرام نہ کہا جائے مگر فضولیات میں اشتغال کراہت سے خالی نہیں پس جس طرح حرام اور مکروہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح فضولیات سے بچنا بھی ضروری ہے غرض بے ضرورت مباحات میں مشغول ہونا بھی برا ہے اور ضرورت کے وقت مشغول نہ ہونا بھی برا ہے۔

بعض لوگ قبل اسلام کے حالت احرام حج میں اگر کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے تو دروازہ سے جانا ممنوع جانتے تھے اس لئے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے حق تعالیٰ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
(الآیۃ)

اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور چونکہ دروازوں سے گھروں میں آنا حرام نہیں سو اس سے بچنا بھی ضروری نہیں سو اگر گھروں میں آنا چاہو تو گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اصل الاصول یہ ہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم دارین میں کامیاب ہو۔[1]

---

[1] بیان القرآن ص ۸۰ ج ۱

اس آیت سے ایک بڑے کام کی بات معلوم ہوتی کہ جو شے شرعاً مباح ہو اس کو طاعت و عبادت اعتقاد کر لینا اسی طرح اسکو معصیت اور محل ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم ہے چنانچہ گھروں میں دروازوں سے آنا مباح تھا اسکو ان لوگوں نے معصیت سمجھا تھا اور دروازہ چھوڑ کر کسی اور طرف سے آنا بھی فی نفسہ مباح ہے اسکو ان لوگوں نے عبادت و فضیلت سمجھا تھا اس پر حق تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا اور ان کے اعتقاد کو باطل اور مخالف تقویٰ کے ٹھہرایا اور تقویٰ کو واجب فرمایا تو جس چیز سے واجب کا ترک اور خلاف لازم آئیگا وہ ضرور گناہ ہوگی پس ان کے یہ دونوں اعتقاد گناہ ہوئے اس قاعدہ سے ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہوگیا جو کہ عوام بلکہ خواص میں بھی شائع ہوگیا۔

دنیز خیال رہے کہ) ہر شے (ذات و اعضاء) کا تقویٰ ہے آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا مرد کو نہ دیکھے زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے (جھوٹ نہ بولے) کسیکو ستائے نہیں اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے نامحرم سے مس نہ کرے پاؤں کا تقویٰ یہ ہے کہ بری جگہ چلکر نہ جائے کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے راگ باجے سے بچے وضع میں بھی تقویٰ ہے کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھاوے وغیرہ۔

حاصل یہ ہے کہ صادق و متقی یہی لوگ ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں (جو مذکور ہوئے) ان اوصاف میں تمام اجزاء دین کا ذکر اجمالاً آگیا دین کا کوئی جز اس سے باقی نہیں رہا اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صادق اور متقی وہی شخص ہے جو دین میں کامل ہو پس صدق اور تقویٰ کی حقیقت وہ کمال دین ہونا

ثابت ہوگیا۔

طریق کار جو کام کریں اس میں یہ دیکھ لیں کہ ہم خلاف شریعت تو نہیں کرتے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا دین کے کام میں تو یہ دیکھ لیں کہ شریعت نے اس کی کامیابی کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ کیا ہے اسی کے موافق کریں اور دنیا کا جو کام کریں اسمیں صرف یہ دیکھ لیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔

طریق تحصیل اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرنا اور سوچنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

آٹھویں فصل تواضع کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (الآیہ)

اور رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من تواضع للہ رفعہ اللہ

جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلند کرتا ہے[1]

تواضع کی حقیقت تواضع (تکبر کی ضد) کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشے سمجھے اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور ہیچ سمجھ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے اسکی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اسکا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بیمقدار کہدیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تمکو ذرۂ بیمقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تمکو انتقام کا جوش

---

[1] الانفاس عیسیٰ ص ۴۲

پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے اور کسی کی برائی سے کچھ رنج نہ اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعًا تو مساوات ہو نہیں سکتی (کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (الآیہ)

(حضرت لقمان علیہ السلام نے یہ نصیحت کی کہ بیٹا) لوگوں سے اپنا رخ مت پھیرو اور زمین پر اترا کر مت چل بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر (یعنی نہ تکلف و رتو سط رفتار تواضع و سادگی کیساتھ اختیار کر اور بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی گفتگو میں بھی عاجزی اور تواضع اختیار کر)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت عطا کرینگے[1] نیز، اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں تواضع ہو گی ان میں نا اتفاقی نہیں ہو سکتی تواضع میں[2] جذب و کشش کی خاصیت ہے متواضع کی طرف خود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔

طریق کار یہ سمجھ کر تواضع اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ انکے سامنے پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائیں اور اپنے کو لاشی سمجھیں[3] لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت طلب کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھدا پن ہے جس جماعت میں شمار ہے اسی کی اصطلاح وضع اور طرز کو اختیار کریں عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ بھی ہوئی تو کیا

---

[1] بیان القرآن جلد ۹ صفحہ [2] انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۲۲ [3] کمالات اشرفیہ [4] انفاس عیسیٰ صفحہ ۶۴ [5] شریعت الرحیل صفحہ ۱۲۵

پروا ہے خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو عارف فرماتے ہیں ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم — شہان بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

(یعنی عشق کے بھکاریوں کو حقیر نہ سمجھ کہ یہ لوگ باوجود ظاہری کمر و فر اور تاج نہ ہونے کے بھی بادشاہ ہیں) اگر کوئی لباس پر طعن کرے کہ نے دیں طرز میں عیب لگا دے ان کا نحو دیں کسی کی تحقیر کی پروا نہ کریں تمہارے لئے اللہ کی رضا کافی ہے۔ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں اور یاد رکھیں کہ عشق (و محبت) میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے خدا تعالیٰ کے عاشق (اور محب) بننا چاہتے ہیں تو ملامت سننے کے لئے تیار رہیں ؎

نبازد عشق را کنج سلامت — خوشا رسوائی کوئے ملامت

(لیکن[1]) جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی تواضع نہ کریں کیونکہ بعض طبائع کو بلکہ اکثر کو (واقعی زیادہ) تواضع کرنے سے ندامت اور تکلیف ہوتی ہے باقی اگر حال ہی غالب ہو جاوے یا اس طرف التفات ہی نہ ہو وہ اور بات ہے۔

طریق تحصیل (طریق تحصیل وہی ہے جو تکبر[2] کا طریق علاج ہے۔)

نویں فصل۔ توبہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (الآیہ) — اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔

---

[1] الرغبۃ المرغوبہ ص۱۲ [2] تعلیم الدین ص۲۸

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یاَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ (رواہ مسلم) اے لوگو! اللہ تعالےٰ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ کی حقیقت

خطا کو یاد کر کے دل کا دُکھ جانا اور اس کے لئے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو پختہ ارادہ رکھنا کہ نہ کریں گے اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بُعد سے قریب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے بھی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نورِ معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ سمِ قاتل ہے اور تباہ کر دینے والی شے ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اسکو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کیلئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرلے اور اسکے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو جائیگا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہو گیا جسکا نام توبہ کی انتہا ہے۔

محققین[۱] کا مشہور قول تو یہ ہے کہ توبہ کے لئے ضروری ہے کہ عدم عود یعنی پھر گناہ نہ کرنے، کا عزم ہو لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں بلکہ عزم کا نہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اس عزم میں ایک قسم کا دعویٰ اور مشیت سے غفلت بلکہ مشیت سے معارضہ ہے لیکن ذوق اور ظاہر نصوص اسکے خلاف ہیں کیونکہ یہ عزم مقدمہ ہے کف کا اور کف واجب ہے اور واجب کا مقدمہ

---

[۱] تبلیغ دین صفحہ ۸۵ ۲ انفاس عیسٰی صفحہ ۱۹۲،۱۹۳

واجب ہوا کرتا ہے اس لئے عزم عدم عود توبہ کے لئے لازم ہے میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ عزم کے ساتھ قدرت مشیت الٰہی پر بھی نظر کرکے ابتلا کا بھی اندیشہ رکھے غیر عارفین کی توبہ کی طرح نہ ہو کہ عزم کرتے ہوئے قضاء و قدر سے بالکل غافل رہتے ہیں محققین[1] کے نزدیک توبہ کی حقیقت صرف ندامت ہے جیساکہ حدیث میں ہے التوبۃ الندم یہ عدم مستقل طاعت ہے صحت توبہ کا موقوف علیہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ	توبہ جس کا قبول کرنا (حسب وعدہ) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ان لوگوں کی ہے
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ	جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ وکبیرہ) کر بیٹھے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ	میں (یعنی قبل حضور موت) توبہ کر لیتے ہیں۔ سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ
قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ	(قبول توبہ کے ساتھ) توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول فرما لیتے ہیں
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (کہ کس نے دل سے توبہ کی) حکمت والے
عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ	ہیں (کہ دل سے توبہ نہ کرنے والوں کی نصیحت نہیں کرتے) اور ایسے
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ	لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں جو (برابر) گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں
حَتّٰٓي اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ	تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آکر کھڑی
الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْــٰٔنَ	ہوئی۔ تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

(یہاں حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں) اور برابر گناہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بار بار کرتے ہیں بلکہ اگر ایک بار بھی گناہ کرکے اس سے توبہ نہ کی تو بوجہ اس کے کہ یہ اصرار ہے اور اصرار حکم عود میں ہے اس لئے

---

[1] بیان القرآن صفحہ ۲۴۰

اس کو بھی مثل بار بار گناہ کرنے کے کہا جاویگا یہ مطلب ہے برابر کرنیکا اور جاننا چاہیئے کہ قریب کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہو جائے لیکن اب تک اس عالم کے احوال واہوال نظر نہیں آئے اس حالت کو یاس کہنا مناسب ہے اور دوسرے یہ کہ احوال بھی نظر آنے لگیں اس کو حالت باس کہنا زیبا ہے پس پہلی حالت میں تو کافر کا ایمان لانا اور عاصی کا توبہ کرنا دونوں مقبول ہیں اور دوسری حالت میں دونوں غیر مقبول محققین کا یہی مذہب ہے اور ظاہر قرآن سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ یہ جو فرمایا کہ حماقت سے الخ یہ قید واقعی ہے احترازی اور شرطی نہیں کیونکہ ہمیشہ گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے جسکو اپنے نفع اور ضرر کی پرواہ نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی اور عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ توبہ بوقت حضور موت مقبول نہیں یعنی وعدہ مغفرت اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر مشیت سے فضل ہو جاوے تو کوئی امر مانع نہیں۔

اور قبول[1] توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے محو ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گویا دبی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے۔

ضرورت توبہ توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم سب توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کیلئے سم قاتل اور مہلک سمجھے اور آئندہ چھوڑ

[1] الفاس عیسیٰ صلاح ۱۹۱ ۲ تبلیغ دین صلاح

کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اسلئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ الآیہ یعنی جو شخص موافق قاعدہ شریعت کے) اپنی اس زیادتی (یعنی گناہ) کرنے کے بعد توبہ کرلے اور آئندہ کے لئے اعمال کی درستی رکھے (یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے شریعت کے مطابق کام کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بیشک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے کہ توبہ سے پچھلا گناہ معاف فرمائیں گے اور استقامت علی التوبہ سے مزید عنایت فرمائیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لیکر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سبکو بخشدونگا اور گناہ کی کثرت کی پرواہ نہ کرونگا یہیں عمر گذشتہ کے ضائع ہونے کا بھی علاج موجود ہے لاعلاج کوئی مرض نہیں وہ علاج یہ ہے کہ توبہ کرو۔ اور توبہ کے بعد اگر ادائے حقوق کا موقع نہ ملے تو توبہ سے اس کے لئے حقوق العباد بھی معاف ہوجاویں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو خوش کرکے ظالم کی مغفرت فرمائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

التائب من الذنب كمن لا ذنب له — گناہ سے توبہ کرنیوالا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ — بیشک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں

لہ بیان القرآن ص۱۳۵ ج۳ کہ انفاس عیسیٰ ص۱۹۲، ۱۹۳ سہ الجمعین ص۳۳ کہ دعوات عبدیت ص۲۴۲

عصمت انبیاء (یعنی انبیاء کا گناہوں سے پاک ہونا) ایک مسلم مسئلہ ہے پھر بھی آپ استغفار فرماتے ہیں یہ انبیاء اور اکابرین مقبولین کی حالت ہے تو ہم کس شمار میں ہیں اسکی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی جب توبہ ٹوٹ جائے فوراً دوبارہ پھر توبہ کرلیں مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے اس طرح توجہ رکھے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے کچھ پرواہ نہیں ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں خدا تعالیٰ کے مقبول اور اہل طاعت میں سے شمار ہونگے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی ہماری درگاہ کی طرف ضرور واپس آؤ۔ جو کچھ بھی تم ہو واپس آؤ۔ اگر کافر و بت پرست ہو تو بھی واپس آؤ۔ یہ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے سینکڑوں بار اگر توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آؤ اور توبہ کرو ہم قبول کریں گے

(۱) حق تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے کہ ہر حالت میں اجازت دیدی کہ ہم سے باتیں کرلو۔ ہمارا نام لے لو۔ ہر حالت میں سماعت ہوگی۔

(۲) توبہ کی بدولت حق تعالیٰ کی رحمت و مودت تمہارے ساتھ ہوگی استغفار کے بعد جمعیت قلب بھی حاصل ہوگی۔

(۳) اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جائے تو توبہ سب کو مٹا دیتی ہے جیسے بارود ذرا سی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑ کو اڑا دیتی ہے۔

(۴) دین اور دنیا کی حاجتوں کے برآنے کا ذریعہ استغفار ہے۔

۱؎ الجمعین ص۳۳ ۲؎ دعوات عبدیت ص۱۴ ۳؎ شرنا کلام ص۹۱ ۴؎ انفاس عیسیٰ ص۱۹۳

۵؎ کمالات اشرفیہ ص۱۷۸،۴۳ ۲۲۰

(۵) حق تعالیٰ کے ناراضی کا علاج ماضی سے استغفار و توبہ اور آئندہ کے لئے اصلاح اعمال ہے۔

(۶) توبہ کرنے سے گناہ کی عادت اور اس کا تقاضا بدل جاتا ہے

طریق کار | توبہ بحسب معصیت ہوتی ہے تدارک میں بھی جو عمل کہ قابل تدارک ہے اور اعلان کی ضرورت اور عدم ضرورت میں بھی چنانچہ ترک نماز سے توبہ کے لئے ضرور ہے کہ نمازیں قضا کریں (اسی طرح روزہ وغیرہ کی قضا کریں) عاصی معلن کیلئے توبہ کا اعلان ضرور ہے اخلاص اور ندامت بھی شرائط میں سے ہیں یعنی اس طریق سے توبہ کریں تو خوب کامل ہو بس یہ نفس توبہ کا طریق نہیں بلکہ کمال توبہ کا طریق ہے۔

(۲) گذشتہ گناہوں پر ندامت و معذرت ظاہر کریں اور جو حقوق العباد واجب الادا ہیں فی الحال ان کے ادا کا عزم کریں اور فی المآل ان کے ادا کا اہتمام کریں یا اہل حقوق سے معاف کرائیں۔

(۳) اگر گناہ صادر ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں پھر توبہ کریں زبان سے بھی توبہ کریں اور رونے کی شکل بنا کر خدا تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں۔ اس طرح توبہ کرنے میں ظاہر میں متعدد مصلحتیں ہیں۔

(ا) اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ		نیکیاں گناہوں کو زائل کرتی ہیں۔

(ب) نماز میں توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کیلئے حضور قلب ضروری ہے

(ج) چونکہ نفس کو نماز شاق ہے اسلئے نفس گناہوں سے گھبرائیگا کہ کہاں کی علت سر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دیگا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ نہیں

ل اصلاح کی آسانی صہ۱ ۸ ۲ انفاس عیسیٰ صہ ۱۹۲، ۱۹۳

اس سے (مثلاً) دس گناہ کر اونگا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا گناہ تو توبہ سے معاف ہوجاویں گے اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی

(۴) توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے اسکے بعد جی بھر کر کے توبہ کرلے مگر اسکو جان جان کر یاد نہ کرے کہ اس سے بندہ اور خداتعالیٰ کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے جو محبت اور ترقی سے مانع ہے جسکا اثر یہ ہوگا کہ وہاں سے بھی عطا میں کمی ہوگی کیونکہ جزاء اور ثمرات کا ترتب عمل پر ہوتا ہے توبہ نصوح کے بعد اگر از خود پرانا گناہ یاد آجاوے تو پھر تجدید توبہ کر کے کام میں لگ جاوے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلو ہے۔

(۵) استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرہ و استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیئے یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کرلے ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں حدیث میں ہے وما انت اعلم بہ منی (اور اس گناہ سے بھی توبہ کرتا ہوں جسکو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور فرمایا واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جسکو میں جانتا ہوں اور اس گناہ سے بھی جسکو میں نہیں جانتا اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے اس میں سب گناہ آگئے گو گرچہ یاد نہ آئیں کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعۂ محبوب سے غافل ہونا ہے البتہ جو خود یاد آجاوے اس سے بالخصوص توبہ کرلیں خواہ مخواہ کرید کرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشغلہ مانع حضور ہے بس سب گناہوں سے اجمالاً مغفرت تک

لیں اور توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں کیونکہ مقصود بالذات خدا تعالیٰ کی یاد ہے نہ گناہوں کی یاد مقصود بالذات ہے نہ طاعت کی یاد گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے جب وہ حاصل ہے ثواب قصداً گناہ کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور خود بخود یاد آجائے تو پھر توبہ و استغفار کر لیں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے تو انا للہ پڑھ لیں کہ اس وقت انا للہ پڑھنے کا وہی ثواب ہوگا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا شیخ اکبر کا قول ہے کہ ذکر معصیت کو مقصود بالذات نہ بنائیں کیونکہ اس سے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں۔ اور یہ خیال خطرناک ہے۔

طریق تحصیل قرآن مجید و حدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں۔ ان کو یاد کرنا اور سوچنا۔ اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی۔ یہی توبہ ہے۔

دسویں فصل توحید کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الآیہ) — اللہ تعالیٰ ہی نے تمکو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الآیہ) — اور تم نہیں چاہتے ہو کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

واعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک لم ینفعوک الا بشیٔ — جان لو کہ اگر سب متفق ہو جائیں سب کہ تم کو کچھ نفع پہنچائیں ہرگز نفع نہ پہنچا سکیں گے مگر اس چیز کا

لہ السیر بالسیر صلہ ۲ہ تعلیم الدین صفحہ ۳ہ تعلیم الدین صلہ ۴ہ یہاں توحید سے مراد توحید افعالی ہے۔

ما کتبہ اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور اگر سب متفق ہو جائیں
یضروک بشیٔ لم یضروک الا بشیٔ کہ تمکو ضرر پہنچائیں ہرگز ضرر نہ پہنچائیں گے مگر اس چیز کا
قد کتبہ اللہ علیک رواہ احمد والترمذی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔

توحید کی حقیقت یہ یقین کر لینا کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا (توحید ہے) مزید تفصیل کیلئے فصل وحدۃ الوجود ملاحظہ ہو۔

طریق تحصیل مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کرنا اور سوچنا اس کا طریق تحصیل ہے۔

گیارھویں فصل۔ توکل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (الآیہ) اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کریں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت اور جب کچھ مانگو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو اور

فاستعن باللہ رواہ الترمذی واحمد جب مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہو۔

توکل کی حقیقت صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا (توکل ہے)[1] اسکی حقیقت وہی ہے جو توکیل کی ہے وکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اسکو دوسرے کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اسکے بتلانے کے موافق کرتا رہے پس توکل بھی یہی ہے کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کریں اور جو وہ بتائیں کرتے جائیں (یعنی شریعت کے اصول کو پیش نظر رکھکر

---

[1] تعلیم الدین ص ۶ ح ۲ وعظ تقوی ص ۱۲۸۳ء

ہر کام میں اسباب کے ماتحت کوشش کریں۔)

[ل] توکل کی دو قسمیں ہیں علماً و عملاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی و مدبر تحقیقی حق جل و علا شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے اسباب کو مثل حکما طبعیین و منکرین قدر کے مستقل بالتاثیر سمجھنا یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے۔

قسم دوم توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں۔ اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی نفع دینی حاصل ہو انکا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اگر وہ امر دین واجب ہے تو اس کے اسباب اختیار کرنا واجب ہے اور اگر مستحب ہے تو اسکے اسباب اختیار کرنا مستحب ہے اور یہ (ترک اسباب) شرعاً توکل نہیں اگر لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام۔ اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے۔ اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں یقینی ظنی وہمی۔ اسباب وہمیہ جنکو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں جسکو طول امل کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل واجب ہے اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہو جاوے جیسے کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا پانی پینے کے بعد پیاس کم ہو جانا اسکا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہو جاوے مگر بار بار نہ

[ل] التکشف صفحہ ۷۴۴

تخلف بھی ہوجاتا ہے جیسے علاج کے بعد صحت کا ہوجانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جسکو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں اسکے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کیلئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اسکے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ توکل علمی تو مطلقاً اور عملی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موہوم فرض بمعنی ترک اسباب دینیہ و بمعنی ترک اسباب دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام و مذموم و بمعنی ترک اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام۔ اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور اطاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس استدلال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آئے ہیں انمیں بھی تدابیر و اسباب کی صورت کو محفوظ رکھا گیا ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کا قصہ اس کا شاہد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا پھر اسمیں آپ نے لعاب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمیوں کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی اسی طرح صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔ یہ توکل اور تدبیر کے آداب ہیں ان کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنا چاہیئے۔

سلہ مجاہدات الدعامضا

طریق کار دینی خدمت سے بہتر کوئی کام نہیں البتہ ضروری بات ہے کہ توکل صرف اللہ تعالیٰ پر ہو لوگوں کے ہدایا و تحائف کیطرف نفس کا اشراف نہ ہو حدیث میں من غیر اشراف النفس کی قید آتی ہے ورنہ وہ توکل علی اللہ نہیں رہے گا بدون اشراف کے اگر توکل ہو تو محمود ہے اور جو توکل کے شرائط نہ ہوں تو تدبیر مسنون ہے بالجملہ افراط و تفریط دونوں سے برکنار رہے اور اعتدال اختیار کرے ؎

گر توکل میکنی در کار کن ۔ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

گفت پیغمبر باآواز بلند بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

دسویں اللہ تعالیٰ پر اعتقاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا جو وہ چاہیں گے وہی ہوگا تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں مگر شرط یہ ہے کہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔

طریق تحصیل اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا اس کی تحصیل کا طریق ہے۔

بارھویں فصل خشوع کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ الآیہ۔ وہ نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (مسلم) پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرہ سے اس کی طرف متوجہ رہے

[illegible]

حقیقت خشوع کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا خشوع ہے، خشوع لغۃً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جسکی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے اور جسطرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح تندرست ہے سو وہ اسپر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ ہونے دے وہ اسکا مکلف ہوگا اور جو کسی رنج میں مبتلا ہے غلبۂ درد کیوقت اس پر قادر نہیں جبتک درد اٹھے گا بے چین ہوکر پیچ و تاب کھائیگا اسلئے وہ اسدرجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہوگا۔ اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بقدر قدرت ہوگی مثلاً جو شخص تشویش کے تمام اسباب سے محفوظ ہو وہ حرکات فکریہ کے کلی انقطاع پر قادر ہے اسلئے وہ اسکا مکلف ہوگا اور جو تشویش کے اسباب میں مبتلا ہو وہ ایسی جمع خاطر پر قادر نہیں اسلئے وہ اسدرجہ کا مکلف بھی نہ ہوگا البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب ہو اسوقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے وہ زیادہ قابل اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ اگر صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے وہ یہ کہ اس قطع حرکت فکریہ کا طریق کیا ہے؟ کیونکہ یہ قطع براہ راست حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسکا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جائے جو وضع صلوٰۃ کے خلاف نہ ہو مثلاً ذات حق کی طرف برابر متوجہ رہے اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے

اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حسنہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں یا نماز میں جو اذکار و قرآت پڑھ رہا ہے انکی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا انکے معنی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا اس لئے یہ توجہ دوسرے خطرات کے آنے سے مانع ہو جاوے گی یہ ہے وہ طریق۔

اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے کسی کیلئے ایک تصور نافع ہے تو کسی کیلئے دوسرا تصور بعض اوقات صاحب معاملہ بوجہ عدم بصیرت و عدم تجربہ اپنے لئے ایک طریق اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اسکی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اس لئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اس لئے بالکل اسکا اہتمام چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس ماموربہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اسلئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کیلئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔

دوسری غلطی اس سے اشد ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اسکا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلاً نہ آنے پائے اور اسکے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتیٰ کہ نوبت کلال و ملال کی پیش آتی ہے جسکا نتیجہ وہی یاس کے بعد ترک کر دینا ہے سو اسلئے ترک کاوش کی ضرورت ہے بس سرسری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کے ساتھ کوئی دوسرا خطرہ آجائے وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کیجاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی

اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کیساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا یا بلا قصد سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے اگر فرضاً یہی تحقیق ہوجائے کہ قصداً آ گیا تو اب گذشتہ کا تو عدم ہو نہیں سکتا آئندہ کیلئے تدارک ہی کیا جائیگا سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جائے تو کیا ضرر ہے اور وہ تدارک بعد تنبہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت وارادہ جو کہ مترادف ہیں قصد اختیاری کے ہیں جو بدون اختیار کئے ہوئے مامور بہ کے کافی نہیں جیسے کوئی رکعت کرے عمداً نیت صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے ناکافی ہے

اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض اگرچہ اشیاء مختلفہ کی طرف ہو دوسری شئے واحد کیطرف اگرچہ بلا خوض ہو اب جس شخص کو آیات واذکار کے معانی بلا خوض کے ذہن میں آجاتے ہیں وہاں نہ خوض ہے نہ جس چیز میں فکر سے کام لیا جارہا ہے وہ شئے واحد ہے اسلئے توجہ کی کوئی قسم نہ پائی گئی پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی بخلاف اس شخص کے جسکو سوچنے سے معنی یاد آتے ہیں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی پس ایسے شخص کے لئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی شئے واحد کی طرف خواہ وہ شئے واحد کچھ ہو ذات حق ہو یا رویت حق للعبد یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور اور توجہ الی الحق یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے یعنی جس طریق سے بھی بے تکلف ذہن میں آجائے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

توجہ الی الشئے الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اور بیحد نافع بھی ثابت ہوا وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات صلوٰۃ وتلاوت واذکار بلکہ

لہ تصوف وسلوک صفحہ ۲۸

مباح افعال میں بھی اسکا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہونگے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری فعل نہ ہو کہ یہ پیشی کے قابل نہ ہو بس اتنا تصور کافی ہے۔ ابتداءً تو استحضار ضعیف ہوگا مگر ممارست (یعنی کوشش) کے بعد اس میں دوام ہو جائیگا۔

حدیث[1] شریف میں ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور نماز میں آپ کو کچھ خطرہ ہوا (الحدیث اخرجہ الترمذی) اس حدیث سے خشوع کا عدم اشتراط صاف معلوم ہو گیا (اور ان لوگوں کی غلطی کا بھی ازالہ ہو گیا کہ جو) لوگ کمال صلوٰۃ کے لئے خطرات کے نہ آنے کو شرط سمجھتے ہیں لیکن باختیار خود کسی لایعنی بات میں فکر و غور کرنا البتہ منافی کمال صلوٰۃ ہے غرض خطرات کا لانا تو اختیاری ہے اور خطرات کا آنا غیر اختیاری ہے اور امر اختیاری محل کمال ہوتا ہے اور غیر اختیاری کا نہ تو وجود محل کمال ہے اور نہ عدم مکمل صلوٰۃ ہے بلکہ عدم خطرہ ایک قسم کا استغراق ہے جو فی نفسہ حالت محمودہ ہے مگر مقصودہ نہیں بلکہ بعض اوقات خطرہ والی نماز بے خطرہ والی نماز سے افضل و اکمل ہوتی ہے کہ خطرات کو دفع اور قلب کو جمع کرنے میں مشقت لاحق ہوتی ہے۔

غرض[2] کمال توجہ کے منافی وہ وساوس خیالات ہیں جو اختیاری ہوں اب اگر وہ وساوس اختیاریہ مباحات کے درجہ میں ہیں تو ان سے گناہ تو نہ ہوگا۔ البتہ ذکر ناقص ہوگا۔ اور اگر تصورات محرمہ ہیں تو ان سے گناہ بھی ہوگا۔ چنانچہ نص میں وارد ہے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اس آیت سے معلوم ہوتا

[1] التکشف صفحہ [2] الرغبۃ المرغوبہ صفحہ ملخصاً

ہے کہ وساوس میں یہ بھی مواخذہ ہوگا لیکن حدیث سے تفسیر معلوم ہوئی کہ ارادو وساوس اختیاریہ ہیں جو درجہ عزم میں ہوں اور اس کے بعد لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا نے بالکل صاف کر دیا کہ وسعت سے زیادہ کی تکلیف نہیں اور وساوس اضطراری وسعت سے خارج ہیں پس وساوس غیر اختیاری سے بالکل مطمئن رہیں۔ کیونکہ شیطان ضابطہ سے کام کرتا ہے جن سے گناہ بلا واسطہ نہیں کرا سکتا۔ اور یہ اتقیاء ہیں انکو وہ عبادت کے وقت وساوس میں مبتلا کرتا اور اس طرح سے پریشان کرتا ہے تاکہ وساوس سے گھبرا کر یہ عبادت ترک کر دیں مگر جو محقق ہیں وہ اس سے نہیں گھبراتے۔ وہ تو وساوس آنیکے وقت کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن کی سب چالیں ختم ہو کر وسوسہ ہی پر رہ گئیں (بلکہ وہ گھبرانے کی بجائے) شیطان سے کہتے ہیں کہ آ جتنے وسوسے ڈال سکے ڈال دے ہمارا کچھ ضرر نہیں عام لوگ اسکے دفع کی کوشش کرتے ہیں مگر محققین فرماتے ہیں کہ دفع کے قصد سے بھی اسکی طرف توجہ نہ کریں بلکہ جب وسوسہ آئے اسوقت مقصود کی طرف توجہ کی تجدید کریں اور وسوسہ کے نہ احضار کا قصد کریں نہ دفع کا۔ کیونکہ دفع بدوں توجہ کئے ہوگا نہیں تو دفع وسوسہ، کا قصد کرنے سے اسکی طرف تو توجہ بڑھے گی گھٹے گی نہیں۔ پھر جب شیطان اسکو وسوسہ کیطرف متوجہ پائیگا تو اور زیادہ وسوسے ڈالے گا۔[1]

ضرورت خشوع

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا

کیا ایمان والوں کیلئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ

---

[1] تصوف و سلوک صفحہ ۲۳

يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ۔

ہو جائیں جن کو پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر زمانہ دراز گذر گیا پس ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور بہت سے ان میں نافرمان ہو گئے۔

یہاں ذکر اللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آگئیں اس خشوع کے نہ ہونے پر کیسی وعید ہے یہود و نصاریٰ ہی سے تشبیہ دیکر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ ہو جس سے ظاہر ہو کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے جس کے باعث آدمی کافروں سے مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا کہ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ (پس انکے دل سخت ہو گئے)، یہ قساوت قلبی ایسی بری چیز ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ :۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ۔ (الآیہ)

یعنی تباہی و ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل خدا تعالیٰ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

أَنَّ أَبْعَدَ شَيْءٍ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي۔

بے شک سب سے زیادہ دور اللہ تعالیٰ سے قساوت والا دل ہے۔

پس خشوع حاصل کرنے کی تاکید کرنا جیسا کہ آیت میں ہے اور اس کی ضد یعنی قساوت کی برائی کرنا جیسا کہ (قرآن اور) حدیث میں ہے اس کے ضروری اور واجب ہونے کیلئے کھلی دلیل ہے، پس ہر ایک کے لئے لازم ہے کہ وہ دل میں خشوع پیدا کرے

طریق کار اگر صفت خشوع موجود ہے تب تو اس کے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے۔ اور اگر یہ صفت موجود نہیں تو خود اس کے حاصل کرنے کیلئے

عالموں کو عمل کی ضرورت

(چار اسباب ہیں) ایک سبب تو یہ ہے کہ اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے وہ اسکے ظاہری آثار یہ ہیں (کہ) جب چلے گردن جھکا کر چلے بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے اپنی وضع میں زیبائش نہ ہو سادگی پیدا ہو اور آواز پست ہو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جائے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دل میں بٹھایا جائے اس خوف کو پیدا کرنے کے لئے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی مناسب وقت تجویز کر کے اسمیں تنہا بیٹھ کر اپنی نافرمانی کی حالت اور پھر خدا تعالیٰ کی نعمتیں سوچے کہ نافرمانی کے سبب کہیں یہ فوت نہ ہو جائیں اور عذاب آخرت اور قیامت کی ہولناک باتوں پلصراط میزان دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہو کیونکہ اسکو خوف کے پیدا ہونے میں بڑا دخل ہے اور پھر خوف سے خشوع پیدا ہوگا۔

چوتھا سبب خشوع کے پیدا ہونے کا یہ ہے (اور یہ کتابوں وغیرہ سے بھی فراغت کے بعد ضروری ہے) کہ اگر ظاہری علم کے حاصل کرنے میں تیس سال ختم کئے ہیں تو باطن کی درستی میں فی سال ایک مہینہ ہی خرچ کر دیجئے یعنی کم از کم دس مہینے ہی کسی کامل بزرگ کی صحبت میں خرچ کیجئے اور اس کے ارشاد کے مطابق عمل کیجئے خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اسکی برکت سے خشوع کی برکت عطا فرماتے ہیں۔

طریق خشوع فی الارادہ خشوع کے لئے عمل کی ابتداء میں توجہ کافی ہے ہر ہر لفظ پر ضروری نہیں مثلاً قرآن شریف کی تلاوت کریں تو پہلے یہ خیال کریں کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تلاوت کرتا ہوں یہ کافی ہے ہر ہر حرف پر

ا۔ الکلام الحسن ص۵۲

ایسی توجہ ضروری نہیں کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے مگر اسمیں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اسکی مضاد توجہ محقق نہ ہو اسوقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائیگا۔ جیسا انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کرلے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں بس اتنا کافی ہے ہر ہر قدم پہ یہ ارادہ ضروری نہیں ورنہ چلنا دشوار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ جو اس توجہ کے مضاد ہو پائی جاوے تو پھر پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔

طریق خشوع فی الاعمال

طبیعت کو مجبور کرنے سے اعمال مثلاً نماز میں خشوع حاصل ہوتا ہے پس انسان اسی کا مکلف ہے اور مجبور کرنا مجاہدہ ہے اور عمل مع المجاہدہ عند اللہ عمل بلا مجاہدہ سے افضل ہے جس کو مبتدی طلب کرتا ہے اگر غفلت سے ادھر ادھر کے پریشان خیالات توجہ دیوں پھر بہ تکلف نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور یہی مجاہدہ ہے اور خود آسانی مطلوب نہیں چنانچہ حدیث میں ہے۔

الذی یتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران — جو شخص پڑھنے میں رکتا ہے اور وہ اس پر دشوار بھی ہے تو اسکو دوہرا ثواب ہوگا۔

(یعنی ایک ثواب تو پڑھنے کا اور دوسرا محنت اور مجاہدہ کا)

تو اب[1] خشوع کا طریقہ سمجھیں کہ (پختہ) حافظوں کی طرح نہ پڑھا کریں بلکہ ایسے ناظرہ خواں یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ پہ مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں اور جو قول و فعل نماز میں عادۃً ہو

---

[1] انفاس عیسٰی صـ ۲۰۲ ، ایواء الیتامٰی صـ ۵۵ ، التکشف صـ ۱۱۲۲۲

وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہیئے محض مشق اور عادت سے نہ ہو مثلاً زبان سے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ
کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں پھر وَبِحَمْدِكَ کہا تو
اسی طرح اسکی طرف توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک پس اسطرح کرنے سے
برابر ساعاتِ نماز میں توجہ الی الطاعت رہی اور ایک طرف توجہ ہوتی ہے تو دوسری
طرف نہیں ہوتی پس لا محالہ اس سے غیر صلوٰۃ کی طرف توجہ نہ ہو گی پس حضور کامل
میسر ہو گا اور حضور کے لئے کفِ جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ
نگاہ خیالات منتشر ہوں گے۔

طریق تحصیل یہ تصور رکھیں کہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے ہوں اور اللہ تعالیٰ
مجھ کو دیکھ رہے ہیں، لقاءِ رب[1] اور رجوع الی اللہ کا استحضار
کریں اس طریقہ سے خشوع جلد حاصل ہو جائے گا

تیرھویں فصل۔ خوف کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاخْشَوْنِي (الآیۃ) اور مجھ سے ڈرو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ الا ان سلعۃ اللہ الجنۃ (رواہ الترمذی)

جو ڈرتا ہے رات ہی سے چلتا ہے اور جو رات سے چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے سُن لو اللہ تعالیٰ کا سودا گراں ہے آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کا سودا جنت ہے

---

[1] الصبر والصلوٰۃ صہ۳۲ [2] تعلیم الدین صہ۵۸

خوف کی حقیقت اور اس کے درجات

قلب کا دردناک ہونا ایسی چیز کے خیال میں جو ناگوارِ طبع ہو اور آئندہ واقع ہونیکا اندیشہ ہو اسکو خوف کہتے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے خوف[1] کی حقیقت احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے یہ تو شرطِ ایمان ہے اور اس کا نام "خوف عقلی" ہے اس میں ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت وعید اور عذاب خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے یہ درجہ فرض ہے اسکے فقدان سے کفر تو نہ ہوگا ہاں گناہ ہوگا اور ایک درجہ خوف کا یہ ہے کہ مراقبات و اشغال سے آیاتِ وعید اور عظمت وجلالِ حق کو ہر دم مستحضر اور پیشِ نظر رکھا جائے یہ درجہ مستحب ہے اور سب درجات مکتسب ہیں جو کسب سے حاصل ہو جاتے ہیں اور انکے آگے ایک درجہ اور ہے جو احتیاط[2] سے باہر ہے وہ یہ کہ آثارِ خوف اس قدر غالب ہو جائیں کہ اگر ان کو کم کرنا یا گھٹانا بھی چاہیں تو اختیار و قدرت سے باہر ہو یہ محض وہبی ہے جو درجاتِ سابقہ مکتسبہ کے حاصل کرنے کے بعد محض عطائے حق سے بعض کو حاصل ہو جاتا ہے رجو اگرچہ محمود تو ہے مگر مقصود نہیں۔)

(ایک قسم خوف کی وہ ہے جس کے متعلق بعض واعظین کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر خدا کا خوف ہے حاکم کا ڈر ہے سانپ بچھو اور شیر کا ڈر ہے مگر خدا تعالیٰ کا

---

[1] اشرف المسائل ص۷۶-۷۷ [2] التبیہ الوعید ص۱۳ تا ۱۵ ملخصاً

ایسا خوف نہیں ہے یہ اُنکی غلطی ہے کیونکہ ان سیا کا خوف طبعی ہے اور خدا تعالےٰ سے خوف طبعی ہونا ضروری نہیں بلکہ عقلی خوف ہونا چاہیئے اور خوف عقلی کا حاصل یہ ہے کہ احتمال کے درجہ میں یہ خیال ہو کہ شاید مجھے سزا ہو یہ ایسا خوف ہے کہ اسکے ساتھ رجا بھی ہے کیونکہ اسکو یہ بھی احتمال ہوگا کہ شاید بدون سزا ہی کے مغفرت ہو جائے اور ایمان اسی کا نام ہے کہ خوف بھی ہو اور رجا بھی ہو۔

حق تعالیٰ نے انبیأ علیہم السلام کی بابت فرمایا ہے۔ یَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اژدہا سے ڈر گئے تھے تو وہ خوف طبعی تھا اور نص میں خوف عقلی مراد ہے اور خوف عقلی انبیاء علیہم السّلام کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی چیز ضرر نہیں دے سکتی وہ ضار و نافع حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو تربیت میں مختلف لوگوں کے غلبہ خوف و بکا کو دیکھ کر افسوس کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسے ایسے حالات نہیں ہوتے رونا نہیں آتا تو وہ سن لیں کہ یہ طبعی گریہ ہے جو بعض کو پیش آتا ہے اور یہ مطلوب نہیں مطلوب عقلی گریہ ہے اور وہ تم کو بھی حاصل ہے کیونکہ نہ رونے پر افسوس ہونا یہ خود گریہ ہے۔

خوف مطلوب اور اس کی ضرورت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دُعا میں ارشاد فرماتے ہیں :-

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَشْیَتِكَ مَا — اے اللہ ہم آپ کے خوف میں سے اس قدر مانگتے ہیں کہ

تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ — اس سے آپ ہم میں اور معصیت میں حائل ہو جائیں۔

تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کیلئے مطلوب ہے بالذات مطلوب نہیں ورنہ خَشْیَتِكَ (تیرا خوف) مطلق فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد بیان فرمادی کہ اسقدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجا نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے۔

خوف کا ایک درجہ یہ ہے کہ محض خوف کا غلبہ ہو تو غلبہ خوف سے تعطل ہو جاتا ہے اور تعطل سے ترقی نہیں ہوتی اور مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا جیسے بعض بچہ امتحان کے وقت غلبہ خوف سے سب پڑھا پڑھایا یاد کیا ہوا بھول جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک درجہ خوف کا یہ ہے جس سے سارے مصالح فوت ہو جائیں محض خوف ہی خوف باقی رہ جائے یہ درجہ مطلوب نہیں اور ایک درجہ خوف کا وہ ہے جس کے ساتھ دوسرے مصالح بھی باقی رہیں مگر وہ سب تابع ہوں اور خوف سب پر غالب ہے یہ مطلوب اور محمود ہے۔

حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت رحمت علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس سے ہر شئے

لہ وعظ میرٹھ ص گلدستہ دوام تعلقات ص ۱۳۵ تبلیغ دین ص ۹۲

ڈرنے لگتی ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی بندہ کو دو خوف نصیب نہ ہونگے یعنی جو بندہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں نڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی بجز اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو دیکھنے سے رک گئی اور وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پہرہ دیا اور وہ آنکھ جس میں خوف الٰہی کیوجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا نیز مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اسپر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائیگا کہ آگ میں سے اس شخص کو نکالدو جو کسی مقام پر مجھ سے ڈرا ہے۔

بالغرض، خشیت مومن کے لئے لازم ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو مآل میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہوجائے دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہوگئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہوسکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے۔

ڈاکو[1] سزا کے خوف سے ڈاکہ نہیں ڈالتا بچہ پٹنے کے خوف سے شرارت سے رکتا ہے جرمانہ کے خوف سے لوگ جرائم سے باز رہتے ہیں آدمی سبکی کے خوف سے محفل میں تہذیب سے بیٹھتا ہے خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن نہیں ہوتا۔ گویا کہ، خوف جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے اور خوف ہی جملہ طاعات کا ذریعہ ہے

---

[1] کمالات اشرفیہ و ۱۳۳ ۲۳۲ سے وعظ میرٹھ وعظ

طریق کار | اس کا طریق مراقبہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ دیر میں سویا کریں اور بیٹھ کر یا لیٹ کر یاد کیا کریں کہ آج کیا کیا گناہ کئے فہرست گناہ تیار کریں پھر دل میں خیال جمائیں کہ گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا زمین تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پہ ہے دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا جب یہ حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کریں گے کہ بیشک خطا وار ہیں کہیں ٹھکانہ نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا اسی کو استغفار کہتے ہیں رات کو یہ کریں اور صبح اٹھ کر یاد رکھیں کہ فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی غرض یہ تدبیر ایسی ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

طریق تحصیل | اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرنا اور سوچنا طریق تحصیل ہے۔

چودھویں فصل۔ دُعا کا بیان۔!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرونگا جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر۔

لہ (۷) [illegible]

فَادْخِلِیْنَ ۔ الآیۃ — جہنم میں داخل ہوں گے۔

اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الدعاء مخ العبادۃ (الحدیث) — دعا عبادت کا مغز ہے۔

دعا کی حقیقت اس کی حقیقت نیازمندی ہے، یعنی اپنی حاجت اور احتیاج کو پیش کرنا کہ اللہ ہمیں یہ دیدے، آیت و حدیث دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا عین عبادت ہے خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کیلئے نہ ہو خواہ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا تعالی سے مانگا کرو اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کیلئے ہوں تو عبادت نہیں رہتیں مگر دعا ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر دنیا کے لئے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے مثلاً مال مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق بنے گا حدیث شریف میں ہے:۔

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ کہ جو شخص اللہ تعالی سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالے غصہ کرتے ہیں (اور یہی آیت بالا سے بھی مفہوم ہوتا ہے نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو بندہ مانگتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں۔)

ہر تدبیر میں انسان اپنے جیسے عاجز کے سامنے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے خواہ قالاً یا حالاً اور دعا میں ایسے سے مانگتا ہے جو سب سے زیادہ کامل القدرۃ ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور عقل بھی یہی کہے گی کہ جو سب سے زیادہ قادر تر ہے اور اسی سے مانگنا اکمل و انفع ہے پس یقیناً یہ تدبیر (دعا)، ہر تدبیر سے بڑھ کر ہے کیونکہ ہر تدبیر بھی حق تعالی کی مشیت اور ارادہ ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے تو جو شخص

حق تعالیٰ سے مانگے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

دعا صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ عام خیال ہے کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج ہوتا ہے وہاں مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے بلکہ امور غیر اختیاریہ میں بھی دعا کی سخت ضرورت ہے اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے یہ اسباب و علامات محض عباد کی تسلی و دیگر حکمتوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں ؎

این سببہا بر نظر پردہا ست در حقیقت فاعل ہر شے خدا ست[1]

ضرورت دعا

کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو صلاح و فلاح کی ضرورت نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح و فلاح کیواسطے اسباب والواب موضوع فرما دیئے کہ اہل حاجت ان سے مدد لیں اور عقبات و مہالک سے نجات پائیں ان اسباب میں سے بجز دعا کے جتنے اسباب ہیں انکے مسببات خاص خاص امور ہیں چنانچہ اسباب طبعیہ کا مثل زراعت و تجارت و طبابت کے، اصلی مقصود فلاح دنیوی بنایا گیا ہے گو بواسطہ معین دین بھی ہو اور اسباب شرعیہ کا مثل صوم و صلوٰۃ و حج کے، مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا ہے گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو مگر صرف دعا ایک ایسی چیز ہے کہ فلاح دین و فلاح دنیا دونوں کیلئے بالمساوات ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے جس سے بوجہ اس جامعیت کے اسکی وقعت و عظمت ظاہر ہے اسلئے قرآن مجید و حدیث میں نہایت درجہ کی ترغیب و فضیلت و تاکید جابجا وارد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو دعا کی توفیق ہو گئی اس کے لئے قبولیت کے دروازے

---

[1] مہمات الدعا ص ۲۲۳ [2] دیباچہ مناجات مقبول طبع دیوبند

کھل گئے ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھل گئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو صرف دعا ہٹا دیتی ہے احتیاط و تدبیر سے نہیں ٹلتی اور دعا نازل شدہ بلا سے بھی نافع ہے اور اس بلا سے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور کبھی بلا نازل ہوتی ہے ادھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرتا رہے اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمالیا کریں اسکو چاہیئے کہ خوشی اور عیش کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔

اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نور ہے۔

دعا میں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیر ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔

دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے جسوقت آدمی دعا کرتا ہے اسوقت غور کر کے ہر شخص دیکھ لے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اسی خاص تعلق محسوس ہوگا بغیر اسکے خاص تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف ہوائی ہوتا ہے۔

دعا میں ایک نفع یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں معذور سمجھا جائیگا کیونکہ جب اس سے سوال ہوگا کہ تم نے حق کا اتباع کیوں نہیں کیا تو یہ کہہ دیگا کہ میں نے طلب حق کیلئے بہت سعی کی اور اللہ تعالیٰ تو ایک ہی تھے میں نے

ان سے بھی عرض کر دیا تھا کہ مجھ پہ حق واضح ہو جاوے
بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔

قبولیت دعا اور اس کا طریق کار

احادیث شریف میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور عقلاً بھی یہ سب سے بڑی چیز ہے اور یہ ہر تدبیر سے بڑھ کر تدبیر ہے بلکہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے بڑھ کر ہے اس کو تقدیر سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے سب تدبیریں کرتے ہیں مگر دعا نہیں کرتے بجز اس کے کہ دو تین دعائیں یاد کر لی ہیں نماز کے بعد آموختہ کے طور پر ان کو پڑھ کے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں (نہ خشوع ہے نہ خضوع) یہ تو عملی غلطی ہے اور دوسری علمی غلطی یہ ہے کہ دعا کے قبول نہ ہونے سے شیطان یہ دھوکہ دیتا ہے کہ یہ تدبیر تو سب تدبیروں سے کمتر ہے دیکھو اتنا عرصہ دعا کرتے ہو گیا قبول ہی نہ ہوئی مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعا میں لگ جائے اور پھر عطا نہ ہو خواہ سر دست اس کو دیدیں یا آخرت کے لئے جمع کر دیں اس سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں کبھی تو وہی مل جاتا ہے جو مانگا تھا اور کبھی اس سے افضل چیز عطا ہوتی ہے اور کبھی دنیا میں کچھ عطا نہیں ہوتی بلکہ اس کا اجر آخرت میں جمع کر کے اس کو دیا جائے گا اس وقت

لہ مجات الدعا صـ۲۳ ـ۲ الافاضات صـ۳۳ ـ۳ دیباجہ مناجات مقبول مطبوعہ دیوبند ـ۴ انفاس عیسیٰ صـ۱۷۰

ثواب کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہماری سب دعائیں آخرت ہی میں ذخیرہ رہتیں دنیا میں ایک بھی نہ ملتی پس یقین کر لینا چاہیئے کہ ہماری سب دعائیں بالمعنی الاعم قبول ہی ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں پس اس بات کو بھی وہی خوب جانتے ہیں کہ یہ نعمت ہو بہو جس کی تم درخواست کر رہے ہو تمہارے مناسب ہے یا نہیں اور مناسب ہے تو کس وقت اور کس حالت میں مناسب ہے جیسے اگر کوئی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے تو اصل منظور ہی تو علاج کا شروع کر دینا ہے گو مسہل نہ دے اور دوسری مسہل دینا ہے اسمیں یہ شرط ہے کہ مصلحت بھی سمجھے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کہ ہم ہر دعا کرنیوالے کی درخواست کو لے لیتے ہیں اور اسپر توجہ کرتے ہیں بے توجہی نہیں کی جاتی تو جب درخواست لے لی ہے تو اگر اسکا پورا کرنا ہماری مصلحت کیخلاف نہ ہوا تو ضرور پوری ہو گی ورنہ اسکی جگہ کچھ اور مل جائیگا سو یہ تعین کامیابی ہے پس اجابت جسکا وعدہ ہے اسکے معنی درخواست کا لے لینا اور اس پر توجہ کرنا ہے یہ اجابت یقینی ہے اسمیں کبھی تخلف نہیں ہوتا آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے اس کا وعدہ نہیں (اگرچہ ممکن ہے)

احادیث معتبرہ میں دعا کے لئے مفصلہ ذیل آداب کی تعلیم فرمائی گئی ہے انکو ملحوظ رکھ کر دعا کرنا بلاشبہ کلید کامیابی ہے اور جنکی رعایت کے بعد دعا مقبول نہ ہونا عادۃ اللہ کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی وقت ان تمام یا بعض آداب کو جمع نہ کر سکے تو یہ نہیں چاہیئے کہ دعا ہی کو چھوڑ دے بلکہ دعا ہر حال میں مفید ہی مفید ہے اور ہر حال میں حق تعالیٰ سے قبول کی امید ہے۔

۱؎ الاصابہ ص۱۱۲ ملخصاً ۲؎ احکام الدعا منسلکہ مناجات مقبول مطبوعہ دیوبند

وضو کرنا قبلہ رخ ہونا دوزانو بیٹھنا دعا کیلئے دونوں ہاتھ پھیلانا اخلاص اور آداب و تواضع کیساتھ دعا کرنا دعا کی اول آخر حمد و ثنا اور درود شریف پڑھنا۔ حرام مال سے بچنا اپنی محتاجی اور عاجزی کو ذکر کرنا دعا کے وقت انبیا علیہم السلام اور دوسرے مقبول بندوں کے ساتھ توسل کرنا یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما۔ ان دعاؤں کے ساتھ دعا کرنا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں رغبت و شوق اور عزم کے ساتھ دعا کرنا یعنی یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو میرا کام پورا کردے بلکہ قبول دعا کی امید قوی رکھے۔ کسی ناجائز چیز، گناہ اور محال چیز کی دعا نہ کرے۔ اپنی سب حاجات صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور مخلوق پر بھروسہ نہ کرے۔ دعا کے آخر میں آمین کہہ کر دونوں ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیرے مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی تھی اب تک قبول کیوں نہیں ہوتی۔

اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت فرمائی ہے کہ نہ دعا کے بھروسہ اسباب کو چھوڑدے اور نہ اسباب میں ایسا منہمک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے معمولی چیز بھی خدا ہی سے مانگیں اور یہ نہ سمجھیں کہ چھوٹی چیز مانگنے سے حق تعالےٰ ناخوش ہونگے کیونکہ حق تعالےٰ کے نزدیک ہر بڑی چیز چھوٹی ہی ہے ان کے نزدیک عرش اور نمک کی ڈلی برابر ہے۔

دعا میں گر دل نہ لگتا ہو تو اس طرح سمجھاویں کہ دنیا میں نفع موہوم پر بھی ہمت سے کام لیتے ہیں گو آخر میں خسارہ ہی ہوجاوے اور خسارہ کا خطرہ بھی

ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ میں احتمال ہے اور دعا میں تو خسارہ کا احتمال ہی نہیں پھر اس میں کوتاہی کیوں کی جاتی ہے۔

طریق تحصیل اپنی احتیاجوں اور اللہ تعالیٰ کی عنایات کو سوچنا اور اس پر غور کرنا طریق تحصیل ہے۔

پندرھویں فصل رجا کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الآیہ) — اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لو یعلم الکافر ما عند اللہ من الرحمۃ ما قنط من جنتہ احد (متفق علیہ) — اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔

رجا کی حقیقت محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا رجا ہے، سو جو شخص رحمت و جنت کا منتظر رہے اور اسکے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح و توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے اسکو مقام رجا حاصل نہیں، وہ دھوکے میں ہے جیسے کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا منتظر رہے صرف ہوس خام ہے

رجا کے درجات[1] جیسے خوف کی حقیقت اور درجات ہیں اسکے متعلق ہیں، رجا کے بھی درجات ہیں ایک شرط ایمان بمعنی احتمال نجات

[1] تعلیم الدین صفحہ ۱۵۲ اشرف

اور ایک درجہ فرض ہے اور ایک درجہ مستحب ہے ایک درجہ جامیں کبھی السیلہ ہے جو اختیار سے خارج ہے مکتسب نہیں بلکہ محض وہب سے عطا ہوتا ہے رجہ مطلوب نہیں تفصیل کے لئے خوف کی حقیقت ملاحظہ ہو)

طریق تحصیل اللہ تعالیٰ[1] کی وسعت رحمت اور عنایت کو یاد کرتے رہنا اور سوچتے رہنا طریق تحصیل ہے۔

سولھویں فصل رضا کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ[2] (الآیہ) — اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من سعادۃ ابن آدم رضاہ بما قضی اللہ لہ (رواہ الترمذی واحمد) — آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اسپر جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہو۔

رضا کی حقیقت رضا کی حقیقت ترک الاعتراض علی القضاء (یعنی) قضا پر اعتراض نہ کرنا ہے نہ زبان سے نہ دل سے بعض اوقات اس کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی ہے پس اگر الم کا احساس[3] ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔

قضا پر راضی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہوگی چونکہ عقل نے اسکے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لئے

---

[1] تعلیم الدین صـ۷۵ [2] تعلیم الدین صـ۷۵ وانفاس عیسیٰ صـ۳۲۲ [3] تبلیغ دین صـ۲۰۱

طبیعت اس تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے یا آپریشن کرانے، یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا، آپریشن کرانا، اور فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتلانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر و رحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہوگا جسکے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہو تو وہ ضرور مسرور اور شاداں ہوگا۔

جسوقت[1] مولائے حقیقی سے جو عطا ہوتا ہے اسوقت کے وہی مناسب ہوتا ہے اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہیئے جب اللہ تعالیٰ (لبظاہر) ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کونسی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اسکو معلوم ہوگا کہ میرے لئے مناسب یہی حالت ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو رکھا ہے (البتہ[2]) دعا کرنا خلاف رضا نہیں اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کیلئے دعا کرتے ہیں اسواسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جاوے بلکہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو (قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگدل نہیں ہوتے یہی رضا

---

[1] کمالات اشرفیہ ص ۲۱۱، ۲۱۳ [2] انفاس عیسیٰ ص ۲۲۳

کی علامت ہے دُعا کی حقیقت دُعا کے بیان میں ملاحظہ ہو اور اگر اس موقع پر صبر کا بیان بھی دیکھ لیا جاوے تو مفید ہو گا۔)

طریق تحصیل یہ آثار محبت میں سے ہے اس کی تحصیل کا جُداگانہ طریق نہیں رسو حصول محبت کے ساتھ ہی رضا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔)

سترھویں فصل زہد کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا — تاکہ فوت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو تم کو دیا ہے

تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ (الآیہ) — اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اول صلاح هذه الامة اليقين والزهد — اول بہتری اس امت کی یقین اور زہد ہے اور

واول فسادها البخل والامل رواه — اول بگاڑ اس امت کا بخل اور طول امل

البيهقى فى شعب الايمان) ہے

زہد کی حقیقت کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا[1] ہے

حضرت[2] ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زہد فی الدنیا یہ نہیں ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لیا جاوے اور نہ یہ کہ مال کو اڑا دیا جاوے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر اپنا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو کہ جو تمہارے قبضہ میں ہے۔

---

[1] تعلیم الدین صـ۷ [2] ص۹ [3] التکشف صـ۳۶

اور نیز زہد یہ ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو تم کو اسکے ثواب کی زیادہ رغبت ہو بہ نسبت اس کے کہ مصیبت باقی رہے (ترمذی شریف)

اس حدیث میں زہد کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق میں سے ہونیکے سبب علامات میں سے بھی ہے اور اس میں بڑی غلطی رفع کر دی ہے اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذات مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے انکو حرام سمجھتا ہو اور اسکے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے گو غیر مصرف ہی میں سہی اور جو بلا و مصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو بس انکے نزدیک بزرگی کی شرط یہی ہے اس حدیث میں بتلا دیا گیا ہے کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ اپنے مقبوض سے زیادہ حق تعالیٰ اعتماد ہونا اور مصیبت گو خود مرغوب فیہ نہ ہو مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ ثواب کا سبب ہے اور آیت سے استدلال ظاہر ہے۔

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر و پائیدار ہے جسوقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلہ میں پھٹے پرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

تبلیغ دین ص۲۸۱

زہد کے کئی درجے ہیں ایک تو یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر جبر بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے اس حالت کو زہد کہنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اسکی طرف مائل ہی نہ ہو اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے پس اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نفس نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے۔

(حاصل کلام یہ ہے کہ) زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کیلئے کافی ہے یعنی لذات میں اہتمام نہ ہو نفیس نفیس کھانوں، کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کچھ لذات میسر ہو جائیں تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیے نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

(حقیقت یہ ہے کہ) جسکی نظر اللہ تعالیٰ اور ما عند اللہ پر ہے اسکی نظر سونا، چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کیلئے دنیا کو پسند نہیں کیا (لہذا) مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے متاع دنیا ہے سب سے امید قطع کر دیجائے جو شخص ایسا کریگا اس کا قلب راحت میں ہوگا کیونکہ زہد قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتا ہے۔

طریق تحصیل (دنیا کے عیوب و مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرنا اور سوچنا طریق تحصیل ہے۔)

ا کمالات اشرفیہ ص[illegible] ۲ انفاس عیسیٰ ص[illegible] ۳ حب دنیا کا بیان ملاحظہ ہو ص[illegible] تعلیم الدین ص[illegible]

اٹھارھویں فصل۔ شکر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لہ وَاشْكُرُوا لِي الآیہ۔　　اور میرا شکر کرو

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَكَرَ رواہ مسلم　　اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا۔

شکر کی حقیقت | نعمت کو منعم حقیقی کیطرف سے سمجھنا اور اس سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں ایک منعم سے خوش ہونا اور دوسری اسکی خدمت گذاری اور امتثال اوامر میں سرگرمی کرنا (یعنی) جو حالت طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو اس حالت کو دل سے خدا تعالےٰ کی نعمت سمجھنا اور اسپر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اسکو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا جوارح یعنی اعضاء وغیرہ سے گناہوں میں استعمال نہ کرنا (بلکہ اس نعمت کو اسکی رضامندی میں استعمال کرنا شکر ہے) اور یہ اسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیز کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اسکا شکر یہ ہے کہ اسکو اللہ تعالےٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کے کتابیں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کو اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے اور دیگر ممنوعات سے روک رکھے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اور [illegible] شکریہ ہے کہ اسکو ذکر الٰہی اور ان

لہ تعلیم الدین صفحہ ۲ لہ اعمال قلبی صفحہ ۲ لہ تبلیغ دین صفحہ ۱

باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور جو لغو اور فضول کلام سننے سے روکے زبان کو یاد خدا حمد و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پائے کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکلنی جو کچھ نہیں کر سکتا بالکل فضول و معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ یہ زبانی الحمد للہ کہنا محض درجۂ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جسمیں مغز ہی نہیں یعنی محض الفاظ شکر ہیں معنی شکر نہیں اور جب معنی شکر نہیں جیسے کوئی بادام خریدے اور اسمیں مغز نہ نکلے صرف چھلکا ہو تو بادام نہ کہیں گے اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست اور صورت ہے پس شکر کی روح یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اسکی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اسکا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو یعنی تمام اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق، اور معاشرت وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں

شکر کا محل نعمت ہے اور نعمت کی حقیقت یہ ہے اَلنِّعْمَۃُ حَالَۃٌ مُلَائِمَۃٌ لِلنَّفْسِ۔

(نعمت وہ حالت ہے جو کہ نفس کے لئے خوشگوار ہو) حالات جو اسکی مرضی کے موافق ہوں موقع یہ ہیں کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے اتراوے نہیں اپنا کمال نہ سمجھے غافل اور ناسی (بھول نے والا) نہ ہو اور نعمت میں مشغول ہو کر رب نعمت کو نہ بھولے بلکہ یہ نعمت اسکے لئے زیادہ موجب تذکر ہو جاوے یہ نعمت عام ہے خواہ کھانا ہو یا پانی ہو یا کوئی کپڑا ہو یا یہ کہ کوئی ناگوار حالت نہ ہو۔

حالات کی دو قسمیں ہیں گوارا و ناگوار پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

لہ شکر ص ۳۰، ۱۱، ۱۲ الحمد بالعسر

اختیاری و غیر اختیاری یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے جن میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا حقوق ہیں اور مومن اگر ان کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کو نعم البدل ملتا ہے اس لئے مومن کسی حالت میں نقصان میں نہیں بلکہ ہر حالت میں نفع میں ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے:-

ان اصابتہ سراء شکر وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیراً لہ

اگر اس کو راحت پہنچتی ہے شکر کرتا ہے اگر تکلیف پہنچتی ہے صبر کرتا ہے پس اس کے لئے بہتر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکر میں بھی اجر ہے اور صبر میں بھی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امور غیر اختیاریہ میں جو اجر ہے وہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو اختیاراً اس وقت مومن سے صادر ہوتے ہیں یعنی راحت میں شکر کرنا اور وہ ایک عمل ہے جو اس نے حق تعالیٰ کی حضور میں پیش کیا ہے اسکے عوض اجر ملتا ہے اور مصیبت میں صبر کرنا بھی ایک عمل ہے جس پر اجر ملتا ہے پس دونوں صورتوں میں نعم البدل اسی عمل پر ملا جو اختیاری ہے پس جس طرح اعیان کے اعطاء و اخذ کے عوض میں انسان کے اوپر کچھ حقوق ہیں یعنی شکر و صبر مثلاً حق تعالیٰ بندہ کو نعمت مال عطا فرمائیں یا نعمت اولاد دیا کوئی دوسری نعمت، تو اس کے عوض میں اس کے اوپر شکر واجب ہے یا اس سے مال و اولاد کو لے لیں تو اس پر صبر واجب ہے اسی طرح اعراض و اعمال پر بھی یہ حقوق ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ کی توفیق عطا فرمائیں یا ذکر میں انوار و علوم عطا فرمائیں تو اس پر شکر لازم ہے اور اگر ذکر میں انوار و کیفیات سلب ہو جائیں تو اس پر صبر لازم ہے اور یہاں خود اعمال پر بھی اجر ملتا ہے اور ان کا شکر ادا کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

فَاذْتَاذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر (میری نعمتوں کا) تم شکر کروگے تو تم کو (خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور) زیادہ نعمت دونگا اور اگر تم (ان نعمتوں کی) ناشکری کروگے تو یہ سمجھ رکھو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے (یعنی ناشکری میں اسکا احتمال ہے) کہ اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا فرمادیں لہذا لازم ہے کہ ہم ہر حال میں شکرگذار رہیں نیز اسلئے بھی کہ شکر سے محبت پیدا ہوگی اور محبت سے قرب حق کا تقاضا ہوگا (جو کہ مقصود اصلی ہے)

طریق تحصیل | حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا (اس سے رفتہ رفتہ حق تعالیٰ کی محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہوجائے گا۔

انیسویں فصل شوق کا بیان

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ (الآیۃ) [1]

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدت (یعنی موت) تو آنے والی ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اسئلک النظر الی وجھک والشوق الی لقائک (رواہ النسائی)

تجھ سے تیرے وجہ مبارک کی نیاز اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔

حقیقت شوق | جس محبوب چیز کا من وجہ علم اور من وجہ علم نہ ہو اس کو بکمالہ

---

[1] الکمال الحمدہ صلا تک تعلیم الدین کو تعلیم الدین صلا

جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا شوق کہلاتا ہے، ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں اُنس کا رنگ غالب ہوتا ہے اسوقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی تھیں مثلاً بات بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ مگر لوگ انہی آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور اُنس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہوجاتی ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضائے طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہوجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی ایک حد بیان فرمائی ہے اسلئے شوقاً الی لقائک من غیر ضرّاء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ (یعنی یا اللہ تعالیٰ میں بے آپکی ملاقات کا شوق بغیر کسی تنگی میں پڑنے کے جو نقصان دینوالی ہو اور بغیر کسی گمراہ کن آزمائش میں مبتلا ہونے کے طلب کرتا ہوں) چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مضرت کی نوبت پہنچاتا ہے جس سے اعمال میں خلل پڑتا ہے اور اصل مقصود اور ذریعہ قرب اعمال اور امتثال اوامر ہی ہے اور کبھی غلبہ شوق میں ادب کی حد سے گذرجاتا ہے اور سخنان بے ادب جیسے اکثر عشاق غلبہ حالت میں کہتے ہیں کہنے لگتا ہے اور یہ ذاتی موجب ضرر دین ہے گو غلبہ کی حالت میں عفو (یعنی معافی) ہو مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادب طاعت اور محبت کے جامع ہیں اس لئے (مذکورہ بالا) دعا فرماتے ہیں اس سے ضرر اوّل کی بھی نفی ہوگئی جو سبب انقطاع اعمال ہوجاوے اور ضرر ثانی کی بھی نفی ہوگئی جو بے ادبی کیطرف مقتضی ہوجائے۔

طریق تحصیل | محبت کا پیدا کرنا اس کی تحصیل کا طریق ہے، کیونکہ محبت کیلئے

شوق المبانی صفحہ ۹۶ ــ ۵ مقالات حکمت ص ــ ۶ تعلیم الدین ص ــ

شوق لازم ہے۔

بیسویں فصل۔ صبر کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (الآیہ) — اے ایمان والو! صبر کرو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عجبا لامر المؤمن ان امره كله خير وليس ذلك لاحد الا للمؤمن ان اصابته سراء شكر وان اصابته ضراء صبر فكان خيرا له (رواہ مسلم)

مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور کسی کو میسر نہیں مگر مومن ہی کو اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچی۔ صبر کیا پس اس کے لئے بہتر ہے۔

صبر کی حقیقت انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک دین پر ابھارتی ہے دوسری ہوائے نفسانی پر۔ تو محرک دینی کو محرک ہوی پر غالب کر دینا صبر ہے[1] اور اس کی حقیقت ہے حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تَكْرَهُ یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار امر خواہ کچھ ہو اب کہیں تو حبس کیساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اور کہیں محض حبس ہی حبس ہوتا ہے اور کچھ نہیں کرنا پڑتا تو اس عنوان سے ناگواری کے اقسام پر شرعاً صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی العمل (۲) صبر فی العمل (۳) صبر عن العمل۔ صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا مثلاً نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کیوقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا طاعات

---

(۱) تعلیم الدین ص ۶۳ (۲) الفکر ص ۳ (۳) الجمعین ص ۱۲ (۴) التکمال فی الحال ص ۲۷۰ [illegible]

بجالانیکے وقت انکے حقوق و آداب کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھادیا کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے اتنی دیر تک تجھکو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ان ممنوعہ باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان سے روکنا اور شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا اس کے علاوہ ہر ممنوع امر سے رکنے کو صبر ہی کہا جائیگا (مثلاً صبر عن الشہوات شہوت میں شہوت رجال و نساء و شہوت لباس و شہوت طعام و شہوت کلام وغیرہ) بھی داخل ہے اسی طرح تمام معاصی سے نفس کو روکنا یہ بھی صبر میں داخل ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ   وہ صبر کرنے والے ہیں باساء میں اور ضراء میں

وَحِيْنَ الْبَاسِ   اور باس کے وقت۔

باساء سے مراد فقر و تنگدستی حاصل یہ کہ فقر اور تنگدستی میں صبر کرے یعنی خدا تعالیٰ پر نظر رکھے مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے نہ ان سے توقع رکھے اس میں قناعت و توکل کی تعلیم ہو گئی اور ضراء سے مراد مطلق بیماری خواہ ظاہری ہو یا باطنی ظاہری بیماری میں صبر یہ ہے کہ لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھرے خدا تعالیٰ سے دل میں مکدر نہ ہو اسمیں تسلیم و رضا کی تعلیم ہو گئی اور باطنی بیماریوں میں صبر یہ ہے کہ امراض قلبیہ کے مقتضا پر عمل نہ کرے عمل سے ان کا مقابلہ کرے اور باس سے مراد مطلق شدت و پریشانی جو بھی لاحق ہو اسمیں مستقل مزاج رہے جسکا ایک فرد صبر عند الحرب بھی ہے کہ جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے یہیں اب صبر کا حاصل یہ ہوا کہ موجود مل

بن جائے جب مقام صبر کامل ہوجاتا ہے تو توحید بھی کامل ہوجاتی ہے پس یہ ایسا جامع خلق ہے کہ بہت سے اخلاق اسکے اندر داخل ہیں اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے الصبر نصف الایمان (یعنی صبر نصف ایمان ہے)، تو صبر فی نفسہ تمام اعمال شرعیہ کو عام ہے یعنی جسوقت جس عمل کا امر ہو اسپر ثابت قدم رہنا صبر ہے پس اگر کسی وقت معمولات کے ترک کا امر ہو تو اسوقت ترک معمولات ہی صبر ہوگا۔

حالات دو قسم کے ہیں نعمت اور مصیبت نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کیوجہ سے منعم کیساتھ محبت ہوجاتی ہے بخلاف مصیبت کے کہ اسمیں ناگواری ہوتی ہے اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں حالۃ غیر ملائمۃ للنفس۔ (مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو) اسکی دو قسمیں ہیں ایک صورت مصیبت اور ایک حقیقت مصیبت جس مصیبت سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کیوجہ سے ہے (اور حقیقت میں مصیبت ہے) اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو تسلیم و رضا زیادہ ہو وہ حقیقت میں مصیبت نہیں گو صورت اسکی ہو عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے مگر انکا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا کیونکہ اسمیں انکی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور ان حکمتوں پر بھی جو حق تعالیٰ نے مصائب میں رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو کانٹا لگتا ہے وہ بھی اسکے لئے حسنہ ہے ایکدفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ گل ہوگیا آپنے انا للہ پڑھا حضرت عائشہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے فرمایا ہاں جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو

وہ

---

۱ الجمعین ص۲۶ ۲ ماعلیہ الصبر ص۶ ۳ الصبر بالصبر ص۳۳ ۴ الشکر ص۷ ۵ اکبر الاعمال ص۱۲ ۶ الصبر بالصبر ص۳۳ ۔

وہ مصیبت ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔

مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری ہوتی ہے عبادت کے اندر بھی ہوتی ہے پس صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہوا مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ جزع فزع نہ کرنا اور عبادت میں صبر یہ ہے کہ باوجود ناگواری کے نفس کو اس پر جمانا اور ناگواری کی پرواہ نہ کرنا چنانچہ دونوں کی نسبت ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا (الآیۃ) اے ایمان والو! خود صبر کرو مقابلہ میں صبر کرو۔ اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو:

"اصبروا" تو مصائب میں صبر کرنا اور "صابروا" دوسروں کو صبر کی تعلیم دینا اور "رابطوا" عبادت کے اندر جمارہنا چنانچہ رباط کی تفسیر حدیث میں یہ آئی ہے کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری کے انتظار میں بیٹھے رہنا اور یہی مفہوم صبر کا بھی ہے کہ مصیبت میں اس کا نام صبر ہوا اور عبادت میں اسی کو رباط سے تعبیر فرمایا اور صرف عبادت کے متعلق ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (الآیۃ) اے ایمان والو! صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو۔

یہاں دونوں (صبر اور نماز) کا جمع کر کے بیان کرنا قرینہ اس کا ہے کہ صبر و صلوٰۃ کا مجموعہ ایک ہی چیز ہے یعنی صبر علی الصلوٰۃ (نماز پر صبر کرنا)، اور یہ اسی قید سے محکوم علیہ ہے "لکبیرۃ" کا ورنہ خالی صلوٰۃ میں کوئی گرانی نہیں اور اس مضمون پر حدیث اسباغ الوضوء علی المکارہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

لہ الشکر ج ۱ ص ۱۱ ۔

ایمان کی علامت وضو کو باوجود ناگواریوں کے کامل کرنا دال ہے یعنی جاڑے کے دن میں سردی ہو رہی ہے جی نہیں چاہتا مگر اس حالت میں بھی وضو کو پورا پورا کیا حدیث شریف میں "مکارہ" کا لفظ ہے جس سے ناگواری کا عموم صاف معلوم ہوتا ہے۔

(اب یہ سوال رہ گیا کہ صبر پر جو وعدہ ثواب کا ہے وہ کس صورت میں ہے یعنی کوئی شخص کسی سے انتقام لینے یا تکلیف کے دور کرنے پر قادر رہے اور نہ کرے بلکہ صبر کرے تب اجر ملے گا یا اگر قادر ہی نہ ہو پھر صبر کرے اس پر اجر ملیگا ؟

(جواب یہ ہے کہ بے صبری کی متعدد صورتیں ہیں (۱) انتقام بالمثل لینا اس کا ترک کرنا صبر ہے یہ قدرت کے ساتھ مشروط ہے (۲) زبان سے برا بھلا کہنا سامنے یا پس پشت بد دعا دینا اور اس پر غیر قادر علی الانتقام بھی قدرت رکھتا ہے اس کیلئے اس کا ترک صبر ہے اسی طرح اہل میت گو مدافعت پر قادر نہیں لیکن نوحہ و شکایت پر تو قادر ہیں لہذا ان کے حق میں اس کا ارتکاب بے صبری اور اس سے رکنا صبر ہے اور جو کسی شغل پر بھی قادر نہ ہو جیسے مدھاکہ دیکھنے پر بالکل قادر نہیں لیکن تصور یا عزم بصورت ابصار یا تمنائے ابصار لا ابصار (یعنی کسی ناجائز امر کو دیکھنے کیلئے ارادہ کرنا کہ اگر نظر ہوتی تو دیکھتا یا دیکھنے کے لئے نظر کی خواہش کرنے) پر تو قادر ہے لہذا اسکی بے صبری یہی ہے اور اس کا ترک صبر ہے ان سب صورتوں میں ہر شخص کو اسکے مناسب صبر پہ اجر ملتا ہے۔

تفصیل بالا) تو اجر صبر میں ہے اور ایک اجر خود تکلیف پر بھی ہوتا ہے اس میں صبر کی قید نہیں اگر صبر کیا تو دو اجر ملیں گے ایک صبر کا دوسرے تکلیف کا اور اگر صبر نہ کیا تو تکلیف کا اجر ملیگا اور بے صبری کا گناہ ہوگا۔

لہ کمالات اشرفیہ صد ۹۵

ضرورتِ صبر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو طبیعت پر یعنی غم ہلکا کرنے کے بارہ میں صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس آیت میں صبر کی (ضرورت اور اس کی) فضیلت بیان ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے اسمیں دو باتوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے ایک یہ کہ معیت سے اعانت و مدد کی معیت مراد ہو یعنی تم صبر کر کے دیکھو دشوار نہ رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی اور انکی مدد کے بعد کوئی دشوار دشوار نہیں دوسرے یہ کہ معیت سے حالیہ مراد ہو پس مطلب یہ ہوگا کہ صبر کی دشواری کو اس مراقبہ سے آسان کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کیساتھ ہیں اس مراقبہ کے بعد صبر میں دشواری نہ رہیگی نیز فرمایا وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اس کا حاصل یہ ہے کہ نفس ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے کہ اسمیں ایمان بھی ہے یا نہیں اور مصیبت کے ذریعہ سے ایمان کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے یعنی مصیبت کے ذریعہ سے وساوس و معاصی کا میل دھو دیا جاتا ہے اور دعوے اور غرور و تکبر کم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت منکشف ہو کر سمجھ آجاتی ہے۔

استحضار عظمتِ حق ہوتا ہے پس انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے۔

مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کو خاص درجہ اور رتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں جس سے وہ

لہ بیان القرآن ص۸۶ ۲ الصبر والصلوٰۃ ص۱۳ ۳ الصبر بالصبر ص۱۵ ۴ انفاس عیسیٰ ص۲۲۸

اس درجۂ عالیہ کو پالیتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں اہل مصائب کو دیکھکر
اہل نعم کہیں گے یالیت جلودنا قرضت بالمقاریض نعطی مثل ما اوتوا
یعنی کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں تاکہ آج ہمکو بھی یہ
درجات ملتے؛" (جو اہل مصائب کو عطا کیے گئے ہیں)

حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو حق تعالیٰ معاملہ کو
اسی کے سپرد کر دیتے ہیں اور جو صبر کرتا ہے اسکی طرف سے حق تعالیٰ خود انتقام لیتے ہیں
کبھی دنیا میں مزہ چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت پر پوری سزا کو ملتوی رکھتے ہیں۔

طریق کار

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ
رَاجِعُوْنَ یعنی مصیبت و غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ
رَاجِعُوْنَ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ
ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے
غلام کو چاہیئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے اس لئے اس موقع پر تصرف حق پر
راضی رہنا چاہیئے واقعہ (مصیبت) کو از خود نہ سوچیں بلکہ اپنے کام میں لگیں۔

مصیبت کے وقت اول تو اپنے گناہوں کو یاد کریں تاکہ اپنی خطا کا استحضار ہو کر
مصیبت سے پریشانی نہ ہو کیونکہ اپنی خطا پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے
کی شکایت نہیں ہوتی بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا پھر اجر کو یاد
کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے پس ثواب کو یاد کر کے غم کو
ہلکا کریں اور مصیبت میں ثابت قدم رہیں خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کریں کوئی بات
ایمان (اور اسلام) کے خلاف زبان و دل پر نہ آئے اور یہ مت سمجھیں کہ

---

[1] کمالات اشرفیہ ص۲۰۵ [2] الصبر والصلوٰۃ ص۲ [3] السر بالصبر ص۱۲ [4] انفاس عیسیٰ ص۲۱۵

اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ یہ خیال خطرناک ہے اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے مصائب کو گناہوں کو سزا سمجھیں یا ایمان کی آزمائش سمجھیں اور اس کے ثواب کو یاد کریں شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے (اسپر کار بند رہیں) اور یہ بات سمجھیں کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اور اس میں نفع ضرور ہو گا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی اگرچہ دنیوی نفع ابھی سمجھ میں نہ آوے۔

طریق تحصیل قوت ہوی (یعنی خواہشات و جذبات نفسانی کو ضعیف اور کمزور کرنا طریق تحصیل ہے۔

اکیسویں فصل صدق کا بیان

صدق سے مراد یہاں خاص قسم کا صدق ہے یعنی مقامات میں صادق ہونا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔

مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں پھر کچھ تردد نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ پورے سچے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:۔

مر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بابی بکر وھو یلعن بعض رقیقہ

نبی علیہ السلام کا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گذر ہوا وہ اپنے غلام پر لعنت کر رہے تھے آپ

لہ کمالات اشرفیہ صـ۹۵ ۲ے الجبر بالصبر صـ۳۲٬۳۳ ۳ے تعلیم الدین صـ۶۷ ۴ے تعلیم الدین صـ۶۹

فالتفت إليه فقال لعانين وصديقين الى قول ابي بكر لا اعود۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔

ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لعنت کرنے والے اور پھر صدیق۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا؛

حقیقت صدق

جس مقام کو حاصل کرے کمال کو پہنچاوے اس میں کسر نہ رہے رصدق کہلاتا ہے،اور اس لئے کے معنی پختگی کے ہیں اور اسی سے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام احوال وافعال واقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکتا ہے شریعت میں صدق عام ہے افعال کو بھی اقوال کو بھی احوال کو بھی اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات سچی ہو یعنی واقع کے مطابق ہو جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو حکم شرعی کیخلاف نہ ہو پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں پس جو احوال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال دکیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔

نیز صدق احوال کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے یہ نہ ہو کہ آج ایک حالت پیدا ہوئی پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہنا چاہیئے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے۔

محققین[۱] نے حقیقت صدیقیت کی یہ بیان کی ہے کہ عقائد شرعیہ نظریہ کا اس کو ذوقاً ادراک ہونے لگے اور اعمال شرعیہ اس سے طبعاً صادر ہونے لگیں۔ پس

۱ۦ التکمال فی الدین صہ ۲ۦ التکشف صہ۳

نظریات اسکے نزدیک بدیہیات ہوجائیں اور عبادات عادات ہوجاویں اول ثمرہ ہے قوت قدسیہ کا اور ثانی کمال خلق کا ثمرہ ہے اور صرف ثانی میں مکمل ہونا شہادت ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ الآیہ — اے ایمان والو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو۔

اس آیت میں اول تقویٰ کا امر ہے متقی کے معنی کامل فی الدین (تقویٰ کے بیان میں ثابت ہو چکے ہیں كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سے مقصود مذکور کے طریق کا بیان ہے کہ حاصل اس کا معیت مع المتقین ہے پس صادقین سے معنی مشہور صادقین فی القول مراد نہیں بلکہ راسخ فی الدین مراد ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو صدیق فرمایا ہے (جیسا کہ اس آیت میں ہے) :-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ اور اسی صدیقیت کا درجہ نبوت کے بعد ہے پھر شہداء و صالحین کا درجہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کرنا مثلاً نماز کو اس طرح پڑھنا جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے اس کا اختیار کرنا صدق ہے۔

طریق تحصیل | صدق مابہ الکمال کے جاننے پر موقوف ہے (لہذا) ہمیشہ نگراں رہے اگر کچھ کمی ہو جاوے تو اس کا تدارک کرے اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جاوے گا یہی صدق کا طریق تحصیل ہے)

لے الکمال فی الدین ص[illegible] ۲؎ انفاس عیسیٰ ص[illegible] ۳؎ تعلیم الدین ص[illegible]

بائیسویں فصل محبت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ — اور اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ متفق علیہ

جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو برا سمجھتا ہے۔

حقیقت محبت طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو محبت کہتے ہیں، یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے اسکو عشق کہتے ہیں محبت کا یہ درجہ طبعی ہے اور غیر مامور بہ ہے مگر نعمت ہے اور وہبی ہے پھر اس میلان کے آثار میں سے رضائے محبوب کو رضائے غیر محبوب پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت عقلی ہے درجہ فرض اور واجب ہے، پھر اس ترجیح کے باعتبار محل ترجیح کے اقسام ہیں چنانچہ ایک قسم ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے اور یہ محبت کا ادنیٰ درجہ ہے بدوں اسکے بندہ مومن نہیں ہے اور دوسرے اقسام میں دوسرے احکام کو غیر احکام پر ترجیح دینا ہے اور احکام کے درجات کے اعتبار سے اسکے درجات ہیں کوئی اوسط اور کوئی واجب کوئی اعلیٰ و مستحب حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری

۱؎ تعلیم الدین ص ۲۱ کمالات اشرفیہ ص ۳ بیان القرآن ص ۱۰۳

وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (الآیہ)

بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جسمیں نکاسی نہ ہونیکا خطرہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں، تم کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم یعنی سزا بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنیوالوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

ان مذکورہ بالا اشیاء کا زیادہ پیارا ہونا جو بُرا ہے مراد اس سے وہ محبت ہے جو احکام الٰہیہ دینیہ پر عمل کرنے سے باز رکھے میلان طبعی مراد نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر عمل کرنا دوسری سب چیزوں سے زیادہ محبوب اور پیارا ہونا چاہئیے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [1] اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت مضبوط ہیں

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بلا تخصیص سب مسلمانوں کی ایک شان اور حالت کو بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں نہایت مضبوط ہوں اگر پورے طور سے مضبوط ہیں تو کامل ایمان ہوگا ورنہ جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کا ایمان ہوگا مثلاً ایک مضبوطی کا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق سُن کر بےچین ہو جائے دوسرا درجہ یہ ہے کہ محض خدا تعالیٰ کا ذکر ہی سُن کر دل میں ایک ولولہ اور جوش پیدا ہو اور نافرمانی کے چھوڑنے کی فکر ہو جائے اور اطاعت کرنے کے خیال پیدا

---

[1] محبت کے آثار صفحہ ۱۸۶

ہو جائیں تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس خیال کے ساتھ ہی اسپر عمل بھی شروع کر دیا یعنی نافرمانی کے سامان کو الگ کر دیا اور یہ پختہ قصد کر لیا کہ اب کوئی حرکت حکم کیخلاف نہ کرینگے اور اس قصد کو نباہ دیا اور شریعت کے تمام احکام پر پابندی کے ساتھ عمل کرنا بھی شروع کر دیا یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے اور یہی مقصود ہے۔

محبت[1] کی دو قسمیں ہیں محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی اختیاری نہیں اس کا حدوث و بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امر غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا بخلاف محبت عقلی کے کہ اسکا حدوث و بقا اختیاری ہے تو اسپر دوام بھی ہوتا ہے اس لئے محبت عقلی افضل و راجح ہے محبت طبعی کا منشا جوش طبیعت ہوا اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا۔

محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں یا[2] تو یہ کوئی ہم پر احسان کرتا ہو۔ اور اس کے احسان کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہو یا یہ کہ وہ خود نہایت حسین و جمیل ہو اور اسکے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان خاطر ہو یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو۔ اور وہ کمال باعث محبت ہو سو انعام و نوال و حسن و جمال اور فضل و کمال علی وجہ الکمال خدا تعالیٰ ہی میں پائے جاتے ہیں تو جب تک (یہ) کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو انکی محبت بھی ختم نہ ہوگی اور چونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں اسلئے کاملین کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے حب عقلی نہیں ہو سکتی ہاں حب طبعی یعنی عشق غیر خدا سے بھی ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کیساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حب عقلی ہے نہ کہ طبعی اسی لئے نصوص میں حبِ طبعی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں بلکہ جابجا حُب کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا

۱ے العبد و الوعید ص ۱۱ تا ۱۶ ملخصاً ۲ے اشرف المسائل ص ۲۷ سے مختصر

کہ حُبِّ طبعی مطلوب نہیں بلکہ حبِّ عقلی مطلوب ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حُبِّ عقلی والوں (یعنی کاملین) میں حبِّ طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ غلبہ حبِّ عقلی کو ہوتا ہے۔ باقی جن پر حُبِّ عقلی کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات ان میں محبت طبعیہ بھی ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر محبت طبعیہ کا غلبہ ہے مگر وہاں محبت طبعیہ پر حُبِّ عقلی غالب ہوتی ہے اس لئے جوش دبا رہتا ہے لیکن گاہے گاہے کاملین پر بھی حب طبعی کا غلبہ ہو جاتا ہے بہر حال کاملین تو حُبِّ عقلی و طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں مگر ان میں غلبہ عقلی کو ہوتا ہے اور ناقصین میں حُبِّ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ گو کمال مطلوب نہیں مگر محمود ضرور ہے اور جو دونوں سے کورا ہے وہ خطرہ میں ہے پس محبت کا ہونا ضروری ہے بغیر محبت کے نری طاعات و عبادات کافی نہیں کیونکہ ان کا بھروسہ کچھ نہیں بقول محققین کے شیطان اسی لئے گمراہ ہوا کہ اسکو حق تعالےٰ سے محض ضابطہ کا تعلق تھا محبت و عشق نہ تھا اور ملائکہ میں عشق و محبت کا اثر موجود تھا اس لئے حکم کے ساتھ ہی سب فوراً سجدہ میں گر پڑے اسی لئے عراقی رحمہ اللہ طریق محبت کی تمنا کرتے ہیں ؎

صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی | کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

راہ قلندر سے مراد طریق عشق ہے اور رسم پارسائی سے طریق عبادت رسمی مطلب یہ ہے کہ طریق عبادت رسمی بہت دور دراز ہے اس میں وصول دیر سے ہوتا ہے کیونکہ خودی دیر سے نکلتی ہے فنا جلدی نصیب نہیں ہوتی اور طریق عشق سے بہت جلد فنا حاصل ہو جاتی ہے اور فنا محبت کا اعلیٰ درجہ ہے (تفصیل کے لئے باب احوال میں فنا کا بیان ملاحظہ ہو۔)

خلاصۂ[1] طریق یہ ہے کہ وہ اعمال اور محبت کا جامع ہوتا ہے عمل اور محبت کی تفاوت کی ایسی مثال ہے جیسے ریل گاڑی کا بدوں بھاپ کے دھکیلنے سے چلنا اور بھاپ سے چلنا اگر انجن میں بھاپ نہیں تو دھکیلنے سے بھی چلے گی ضرور مگر کتنی ؟ (یعنی بہت مختصر سا راستہ طے کریگی) اور اگر انجن میں بھاپ ہے تو بس چھوٹتے ہی اُڑ گئی تو عمل مثل ریل گاڑی کے ہے اور محبت گویا بھاپ ہے جو بمنزلہ گاڑی کی روح کے ہے تو اصل چیز ریل میں بھاپ ہی ہوتی ہے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہاتھوں سے ٹھیلتے ہوئے لے جاتے ہیں کسی سبب سے پہیے لائن سے اتر گئے اس لئے اترتے ہی کھڑی ہو جائیگی اور اگر خدانخواستہ بھاپ کے زور سے گاڑی چلی جارہی تھی کہ پہیے لائن سے اتر گئے تو پرزے ٹکر ٹکڑے ہو گئے ڈرائیور مع سواریاں ہلاک ہو گیا ایک قیامت برپا ہو گئی تو بس اگر بھاپ ہونے کی صورت میں یہ لائن پر رہی تو مسافت امن اور تیزی سے قطع کرتی رہے گی اور اگر لائن کو چھوڑ دیا تو تہس نہس ہو جاویگا اس مثال میں گویا تین حالتیں ہوئیں ایک یہ کہ بھاپ نہیں لیکن لائن پر ہے اس صورت میں رفتار ضرور کم ہوگی لیکن خطرہ نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بھاپ تو ہے لیکن لائن پر نہیں یہ حالت نہایت خطرناک ہے اور ایک حالت نور علیٰ نور ہے کہ بھاپ بھی ہو اور لائن پر بھی ہو (تو) وہ بھاپ محبت ہے اور لائن صراطِ مستقیم شریعت کی ہے جس نے محبت تو پیدا کر لی لیکن اعمال شریعت کو رخصت کر دیا تو وہ قطع طریق تو کیا کرتا الٹا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت باطنی میں ڈال دیا اور جس نے محبت تو پیدا نہیں کی لیکن شریعت پر عمل کرتا رہا تو رفتار گو نہایت سست ہو گی مگر کوئی خطرہ نہیں عمل اور محبت کو جمع کر لو یا البتہ وہ ریل ہو گی جس میں بھاپ بھی ہے پہیے بھی درست ہیں اور لائن پر بھی ہے پھر دیکھو کیسی جلدی مسافت قطع ہوتی ہے

---

[1] طریق القلندر صفحہ

محبت کو جو کہا ہے کہ اصل چیز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقط محبت ہی کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں بلکہ بھاپ (محبت) کے اصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہی پہیوں کی تیزی کا ذریعہ ہے لیکن اگر سرے سے پہیے ہی نہ ہوں تو نری بھاپ کیا کر سکتی ہے اسلئے جس میں محض جوش و خروش ہو اس میں سوائے اس کے کہ حق حق اور الا اللہ کے نعرے لگالیے اور بھی کچھ ہے؟ نفع کیا؟ یہ جوش و خروش تو ایسا ہے جیسا اس ریل کا جسکے انجن میں آگ اور بھاپ بھی دہک رہی ہے مگر پہیے ٹوٹ گئے ہیں تو بیچاری سوائے اس کے کہ کھڑی کھڑی دھواں دیتے جائے اور سیٹیاں ہمیشہ ہاں کئے جائے اور کیا کر سکتی ہے دکیا مسافت قطع کر لے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ الٹا شور سے پریشان کریگی، کاش جس گاڑی میں بھاپ تھی پہیے بھی ہوتے اور لائن پر بھی ہوتی (یعنی جس میں محبت اور جوش تھا اس میں شریعت کے مطابق عمل بھی ہوتا)، تب لطف تھا کہ سفر کتنا جلدی اور اطمینان سے طے ہوتا)

محبت[1] و عشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی قول اور فعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا تمام مصائب محبتین کو آسان ہو جاتی ہیں نہ قید خانہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے نہ فاقہ سے کلفت انکی شان یہ ہوتی ہے کہ انکے پاس کچھ بھی نہیں مگر خوش ہیں کیونکہ انکے پاس ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انکو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی وہ آغوش محبت میں رضائے محبوب ہے لذت طاعت ہے لذت مناجات ہے لذت قرب ہے (اس لئے کہ) محبت[2] سے معرفت بڑھتی ہے طاعت و فرماں برداری میں لطف آنے لگتا ہے۔

---

[1] انفاس عیسیٰ صہ ۱۹۹، ۳، ۲۰۳ [2] کمالات اشرفیہ صہ ۷۹

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

طریق کار

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم (بزعم خود) خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے

محبت گو خود غیر اختیاری ہے مگر اس کا طریقہ اختیاری ہے جس پر محبت کا پیدا ہونا عادتاً ضروری ہے اور اختیاری کاموں میں خدا تعالیٰ نے ہر کام کی تدبیر بتلائی ہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ چند باتوں کی پابندی کریں انشاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی (جس کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ)

(۱) دین کا علم سیکھیں (۲) اعمال میں ہمت کر کے ظاہراً بھی اور باطناً بھی شریعت کے پابند رہیں (۳) شوق راحت کو اختیار کریں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آئے کیونکہ راحت میں حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے (۴) خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری طرح اطاعت کریں کیونکہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے (۵) نیک عمل میں بہ نیت زیادہ محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہیں (۶) تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کریں (۷) محبان خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں اور یہ بہت ضروری ہے اگر آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی رکھیں (۸) تنہائی میں کسی وقت خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کریں۔ پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کریں (۹) خدا تعالیٰ سے دعا کیا کریں کہ محبت عطا فرمائیں (۱۰) یہ مراقبہ کیا کریں کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھ کو چاہتے ہیں اس سے بندہ کے قلب میں بھی محبت پیدا ہوگی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں

---

[1] بیان القرآن ص ۲۸ پ ۳ [2] محبت کے اسباب ص ۳۵ [3] کمالات اشرفیہ ص ۹۲ [4] تصوف و سلوک ص ۱۱۲ [5] انفاس عیسیٰ ص ۱۹۱

ہو ساری پریشانی دور ہو جائے گی)

طریق تحصیل دنیا کے علائق کو قطع کرنا یعنی غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکالنا کیونکہ دو محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے کمالات واوصاف و انعامات کو یاد کرنا اور سوچنا طریق تحصیل ہے)

باب سوم اخلاق ذمیمہ کا بیان

اخلاق رذیلہ (ذمیمہ) مذموم نہیں ہاں عمل بمقتضی الاخلاق الرذیلہ مذموم ومنہی عنہ ہے (یعنی اخلاق ذمیمہ کے تقاضہ کے مطابق عمل کرنا منع ہے) مثلاً غصہ کا وجود مذموم نہیں لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے یا مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جائے تو برا ہے اور اگر کسی بری جگہ کیا جاوے تو برا نہیں مثلاً ناچ (وغیرہ) میں چندہ دینے میں بخل کیا (مزید معلومات کے لئے شریعت کے عنوان کے تحت اخلاق کا بیان اور باب دوم متعلق اخلاق ملاحظہ ہو)

اخلاق ذمیمہ چند چیزیں ہیں آفات لسان (کذب غیبت وغیرہ) اسراف بخل بغض تکبر حب جاہ حب دنیا حرص حسد ریا شہوت عجب غضب وغیرہ ان چیزوں کا زائل کرنا سالک کو ضرور ہے۔ ان کو الگ الگ فصلوں میں ذکر کیا جائیگا (انشاء اللہ تعالیٰ)

طریق کار رذائل کا امالہ کافی ہے ازالہ کی فکر ضروری نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے مشق کی ضرورت ہے اور مشق کثرت تکرار سے ہوتی ہے کثرت تکرار کی خاصیت ہے کہ ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ یہ رذیلہ کالعدم ہو جائے گا۔

لے تعلیم الدین ص۱۵ اشرف المسائل ص۳ تعلیم الدین ص۱۱ کمالات اشرفیہ ص

مجاہدات وکثرت مخالفت سے اخلاق رذیلہ گو معدوم نہیں ہوتے مگر کالعدم ضرور ہو جاتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے مقدور اختیار سے رذائل کی مخالفت کیا کرے۔

معالجہ اخلاق رذیلہ کا مختصر علاج یہ ہے "تامل وتحمل" یعنی جو کام کریں سوچکر کریں کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کریں بلکہ تحمل سے کام کیا کریں یا اطلاع واتباع" یعنی اپنے احوال واعمال سے شیخ کو مطلع کرتے رہیں اور اسکی تجویز پر عمل کریں یا۔ انقیاد واعتماد" یعنی اپنے شیخ کی اطاعت کاملہ کریں اور وہ جو کچھ کہے اس پر اعتماد کریں۔

پہلی فصل آفات لسان کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔[1]

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (الآیہ) — وہ کچھ بات نہیں بولتا ہے مگر اس کے نزدیک نگہبان تیار ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من صمت نجا (رواہ احمد والترمذی) — جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔

حقیقت آفات لسان انسان جتنے کام یا کلام کرتا ہے بظاہر اسکی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ مفید۔ جس میں کوئی دین یا دنیا کا فائدہ ہو۔

۲۔ مضر۔ جس میں دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہو۔

---

[1] تعلیم الدین ص۔۔ گناہ بے لذت ص۔۔

۳۔ نہ مفید نہ مضر جس میں نہ کوئی فائدہ ہو نہ نقصان اس تیسری قسم کو حدیث میں لایعنی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے لیکن جب غور سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی درحقیقت دوسری قسم یعنی مضر میں داخل ہے کیونکہ وہ وقت جو ایسے کام یا کلام میں صرف کیا گیا اگر اسمیں ایک دفعہ سبحان اللہ کہہ لیتا تو میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا کوئی اور مفید کام کرتا تو گناہوں کا کفارہ اور نجات آخرت کا ذریعہ یا کم از کم دنیا کی ضرورتوں سے بیفکری کا سبب بنتا حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کا اسلام درست و صحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بیفائدہ کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ لایعنی کلام کا حساب ہوگا اور جس چیز کا حساب ہو مواخذہ ہو اس سے خلاصی یقینی نہیں۔

گالی گلوچ کرنا

گالی اور فحش کلامی سے مراد یہ ہے کہ ایسے کام جن کے اظہار سے آدمی شرماتا ہو ان کو صریح اور کھلے الفاظ سے ظاہر کرنا پھر اگر وہ واقعہ کے مطابق اور صحیح ہو تو ایک گناہ گالی دینے کا ہے اور اگر واقعہ کیخلاف ہو تو دوسرا گناہ بہتان و افترا کا بھی ہے جیسے کسی شخص یا اس کی ماں بہن کی طرف کسی فعل حرام کی نسبت کرنا۔

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کیلئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھیں گے جب تک وہ اپنے کہے کی سزا نہ بھگت لے۔

ع ۱۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ ۱۔ گناہ بے لذت صفحہ ۲۔ صحیح بخاری و مسلم ۳۔ الطبرانی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کفار کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے اور فرمایا کہ ان کو گالی دینے سے ان تک تو کچھ اثر نہیں پہنچتا زندوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ گالی دینا کسی کافر یا جانور کے حق میں بھی حرام ہے۔

لعنت کرنا لعنت کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور یا غضب و قہر میں مبتلا یا دوزخی کہنا یا بطور بدعا کے یہ کہنا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے یا اس پر غضب الٰہی نازل ہو یا دوزخ میں جائے وغیرہ

لعنت کے تین درجے ہیں۔

ایک جن اعمال و خصائل پر قرآن مجید و حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے ان اوصاف عام کے ساتھ لعنت کرنا جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین یا لعنۃ اللہ علی الظالمین یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

دوسرے کسی مخصوص فرقۂ ضالہ پر اس کے وصف ضلالت کے ساتھ لعنت کرنا مثلاً یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ پر لعنت یا روافض و خوارج پر لعنت یا سود خوار، شرابیوں وغیرہ پر لعنت جس میں کسی شخص یا جماعت کی تعین خاص نہیں ہے یہ صورت بھی جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص شخص زید و عمر یا کسی جماعت خاص مثلاً فلاں شہر کے رہنے والے یا فلاں قبیلے کے لوگ یا فلاں پیشہ والے یا فلاں قوم پر لعنت یہ سخت خطرناک معاملہ ہے اسمیں بڑی احتیاط لازم ہے کیونکہ جن اعمال کی وجہ سے

عہ تخریج الاحیاء۔

کوئی شخص لعنت کا مستحق ہوتا ہے اول تو اس کی تحقیق کامل اکثر یقینی نہیں ہوتی کہ فلاں قوم یا فلاں شخص نے برے اعمال کئے ہیں اکثر اس میں بدگمانی یا غلط خبروں کو دخل ہوتا ہے اور بلا تحقیق محض گمان پر لعنت کرنا حرام ہے دوسرے ان اعمال پر بھی لعنت کا مستحق اسوقت ہے جب یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے توبہ نہیں کی اور آئندہ مرتے وقت تک بھی توبہ نہیں کریگا اور ظاہر ہے کہ یہ علم یقینی بجز وحی کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے یہ حق صرف نبی اور رسول کو حاصل ہے (احیاء العلوم)

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جاتی ہے۔ اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو یہ لعنت اس کہنے والے پر لوٹتی ہے اور فرمایا کہ مومن پر لعنت کرنا ایسا گناہ ہے جیسے اس کو قتل کردیا (بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی وغیرہ)

لعنت کرنا جیسے مسلمان پر جائز نہیں کسی جانور اور زمین کا فر پر بھی جائز نہیں قرآن کریم میں حکم ہے:۔

دل لگی و تمسخر کرنا

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی	کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ تمسخر نہ کرے شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہو
اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ	اور عورتیں عورتوں سے تمسخر نہ کریں
وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ	شاید وہ 〃 〃 〃 〃
يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ الآیہ	ان سے بہتر ہوں ؛

تمسخر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی اہانت و تحقیر اور اسکے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں یا دل لگی کرنا جس سے دوسرے کو ایذا پہنچے اسمیں بہت سی صورتیں داخل ہیں۔ مثلاً کسی کے چلنے پھرنے۔ اٹھنے بیٹھنے بولنے ہنسنے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قد و قامت

عہ ابوداؤد و مسند احمد عہ بخاری و مسلم ا۔ا گناہ بے لذت ص

شکل و صورت کی نقل اتارنا۔

۲۔ اس کے کسی قول و فعل پر ہنسنا

۳۔ آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارے سے اس کے عیب کا اظہار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور اس کی طرف بلایا جائیگا جب وہ سرکتا سسکتا ہوا وہاں تک پہنچیگا تو بند کر دیا جائیگا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائیگا اور بلانے پر دروازہ جنت کی طرف نہ جائے گا۔

ایک شخص کی ریح خارج ہوگئی لوگ ہنسنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں اس پر تنبیہہ فرمائی اور فرمایا۔ جو کام تم سب خود بھی کرتے ہو اس پر کیوں ہنستے ہو۔

بعض لوگ ناواقفیت یا غفلت سے تمسخر کو مزاح (خوش طبعی میں داخل سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے مزاح جائز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسکی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف واقعہ زبان سے نہ نکلے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو اور وہ بھی مشغلہ اور عادت نہ بنے کبھی کبھی اتفاقی ہو جائے اور جس تمسخر میں مخاطب کی دل آزاری یقینی ہے وہ باجماع حرام ہے۔ اس کو مزاح جائز میں داخل سمجھنا گناہ بھی ہے اور رہا ہے بھی۔

چغلخوری کسی کا عیب یا ایسا قول و فعل جسکو وہ چھپانا چاہتا ہے دوسروں پر ظاہر کرنا چغلی ہے چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اگر وہ عیب واقعی اور

لہ گناہ بے لذت صفحہ ۲۲

صحیح بات یہ ہے تو صرف چغلی کا گناہ ہوگا اور اگر واقعہ کیخلاف ہے یا اپنی طرف سے اس میں کچھ کمی زیادتی کی یا بُرے عنوان بُرے الفاظ سے نقل کیا تو افتراء و بہتان بھی ہے جو مستقل کبیرہ گناہ ہے اور جس کی طرف سے چغلی کی گئی ہے اگر اس کے کسی عیب کا اظہار ہے تو غیبت بھی ہے جو تیسرا گناہِ کبیرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چغلی لیکر اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں جو دوستوں میں باہم فساد ڈلواتے ہیں اور جو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈتے ہیں یہ بدترین انسان ہیں اور فرمایا چغلخور جنت میں نہیں جائیگا چغلی عذاب قبر ہے

کذب (جھوٹ)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ الآیہ — جھوٹی بات کنارہ کش رہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ وَاِیَّاکُمْ وَالْکِذْبَ متفق علیہ۔ — ہمیشہ سچ بولو۔ اور جھوٹ مت بولو۔

(خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے) بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سُنی سُنائی بات کو بدون تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا بھی گناہ ہے۔

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ — آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سُنے بیان کر دے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں اور فرمایا جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک کے برابر ہے نیز حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب

عہ تخریج احیاء عہ بخاری و مسلم عہ بیہقی از ترغیب عہ الناس عیبی عہ گناہ بے لذت نسائی ابن ماجہ، ابوداؤد و ترمذی عہ بہشتی زیور جلد اوّل

دیکھا کہ ایک بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک زنبور ہے (زنبور چمٹے کے مانند ایک آلہ ہے جس کے اگلے سرے مڑے ہوئے ہوتے ہیں) اور اس بیٹھے ہوئے کے کلے کو چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے پھر وہ کلا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے میں نے اپنے ساتھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے (یعنی قبر میں عذاب ہوتا رہے گا)

غیبت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا الآیہ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الغیبۃ اشد من الزنا غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگرچہ وہ بات اس کے اندر موجود ہی ہو اور اگر وہ بات اس میں نہیں تو وہ غیبت سے بڑھ کر بہتان ہے اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا لنگڑا کر چلنا بھی غیبت ہے، بلکہ یہ زیادہ بُرا ہے۔

غیبت کا مذموم ہونا قرآن اور حدیث سے ظاہر ہے اس کی مضرت دین و دنیا میں ہے۔ دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ اس سے باہمی تشویش و نااتفاقی ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور دین کی مضرت یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنیوالے کی نیکیاں اس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ غیبت حق العبد ہے جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہو گا۔

---

۱ التصدی للغیر ص ۵ ۲ تعلیم الدین ص ۱۳۱

غیبت گناہ جاہی ہے (یعنی حُبِّ جاہ سے پیدا ہوتی ہے اسکے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے جو موجب عُجب بھی ہوا اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جبھی کرتا ہے جبکہ اپنے آپ کو پاک سمجھے نیز غیبت جب کبھی ہوتی ہے تو کسی ایسی بات کے بعد ہوتی ہے جو خلاف طبع ہو جب وہ بات ناگوار ہوتی ہے تو اسکا ذکر زبان پر آجاتا ہے اور یہ شکایت اور غیبت غصہ ہی کا نتیجہ ہے اگر غصہ نہ آئے یا آدمی اس ناگواری خاطر کو ضبط کرلے تو شکایت ہی نہ ہو نیز مشاہدہ ہے کہ غیبت کے وقت دین کا بالکل خیال نہیں رہتا نہ اپنا سے دریغ ہوتا ہے)، نہ جھوٹ اور فریب یاد رکھو۔ غیبت کرنیوالا اور سننے والا دونوں برابر ہیں البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کو غیبت کرنا جائز ہے۔

اول۔ مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اسکے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں البتہ ظالم کی عیوب ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔

دوم۔ کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ غیبت ہے مگر جائز ہے۔

سوم۔ مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔

چہارم۔ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور

لہ غوائل الغضب صـ ۲ لہ کمالات اشرفیہ صـ ۹ لہ تبلیغ دین صـ

تم کو علم ہو اکہ اس معاملہ میں ناواقفیت کیوجہ سے اسکا نقصان ہو گا تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے۔

پنجم۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا جس میں عیب ظاہر ہو مثلاً کانا لنگڑا۔ تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

مدح سرائی

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی و بڑائی پیدا کر کے اسکو ہلاک کر دیا دوم اپنی تعریف سن کر نفس پھولتا ہے اور اعمال خیر میں سست پڑ جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے" اس لئے کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ اسکی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے۔

اکثر دنیادار مسلمانوں کی عادت ہے کہ مالدار اور صاحب جاہ لوگوں کی تعریف کرتے ہیں (اس میں) اکثر باتیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں۔ یہ صریح جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے۔

دوم۔ محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالانکہ دل میں خاک بھی محبت نہیں ہوتی۔ اور یہ صریح ریا اور نفاق ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

سوم۔ اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں محض تخمین اور گمان کی بناء پر ان کو واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں

نہایت منصف ہیں حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کی مدح کرنی ہو تو یوں کہا کرے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں کیونکہ ظنی باتوں کو واقعی بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

چہارم۔ اگر ظالم اور فاسق کی تعریف کی جاتی ہے اور وہ تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنیوالا مداح بھی فاسق اور نافرمان ہوا حدیث میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے۔

البتہ ان مضرتوں کا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں بلکہ بعض اوقات مستحب اور باعث اجر ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض صحابہ کی مدح فرمائی ہے چونکہ صحابہ میں خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اس لئے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لئے یہ مدح مستحب تھی کہ ان کی طاعات میں ترقی کا وسیلہ تھیں۔

اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال اور خطرات وسوسوں کا دھیان کرے اور سوچے کہ خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہونا ہے؟ واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگرچہ مجھ میں موجود بھی ہیں تو بھی انکا کیا اعتبار؟ نیز اپنی باطنی بیماریوں اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہیں کہ اگر اس مداح کو معلوم ہو جائے تو میری مدح کبھی نہ کرے غرض مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہو بلکہ اسکو مکروہ سمجھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مداح کے منہ میں مٹی بھر دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو یوں دعا مانگتے تھے کہ یا الہٰ! میرے جو گناہ انہیں معلوم نہیں ہیں وہ بخش دیجئے

اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ہوسکا مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے اور مجھے ان کے گمانوں سے بہتر بنا دیجئے میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں یہ نہیں جانتے۔

(ان امور مذکورہ بالا کے علاوہ اور بھی) بہت سی آفتیں ہیں مثلاً خلاف شرع باتیں کرنا ناحق بحث و مباحثہ کرنا جھگڑا کرنا کلام میں بناوٹ اور تکلف کرنا کسی کا راز ظاہر کرنا کسی کی زیادہ خوشامد کرنا ذات صفات میں محض اٹکل پچو گفتگو کرنا علماء سے فضول باتیں پوچھنا وغیرہ)

طریق کار حدیث شریف میں ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء بدن زبان سے خوشامد کرکے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا۔ اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بگڑ جائیں گے (لہذا لازم ہے کہ ہر ممکن طریق سے زبان کی حفاظت کریں اور ان باتوں کی سختی سے پابندی کریں)

بولنے میں احتیاط رکھیں (بدون سوچے کوئی بات نہ کیا کریں) اگر کبھی کوئی بات خلاف شریعت ہوجائے تو فوراً خوب توبہ کرلیں (اگر کسی کو گالی دی ہو یا کسی سے تمسخر کیا ہو یا چغلخوری یا غیبت کی ہو تو) توبہ کے بعد اس سے بھی معافی مانگنی کی ضرورت ہے اور جن لوگوں کے سامنے چغلی یا غیبت کی تھی اس کے سامنے اس کی مدح و ثنا بھی کریں اور پہلی بات کا غلط ہونا ظاہر کردیں۔ اور اگر وہ سچی بات ہو تو کہدیں کہ بھائی مجھے خود اس بات پر اعتماد نہیں رہا یہ توریہ ہوگا۔ کیونکہ سچی بات پر بھی اعتماد قطعی بدوں وحی کے نہیں ہوسکتا اور اگر کسی وجہ سے معاف کرانا دشوار ہو تو ادنیٰ درجہ کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اور اس کے ساتھ اپنے لئے استغفار کرتے رہیں اس طرح اللّٰھم اغفرلنا ولھٰذا (اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما)

لے تعلیم الدین صفحہ ۲ے نفس کو کھلونا صفحہ ۲۳ سے انفاس عیسیٰ صفحہ ۲۶۲ ۲ے تعلیم الدین صفحہ

اکثر اوقات زبان کو ذکر اللہ اور تلاوت میں مشغول رکھیں جس کو جو آسان ہو جو بات کریں سوچ کر کریں اگر جواز و عدم جواز میں شبہ ہو تو اسکو کسی عالم سے پوچھ لیں پھر وہ جو کہے اس کے موافق عمل کریں ؎

مزن بے تامل بگفتار دم نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم

طریق علاج بجز استحضار قبل الوقت وہمت در عین وقت وتدارک بعد الوقت کے کوئی علاج نہیں یعنی بات کرنے سے پہلے تھوڑی دیر تامل کرنا اور سوچنا کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ جو کہ سمیع و بصیر ہیں ناخوش تو نہ ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بات گناہ کی منھ سے نہ نکلے گی اور اگر پھر بھی طبیعت میں ایسی بات کرنیکا تقاضا ہو تو اسوقت ہمت سے کام لیں اور اگر کوئی بات ایسی منھ سے نکل جائے تو اس کا تدارک اسطرح کریں جیسا کہ طریق کار میں بیان ہوا ہے۔

دوسری فصل اسراف کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ الآیہ	اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں
نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اضاعۃ المال	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے

حقیقت اسراف بے ضرورت کوئی چیز خریدنا یا خرچ کرنا اسراف ہے اور اسکی حقیقت تجاوز عن الحد یعنی حد ضرورت سے بڑھ جانا ہے

۱؎ انفاس عیسیٰ حصہ ۱ ص ۱۳۸ کمالات اشرفیہ ص ۲۲۵ ۳؎ تعلیم الدین ص ۸۰ ۴؎ دعوات عبدیت ص ۲۲؎
۵؎ کمالات اشرفیہ ص ۲۲۴

الغرض[1] ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے ایک واقعی اور ایک فرضی واقعی ضرورت وہ ہے جسکے بغیر دینی یا دنیوی کام رک جائے یا اس میں سخت دقت اور پریشانی ہو یہ تو اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق مباح ہے اور بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے مگر اس کی انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت (جسکا دوسرا نام حرص ہے) اس کی کوئی انتہا نہیں (اس کو پورا کرنے لگے تو) دنیا میں جو بھی رقم لی جائیگی متناہی ہوگی پھر متناہی لامتناہی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے (مطلب یہ کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی) تو یہ اسراف معصیت تو ہے ہی اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی نتیجہ دیکھ لیجیے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔

طریق کار اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۔ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۔

(اور حلال چیز (نکو) خوب کھاؤ اور پیو اور حد شرعی سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

(آیت بالا میں اللہ تعالیٰ کے حکم میں غور کریں اور امور ذیل کی پابندی کریں یعنی خرچ کرنے کے قبل دو امر کا التزام کرلیں ایک یہ کہ پہلے سوچا کریں کہ اگر اسکو خرچ نہ کروں تو آیا کچھ ضرر ہے یا نہیں اگر ضرر نہ ہو اس کو ترک کر دیں اور اگر ضرر معلوم ہوتا ہو تو پھر کسی منتظم سے مشورہ کریں کہ یہ خرچ خلاف مصلحت اور نامناسب تو نہیں وہ جو بتلائے اسپر عمل کریں ضرر سے مراد ضرر واقعی اور حقیقی ہے جس کا معیار شریعت ہے وہمی و خیالی ضرر مراد نہیں اہل اللہ کا مذہب (یعنی طریق) رکھیں وضعدار لوگوں کا نہ رکھیں رسم و رواج کے ذرا بھی مقید نہ ہوں سب سے پہلے

---

۱ وعظ میرٹھ ص۱۸ ۲ انفاس عیسیٰ ص۱۵۱

انتخاب کر کریں جتنی چیزیں کام میں آتی ہیں رہنے دیں اور جتنی چیزیں کام میں نہ آئیں خارج کر دیں یا بیچ دیں۔ یا مساکین کو دیدیں۔ نفلی صدقہ دینے کی ہمت نہ ہو تو زکوٰۃ ہی میں دیدیں۔

طریق علاج اس کا طریق علاج بھی وہی ہے جو حُبِّ دنیا اور حرص کا ہے وہاں دیکھ لیا جاوے۔

تیسری فصل بخل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ الآیہ[1] اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

وَالبخیل بعید من اللہ بعید من الجنۃ بعید من الناس قریب من النار (رواہ الترمذی) کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے دوزخ سے قریب ہے۔

حقیقت بخل جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروۃً ضروری ہو اس میں تنگدلی کرنا بخل ہے اسکے دو درجے ہیں ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں لیکن خلاف اولیٰ ہے، فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو اور یہ تدبیر اسکی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کی جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو تو کوئی فکر کی بات نہیں (اور اگر باوجود استطاعت کے اس پر عمل کیا تو بعض کے نزدیک یہ بھی بخل ہے اسلئے کہ) جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ "جس مال کے ذریعہ

---

[1] تعلیم الدین ص۲۔۲ کمالات اشرفیہ ص۲۸۵ تبلیغ دین ص۱۲

سے آدمی اپنی آبرو کو بچائے وہ بھی صدقہ ہے مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر یا ڈوم یا بھیڑہ) میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دیدوں تو اس کا منھ بند ہو جائیگا۔ اور باوجود اس علم کے اگر اس کو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائیگا کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو (ضروری موقعوں پر) ایسی چیز (کے خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے (کیونکہ اس بخل کا انجام یہ ہوگا کہ) وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیئے جاویں گے اس (مال) کا (سانپ بناکر) جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔

اس طوق پہنائے جانے کی کیفیت حدیث بخاری میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسکو خدا تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اسکا وہ مال قیامت کے روز ایک زہریلا سانپ بناکر اسکے گلے میں ڈالدیا جائیگا اور وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہیگا میں تیرا مال ہوں تیرا سرمایہ ہوں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (بالا) پڑھی۔ پس حدیث میں تخصیص زکوٰۃ کی تمثیلاً ہے حصراً نہیں۔ اس سے ایسے ہی حقوق واجبہ (مثل) زکوٰۃ وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ روح المعانی میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جسمیں ایسے ہی وعید ذی رحم کو نہ دینے پر آئی ہے۔ کیونکہ ذی وسعت پر ذی رحم عاجز کی اعانت بھی واجب ہے۔

لے تفسیر بیان القرآن ص ۶۴/۲۲

(حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخل کی وجہ سے لوگ حرام کو حلال کر لیا کرتے ہیں بخل کے سبب سے فسق و فجور پھیلتا ہے اور فرمایا۔ اسلام کو جتنا بخل مٹاتا ہے اتنی کوئی چیز نہیں مٹاتی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا۔ پس مسلمان کو شایاں نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جائے اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور مال کی محبت دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا علاقہ ضعیف اور کمزور سا ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے اس لئے کہ اس کو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے وہ ناجہنمی ہے۔

طریق کار | بخل کے نقصانات معلوم کریں کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اس سے پیدا ہوتی ہیں خوب سمجھ لیں کہ مال بخیل کے ساتھ جانے والا نہیں ہے دنیا میں جو مال انسان کو دیا گیا ہے وہ صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیا کرے لہٰذا جو چیز اپنی ضرورت سے زیادہ ہو اپنی طبیعت پر زور ڈال کر وہ چیز کسی کو دیدیا کریں اگرچہ نفس کو تکلیف ہو مگر ہمت کر کے اس تکلیف کو سہار لیں جب تک کہ کنجوسی کا اثر بالکل دل سے نکل جائے یوں ہی کیا کریں۔

طریق علاج | مال کی محبت دل سے نکالیں۔ طریق علاج حُبِّ دنیا میں مذکور ہے

له تبلیغ دین صلا ؎ تبلیغ دین ؎ بہشتی زیور حصہ ہفتم ؎ تعلیم الدین

چوتھی فصل بغض یعنی حقد اور کینہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ الآیہ۔ — معاف کر دینے کو اختیار کرو اور اچھی بات کا حکم کرو اور جاہلوں سے بے رخ ہو جاؤ۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تباغضوا متفق علیہ — آپس میں بغض نہ رکھو۔

حقیقت بغض جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے اس کو حقد یعنی کینہ (اور بغض) کہتے ہیں اس کا منشا غصہ ہے اور بیٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور بیٹھے غصہ میں دو عیب ہیں ایک عیب تو خود وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ ہے تو کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کینہ یہ ہے جو اختیار اور قصد سے کسی کی برائی اور بد خواہی دل میں رکھی جاوے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر بھی کرے اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں (حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کینہ پرور بخشا نہیں جاتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ پیر اور جمعرات کو جب بندوں کے نامۂ اعمال اس کے سامنے

لہ تعلیم الدین صد ۸۱ ۲ے غوائل الغضب صد ۲ سے انفاس عیسیٰ صد ۱۷

پیش ہوتے ہیں تو ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے لیکن اہل کینہ کی نجات نہیں ہوتی نیز فرمایا ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان عداوت اور کینہ ہو بشرطیکہ عداوت کا مبنی دنیاوی امور ہوں لیکن اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہے تو یہ عداوت مستحسن اور قابل اجر ہے جیساکہ حدیث میں الحب للہ والبغض للہ کا امر ہے۔

قیامت[1] کے دن حق تعالیٰ آواز دیگا کہاں ہیں وہ جو خاص میرے واسطے باہم محبت کرتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا۔ یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ واسطے کی محبت کا درجہ ہے اور اس میں بھی دو درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ تم کو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ تم کو اس کے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے استاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کے سبب محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہ طریقت معلوم کرنے کی وجہ سے محبت ہے اور استاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے، وہ بھی اسی بنا پر ہوتی ہے کہ علم دین کا سلسلہ اس کی وجہ سے مدتوں تک میری طرف منسوب ہو کر جاری رہے گا اور مجھ کو آخرت میں صدقہ جاریہ کا ثواب ملیگا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے کی محبت ہے کہ کوئی دنیوی غرض اس محبت سے مقصود نہیں مگر پھر بھی چونکہ خالص اللہ تعالیٰ کی ذات مطلوب نہیں اس لئے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ تعالیٰ کے پیارے اور نیک بندہ سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب ہے رفتہ رفتہ یہ تعلق یہاں تک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے ساتھ اپنے نفس کا سا

---

[1] تبلیغ دین ص

برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی ان کو ترجیح ہوتی ہے بس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اسی قدر کمال میں ترقی ہوگی۔

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہیئے جنکو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں اگر ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہے کہ خدایا کسی فاسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت آجائے یہ حبّ فی اللہ و بغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان میں یہ نہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے۔

طریق کار اپنے مخالف کو کوئی نقصان کسی سے پہنچ جائے۔ اور قلب میں فرحت محسوس ہو تو عقلاً اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جاوے کہ یہ فرحت قابل دفع ہے اور دُعا بھی کی جاوے کہ اس فرحت کو اللہ تعالیٰ دفع فرمادیں۔

داس لئے کہ) سے

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

بعض اوقات کسی سے انتقام لینا جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہنچا ہو تو اتنا کہہ دینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے، اچھا ہے اس سے دل صاف ہوجاتا ہے البتہ زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہیئے۔

طریق علاج جس شخص سے کینہ ہو، اس کا قصور معاف کر کے اس سے میل جول شروع کریں گو بتکلف ہی چند روز میں کینہ دل سے نکل جاویگا

لہ انفاس عیسیٰ صلہ لہ کمالات اشرفیہ صلہ سہ تعلیم الدین صلہ

پانچویں فصل تکبر کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ الآیہ۔ تحقیق اپنی بڑائی کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا یدخل الجنۃ احد فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر (رواہ مسلم) جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو جنت میں نہیں جائیگا۔

حقیقت تکبر اپنے آپ کو صفات کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا تکبر ہے[1] اسکے اقسام اس کثرت سے ہیں کہ لا تعد ولا تحصیٰ (یعنی بے شمار ہیں) اور اکثر ان میں ادق و اغمض[2] اس قدر کہ بجز محقق کے کسی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی اور اس میں علماء ظاہر کو بھی اس محقق کی تقلید بلا تفحص[3] حقیقت کرنی پڑتی ہے تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے آپ کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اس کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اس کی صورت ہے کہ اس میں سب جزو ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزا کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اگر اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا وجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی۔ اور یہ جو قید

---

[1] تعلیم الدین ص۷ [2] انفاس عیسے ص۱۵۱ [3] شمس الفغانیکی ص۸

لگائی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالبعلم نحومیر پڑھنے والے طالبعلم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ یہ مجھ سے دولت میں کم ہے۔ مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں۔

البتہ اگر یہ تفاوت واقعہ کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہو گا۔ اگرچہ ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں۔ لیکن اگر وہ محلِ تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی الی الکبر ہو جاتا ہے۔ اس لئے سدِ ذرائع کے طور پر اسکا بھی نہی علاج کرنا چاہیئے جو حقیقت کبر کا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کبریائی میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا میں اس کو قتل کر دونگا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائیگا اور فرمایا کبر سے بچو کبر ہی وہ گناہ ہے جس نے سب سے پہلے شیطان کو تباہ کیا اور فرمایا دوزخ میں اس قسم کے آتشیں صندوق ہیں جنھیں متکبروں کو بند کر دیا جائیگا۔ مطلب یہ کہ سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔)

۲۔ تکبر سے سلب نعمت کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۳۔ متکبرین میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔

۴۔ قبول حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سدِ راہ ہے ایسا شخص کسی کی نصیحت کو

لہ تبلیغ دین ص سلہ انفاس عیسیٰ ص سے تصوف و سلوک ص سکہ بہشتی زیور جلد ع

عہ کبر کی طرف پہنچانے والا

نہیں مانتا بلکہ بُرا مانتا ہے اور اس نصیحت کرنیوالے کو تکلیف پہنچانا چاہتا ہے

طریق کار یہ تھا ایک مراقبہ ہے جس کی ایسی ہر وقت میں تجدید و تکرار کرلی جائے جبکہ اس طرف التفات ہو۔

۱۔ گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے اور

۲۔ عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا۔ بلکہ محض موہبت و رحمت سے ہوا۔ پھر

۳۔ عطا کے بعد بھی اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کرلیں اور

۴۔ گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال حاصل ہو جاوے کہ میں اس کمال میں اسی کا محتاج ہو جاؤں اور

۵۔ اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسرے پر ظاہر ہو۔ یا سب ہی سے مخفی ہو۔ اور حق تعالیٰ کو معلوم ہو جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔

۶۔ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں۔

۷۔ اور اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر۔ تو مجھ کو چاہیے کہ اس پر شفقت و ترحم کروں اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت

ل شمس الفضائل صفحہ ۹

یا ہمت یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دیں تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جاویگا اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کی جاتی ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

۸۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کریں اسکا مزاج پوچھ لیا کریں البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جاویگا مگر بعض کا پھر بھی بغض کیساتھ اجتماع ہو سکتا ہے ان بعض کو استعمال کریں۔

۹۔ ہر وقت اہتمام اور مراقبہ رہے کہ اس ذمیمہ یعنی تکبر کا قریب وقوع تو نہیں ہوا جب محسوس ہو اس کے مقتضا کی عملاً مخالفت کی جائے۔

۱۰۔ اگر پھر بھی وقوع ہو جائے نفس کو کچھ مناسب سزا دیں خواہ بدنی یا مالی۔ مثلاً دس رکعت نفل جرمانہ ادا کریں یا خیرات کر دیں اور قصداً ایسے اشغال اختیار کریں جو عرفاً موجب ذلت سمجھے جاتے ہیں مثلاً مسافروں کے پیر دبا دیا کریں نمازیوں کی جوتیاں جھاڑ کر سیدھی کر دیا کریں۔

۱۱۔ اپنے عیوب کو سوچا کریں اور یوں سمجھیں کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہے وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیئے۔

طریق علاج اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کریں اسکے مقابلہ میں اپنے کمالات کو ہیچ پائیں گے۔ اور جس شخص سے اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اس کے

---

[1] انفاس عیسیٰ ص ۱۵۱ تا ۱۵۲ ملخصاً [2] المجاہدہ ص ۱۸ [3] تعلیم الدین ص [illegible]

ساتھ تواضع و تعظیم سے پیش آویں یہانتک کہ اس کے خوگر ہو جائیں۔

چھٹی فصل حُبِّ جاہ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ	وہ جو دار آخرت ہے ہم اس کو ان ہی لوگوں کیلئے
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا	کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ
فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ الآیہ	اودھم مچانا، اور انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم	دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں
ما فسد لہا من حرص المرء علی المال	اس گلے کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا آدمی کی حرص
والشرف لدینہ رواہ الترمذی	مال پر اور جاہ پر اس کے دین کو تباہ کر دیتی ہے۔

حقیقت حُبِّ جاہ لوگوں کے دلوں کا مسخر ہو جانا جس سے وہ لوگ اسکی تعظیم کریں جاہ کہلاتا ہے، حُبِّ جاہ ایسا مرض ہے کہ اسکا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آوے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ اوہو ہم میں حُبِّ جاہ کا مرض ہے یہ محض وہمی انتزاعی کمال ہے اور انتزاعی بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے جسکا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنیئے کی دوکان میں غلہ آیا ہے جی ہاں ذرا منہ توڑ ڈالو

لہ تعلیم الدین صـ۲۲ کہ کمالات اشرفیہ صـ ۱۰۲، ۲۶۰، ۱۸۹، ۱۸۰، ۱۵۵

ابھی چوہا دان آتا ہے جس سے ساری شیخی کرکری ہو جائے گی

جس جاہ سے ضرر نہیں ہوتا ہے یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو یہ وہ بلا ہے جو کہ دین و دنیا دونوں کو مضر ہے دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ کو فدا ہے تو اس میں عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے آخر کار اسی عجب و کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے بہت لوگ اس میں اکثر ہلاک ہو گئے ہیں یہ تو دین کا ضرر ہوا اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت سے پیدا ہو جاتے ہیں بس صاحب جاہ کا دین بھی خطرہ میں رہتا ہے اور دنیاوی خطروں کا اندیشہ رہتا ہے ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدوں طلب کے جاہ حاصل ہو وہ نعمت ہے کیونکہ، مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدر ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے۔

چونکہ اس کا منشا بھی تکبر ہے۔ اس لئے اس کے اقسام۔ احکام و معالجات وہی ہیں جو تکبر میں گذرے ہیں

طریق کار حب جاہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں ان کو ذہن میں حاضر کریں بلکہ زبان سے بھی ان کا تکرار کریں اور ان مضامین میں سے اپنے نفس کو خطاب کریں کہ تجھ کو ان سے عقاب ہونے کا اندیشہ ہے اس کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کہ اگر لوگوں کو رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل اور حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت اور تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جاوے اور مداح کو زبان کو منع کر دیا جاوے

لہ تعظیم العلم ص۲۶ ؎ تبلیغ دین ص۵۵ ؎ انفاس عیسیٰ ص۱۲۹

اور اس میں ذرا اہتمام سے کام لیا جاوے سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کیئے جاتے ہیں ان کی تعظیم کی جاوے گو نفس کو گراں ہو

طریق علاج | یوں سوچیں کہ جو لوگ میری تعظیم واطاعت کر رہے ہیں نہ یہ ہیں گے نہیں ہونگا پھر ایسی موہوم وفانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے۔

ساتویں فصل حُبّ دنیا کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ الآیہ[1] دنیا کی زندگانی دھوکے کی ٹٹی ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر۔ رواہ مسلم[2] دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

حقیقت دنیا | جس چیز میں فی الحال حظ نفس ہو اور آخرت میں اسکا کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو۔ وہ دنیا ہے۔

دنیا لغۃً نزدیک کی چیز کا نام ہے اور عرفاً مطلق اس حالت کا نام ہے جو موت سے پہلے ہے اور شرعاً خاص اس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرۃ ہے اور مجازاً ان اموال وامتعہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی مانعیت کے اسباب بن جائیں پس جو احوال از قسم اقوال ہوں یا از قبیل افعال واعمال یا عقائد و علوم ہوں اسی طرح جو اموال کہ آخرت واجبۃ التحصیل سے مانع ہوں گے۔ وہ سب دنیائے حرام ومذموم میں داخل ہیں اور ان کے مذموم ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔

---

[1] تعلیم الدین صـ۸۳ [2] تعلیم الدین صـ۸۳

دنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے البتہ علم معرفت الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ دنیا سے مستثنیٰ ہے اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت کو ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت کو سنوارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ الآیہ

البتہ جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ایسوں کا ٹھکانہ آگ ہے۔ بدلہ اس کا جو کماتے ہیں۔

ہر چند ہمارے اندر مختلف امراض پائے جاتے ہیں لیکن بنص (قرآن و) حدیث اصل تمام امراض کی صرف ایک ہی چیز حُبِّ دنیا ہے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں یوں ارشاد فرمایا حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ كُلِّ خَطِیْئَةٍ دنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے (اور چونکہ) اصل مرض ہی بقیہ امراض کا سبب ہوا کرتی ہے اور اصل علاج کرنے سے جملہ امراض خود ہی دفع ہو جائیں گے جس میں حُبِّ دنیا ہو گی اس کو آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا جب آخرت کا اہتمام نہ ہوگا وہ شخص نہ تو اعمال حسنہ کو انجام ہی دیگا اور نہ برائیوں سے بچیگا اور ایسے ہی برعکس۔ جب آخرت کی فکر ہوتی۔

لے تبلیغ دین ص۲۵۶ ے الاطمینان بالدنیا ص۲۳۲

ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے کیونکہ حبِ دنیا میں فکرِ دین کم ہوتی ہے جس درجہ کی حبِ دنیا ہوگی اسی درجہ کی فکرِ دین کم ہوگی اگر کامل درجہ کی حبِ دنیا ہوگی تو کامل درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی جیسا کہ کفار میں متحقق ہے اور مسلمانوں میں جس درجہ کی حبِ دنیا ہوگی اسی درجہ کی دین سے بے فکری ہے چنانچہ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا میں تصریح ہے رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا کے بڑھانے سے معلوم ہوگیا کہ رضا بحیات دنیا معصیت و مذموم وہ ہے جس کے ساتھ اطمینان بھی ہو ورنہ معصیت نہیں کیونکہ یہ طبعی امر ہے چنانچہ ایک دوسری آیت میں اس کی تصریح ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ الآیۃ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں رہنے کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمکو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنیوالوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

ان اشیاء کا زیادہ پیارا ہونا جو برا ہے۔ مراد اس سے وہ محبت ہے جو احکام الٰہیہ پر عمل رکھنے سے باز رکھے میلان طبعی مراد نہیں (بلکہ) یہاں وعید اس پر ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم (اور ان کے حکموں) سے زیادہ محبوب ہیں اور

لہ بیان القرآن صہ ۱۰۳ پ

اگر یہ چیزیں کسی درجہ میں محبوب تو ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تو ان پر وعید نہیں کیونکہ ان چیزوں کا محبوب ہونا امر طبعی ہے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کو پسند کرنا اور ان پر خوش ہونا اور مطلق رضا محل وعید نہیں البتہ حیات دنیا پر مطمئن ہونا (یعنی آخرت کی فکر نہ کرنا) محل وعید ہے

چیست دنیا از خدا غافل بدن[1] — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(یعنی حقیقت میں) دنیا مال و دولت زن و فرزند کا نام نہیں بلکہ دنیا کسی ذی اختیار کے ایسے مذموم فعل یا حالت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ سے اعراض (غافل) کرادے خواہ کچھ ہو اور کبھی اسباب غفلت کو مجازاً تسمیۃ للسبب باسم المسبب کو بھی دنیا کہہ دیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ	اکثر لوگوں کو خوشنما معلوم ہوتی ہے محبت مرغوب چیزوں
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ	کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں۔ بیٹے ہوئے۔ سونے اور چاندی
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ	کے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے۔ نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے
الْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ	(یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ	سب استعمال کی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام
مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ	کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے (جو بعد موت
عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۔ الآیۃ	کام آوے گی)[2]

یہ جو فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے اس کا حاصل میرے ذوق میں یہ ہے کہ یہ محبت و میلان غالب حالات میں موجب فتنہ ہو جانے کی وجہ سے ڈر کی چیز تھی مگر اکثر لوگ اسکو سبب ضرر نہیں سمجھتے بلکہ اس میلان کو علی الاطلاق

---

[1] مقالاتِ حکمت نمبر ۵ [2] بیان القرآن ص ۲۶

اچھا سمجھتے ہیں چونکہ مذاق مختلف تھے اس لئے مختلف چیزیں بیان فرمائیں کسی کو عورتوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کسی کو اولاد سے کسی کو سونے چاندی سے کسی کو گھوڑوں سے کسی کو بیلوں اور کھیتی سے کسی کو عورتوں سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ دن رات اسی میں مبتلا ہیں ہر وقت یہی خیال ہے کسی کو اولاد کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ دن رات اسی دھن میں رہتے ہیں کہ بیٹا ہو پوتا ہو پڑپوتا ہو بعض رؤسا کو بیلوں اور گھوڑوں وغیرہ سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ ریاست بھی غارت کر بیٹھتے ہیں وجہ یہ کہ محبت کے افراط میں جنون ہوتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ کسبِ دنیا اور چیز ہے اور حُبِّ دنیا اور چیز ہے حُبِّ دنیا مذموم ہے اور کسبِ دنیا بقدرِ حاجت جائز چنانچہ حق تعالیٰ کی کیا اچھی تعلیم ہے کہ مرغوب چیزوں کی فہرست تو بیان فرما دی مگر انکی فی حد ذاتہا مذمت نہیں فرمائی بلکہ سب کے بعد اس سے اچھی چیز کا پتہ بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں مثلاً عورتیں اولاد اور مال وغیرہ سب اچھی ہیں مگر دوسری چیز ان سے زیادہ اچھی ہے غرض حق سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی مذمت نہیں فرمائی چنانچہ اس آیت میں اس طرح بیان فرمایا کہ ان چیزوں کی خاص درجہ کی محبت واقع میں تو اچھی نہیں مگر انسان کی نظر میں یہ چیزیں مزین ہو گئی ہیں جسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوڑی پر سبزہ جما ہوا ہو جسکو دیکھنے والا سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اس کے ظاہری رنگ و روپ کو دیکھ کر فریفتہ ہو جائے اور جب وہاں پہنچے تو پاخانہ میں بھر جائے یہی حال دنیا کا ہے کہ ظاہر تو اس کا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اندر نجاست بھری ہوئی ہے۔

دنیائے مذموم کی مثال خوب صورت سانپ کی سی ہے جسکا ظاہر تو اچھا ہے

۱؎ انوار السراج ص ۱۲ تا ۱۴ ملخصاً ۲؎ کمالات اشرفیہ ص ۱۲۸

نقش و نگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا پڑا ہے ؎

زہر ایں مار منقش قاتل است — باشد از وے دور ہر کہ عاقل است

اگر بچہ کے سامنے سانپ چھوڑ دیں تو وہ اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے اور اس کا انجام کیا ہو گا ہماری حالت بھی اس بچہ کی سی ہے کہ ہم دنیا کی ظاہری آب و تاب اور نقش و نگار اور رنگ و روپ پر فریفتہ ہیں۔ اور اندر کی خبر نہیں یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جتنا خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہریلا ہوتا ہے۔ اسی لئے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے

دنیا کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے لوگ اس پر فریفتہ ہو رہے ہیں اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو سخت نفرت ہو جائے جیسے کسی چڑیل بڑھیا کو اعلیٰ ریشمی لباس پہنا دیا گیا ہو اور نقاب سے منہ ڈھانک دیا گیا ہو اور کوئی اس کو حسین خوبصورت سمجھ کر دم بھرنے لگے۔

حدیث شریف میں ہے:-

لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ ماء۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے۔

چونکہ اس کی قدر کچھ بھی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ مبغوض شئے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں۔ حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا تعالیٰ کو مبغوض ہو۔

لہ انفاس عیسیٰ [illegible] ملفوظات اشرفیہ [illegible]

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ — گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل در وے بہ بست — گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ

(یعنی ایک عاقل سے دنیا کی حالت کے متعلق میں نے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ دنیا ایک خواب ہے یا ایک ہوا ہے یا ایک افسانہ ہے۔ پھر میں نے اس شخص کے متعلق دریافت کیا کہ جس نے دنیا سے دل لگایا تو اس نے جواب دیا کہ وہ یا تو چھلاوہ ہے یا شیطان ہے یا پاگل ہے۔)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں۔

مالی و للدنیا انما مثلی و مثل راکب استظل بشجرۃ (یعنی مجھ کو دنیا سے کیا علاقہ ہے میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سوار راستہ میں جا رہا ہو۔ اور کسی درخت کے سایہ میں سستانے کے لئے ٹھہر جائے۔ اور سستا کر اپنی راہ لے)۔

دررہ عقبیٰ است دنیا چوں پلے — بے بقا جائے و ویراں منزلے

(راہ عقبیٰ (یعنی سفر آخرت) میں دنیا کی مثال پل جیسی ہے جو ایک فانی گذرگاہ اور ایک ویران منزل ہے۔ نیز اس (دنیا) کی مثال آخرت کے سامنے سرائے جیسی ہے اس لئے دنیا کی مصلحت و منفعت بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے اور شریعت نے بھی اجازت دی ہے البتہ اس تمام تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ مال کو مقصود بالذات نہ بنائیں بلکہ مقصود بالغیر بنائیں۔

مقصود تو یہ ہے کہ آخرت ایک بازار ہے اور اس کا سکہ اعمال ہیں۔ اگر یہ سکہ پاس نہ ہوگا تو آدمی کس چیز سے وہاں کی نعمتیں خریدے گا ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ دنیا کی سرائے میں لگا کر چلے جاتے ہیں تو ہماری حالت اس مسافر جیسی ہے

لے الباقی ص۲۲۲ لے ۲؎ الحزب الاعظم ص۳۲۵ ۳؎ اسلام الحقیقی ص۲۲۲

جس نے ساری کمائی سرائے کی کوٹھڑی میں لگا دی اور گھر گئے تو کچھ بھی نہ تھا
خوب سمجھ لیں کہ دنیا ہمارا گھر نہیں بلکہ سرائے ہے اسمیں بس سے زیادہ نہ لگائیں جتنا
تمہارے ایک رات بسر کرنے کیلئے کافی ہو ہمارا گھر وہ ہے جو دار السلام ہے لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وہاں کے واسطے کچھ جمع کرلو، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (الآیہ)

اور اصل زندگی عالم آخرت ہی کی ہے پس فانی میں اسقدر انہماک اور آخرت جو
باقی رہنے والی ہے اس سے ذہول و حرمان ہو جاوے خود یہ بے عقلی کی بات ہے
اللہ تعالیٰ ایسوں ہی کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر انکو اسکا کافی علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے کہ
فانی میں مشغول ہو کر باقی کو بھلا دیتے اور اسکے لئے سامان نہ کرتے بلکہ یہ لوگ اسی میں
غور کرتے اور ایمان لے آتے کہ طالب دنیا کی تمنا پوری نہیں ہوتی اور آخرت سے
محروم رہتا ہے، اور طالب آخرت کو ترقی ہوتی ہے نیز زیادہ دنیا کا انجام اچھا نہیں اکثر
اس سے اعمال شر پیدا ہوتے ہیں سو اس سے ثابت ہوا کہ مطلوب بنانے کے قابل
دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ
الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ للآیہ (یعنی دنیا کی چیزوں میں سے) جو کچھ تم کو
دیا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے بالکہ خاتمہ عمر کے
ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جاویگا) اور جو (اجر و ثواب آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے
ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے (کیفیتہ بھی) بہتر ہے اور (کمیتہ بھی) زیادہ پائیدار
(اور ہمیشہ رہنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لہ بیان القرآن ص۱۲۹ ج۲، ص۲۲ ج۱۰

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ الآیہ

دنیاوی زندگی کے اشغال تو کچھ بھی نہیں بجز لعب ولہو کے (بوجہ غیر نافع اور غیر باقی ہونے کے) اور پچھلا گھر (یعنی آخرت) متقیوں کے لئے بہتر (یعنی نافع تو وہی) ہے تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو کہ اس کو مان کر اس کے لئے سامان کرو کہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(یہاں اللہ تعالیٰ کا) خود حیات دنیویہ کو لہو ولعب فرمانا مقصود نہیں بلکہ اس کے اشغال و اعمال کو۔ کہ آخرت کے لئے نہ موضوع ہیں نہ معین ہیں تو اس قید سے طاعات اور مباحات معین طاعات سب نکل گئے اور مباحات لا یعنی اور معاصی سب داخل رہ گئے گو ایسے مباحات میں گناہ نہ ہو لیکن بے سود اور فاقد الاثر تو ہیں، اور لہو و لعب کے معنی اہل لغت نے متقارب بلکہ متحد ہی لکھے ہیں صرف فرق اعتباری ہو سکتا ہے وہ یہ کہ غیر نافع امر میں مشغول ہونے کے دو اثر ہیں ایک خود اس کی طرف متوجہ ہونا۔ دوسرے اس کی وجہ سے نافع امور سے بے توجہی ہو جانا تو امر اول کے اعتبار سے لعب کہلاتا ہے اور دوسرے اعتبار سے لہو۔

(خلاصہ یہ ہوا کہ طلب دنیا یعنی دنیا کمانا تو برا نہیں لیکن حب دنیا برا ہے مال مثل پانی کے ہے اور قلب مثل کشتی کے اور ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی پانی کشتی کا معین بھی ہے اور اس کو ڈبونے والا بھی ہے اس طرح کہ کشتی سے باہر (اور نیچے) رہے تو معین و مددگار رہتا ہے، اور اگر کہیں پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے، اسی طرح مال ہے کہ اگر قلب سے باہر صرف ہاتھ میں رہے

تو معین اور اگر قلب کے اندر اس کی محبت ہے تو مہلک ہے اسی کو کہا ہے

مال را کز بہر دیں باشد حمول — نعم مال صالح گفتش رسول

حدیث میں ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح (نیک آدمی کے لئے حلال مال بہتر ہے) ایسی حالت میں وہ مال اقارب کو دیں گے، ضروریات دین میں چندہ دیں گے لوگوں کی مدد کریں گے اور اگر دل میں مال کی محبت ہے تو اوروں کے حقوق دبا دیں گے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب فارس کا خزانہ آیا تو آپ نے آیت زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ پڑھی اور فرمایا کہ اے اللہ اس سے معلوم ہوا کہ ہم میں اس کی رغبت تو پیدا کی گئی ہے تو اس کا ازالہ نہیں چاہتے مگر یہ دعا ہے کہ یہ محبت معین ہو جائے۔

طریق کار یاد رکھیں کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور، نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیات دنیوی کی درستی اور آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت و حرفت اور زراعت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے مبدا و معاد کی اسکو کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں قلب محبت دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اسکی اصلاح و تدبیر میں مصروف حالانکہ دنیا توشہ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافران آخرت باسانی اپنا سفر ختم کر سکیں مگر بیوقوف لوگوں نے اسی کو مقصود اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں و قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ

تبلیغ دین ص ۱۰۵ تا ۱۰۹ ملخصاً۔

ہو اور جنگلوں میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور اس کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج بھی گیا گزرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا۔ اور اس کو بھی نوالہ بنا لیا تو یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم جسم خاکی پر سوار ہو کر سفر آخرت کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہیئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کر کے وہ بیج بو دو جس کو آخرت میں کاٹو۔ اور پھر دائمی زندگی آرام سے گذار سکو۔ اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش اور فربہی ہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا۔ اور تم منزل مقصود پر نہ پہنچ سکو گے۔

جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو گیا اس نے معرفت الٰہی حاصل کر لی اور جس نے دنیائے دنی کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے بغیر آخرت کی جاوید نعمتیں نہیں مل سکتیں اور جب تک انسان دنیا سے منہ نہ پھیریگا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدر ضرورت دنیا پر قناعت کر کے باطمینان قلب ذکر و فکر میں مشغول ہو جائے اسوقت تک حق تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہو گی تحقیقاً کہ تمام قرآن اسی دلفریب سبزہ زار ہلاہل (یعنی زہر قاتل) کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ "جنھوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان بندوں پر تعجب ہے جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائیدار پر فریفتہ ہوں یاد رکھو سمجھ لیں کہ، جو لوگ دنیا کو

مقصود سمجھ کر اسکے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کہ انکی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور انکی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی انکی حرص ہمیشہ بڑھتی ہی رہے گی دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے وہاں اطمینان کیسا؟

(لہٰذا) دنیا کی حالت پر توجہ ضرور کریں مگر کامل توجہ کریں جس سے حقیقت منکشف ہو جائے۔ نا تمام توجہ نہ کریں کہ ظاہر ہی تک رہ جائیں اور حقیقت مستور رہ جائے کیونکہ طالب دنیا کوئی راحت میں نہیں چنانچہ اگر ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو چھوڑ کر ان کی اندرونی حالت کچھ ان کے پاس رہ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی پریشانی سے خالی نہیں۔ بخلاف طالب آخرت کے، کہ سب کے سب راحت میں ہیں

خیال کرنے کی بات ہے کہ دنیا کی مرغوب سے مرغوب شے اگر اس وقت گم بھی نہ ہوتی مگر کبھی نہ کبھی تو ضرور گم ہوتی کیونکہ فنا ہونا تو گویا اس کے ذاتیات سے ہے جیسے چراغ میں تیل ہو جو محدود بھی ہے اور کم بھی ہو رہا ہے تو وہ ایک نہ ایک وقت ضرور ہی ختم ہوگا پس ختم ہونے والی چیز سے کیا جی لگانا خدا تعالیٰ سے دل لگانا چاہیئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار — عشق با حی و قیوم دار

عاشقی با مردگاں پائندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں — عشق ہائے اولین و آخریں

غرض غم ہلکا کرنے کے لئے عجیب تعلیم ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور خدا تعالیٰ کے یہاں (یعنی آخرت) کی چیزیں

لہ انفاس عیسیٰ صـ۱۰ لہ کمالات اشرفیہ صـ۱۵۱

باقی ہیں اور وہی رغبت کے قابل ہیں پھر یہ بھی سوچیں کہ آدمی مر کر کہاں جاتا ہے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس جاتا ہے تو اب تو وہ مَا عِنْدَ اللّٰہِ میں داخل ہو گیا پہلے وہ عِنْدَکُمْ کا مصداق تھا اسوقت، وہ فانی تھا اور اب باقی ہو گیا کیونکہ موت کے بعد پھر موت نہیں تو اب وہ مرنے کے بعد پہلی حیات سے اچھی حیات میں پہنچ گیا وہ پہلی فانی تھی اور دوسری باقی ہے چنانچہ اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تسلی یوں کی

خیر من العباس اجرک بعدہ والله خیر منک للعباس

مطلب یہ ہے کہ اے ابن عباسؓ! صبر پر تم کو عباسؓ فانی کے عوض اجر باقی ملا اور عباس فانی اب عباس باقی ہو گئے یعنی اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے تو نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا نہ ان کا۔ پھر کا ہے کا غم۔

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ سے سجا کر مہمانوں کو بلایا اور ان کو اس میں بٹھا کر عطر اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق ان کے سامنے رکھدیا ظاہر ہے کہ صاحب مکان کا مطلب اس سے یہ ہو کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ یہ بھی اسی طرح نفع اٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں یہ مطلب نہیں ہو کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو پس اگر کوئی شخص آداب مجلس سے واقف نہ ہو اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھ کر اپنی بغل میں دبائے تو اس کی حماقت پر سب حاضرین مجلس ہنسیں گے اور اسکا مذاق اڑائیں گے اور اس کے بعد نتیجہ یہ ہوگا کہ مالک مکان زبردستی اس سے طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھدیگا تم ہی سوچو کہ

اس وقت اس کو کیسی ندامت ہوگی اسی طرح دنیا حق تعالیٰ کی مہربانی کی جگہ ہے اس سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافران آخرت آئیں بقدر ضرورت اس طرح نفع اٹھائیں جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اٹھائیں اور اپنی حاجتیں رفع کرتے ہیں۔ اس کے بعد بخوشی خاطر اس کو دوسروں کے حوالہ کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں آ پہنچیں پس مستعار چیز سے دل لگانا حقیقت میں چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ و رنجیدہ بنانا ہے پس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طلب کریں۔ مگر اس کے حصول کے لئے طاعات ضروریہ کا اختیار کرنا اور تمام ذنوب کا چھوڑنا شرط لابدی ہے۔

طریق علاج موت کو کثرت سے یاد کیا کریں اور مدتوں کے لئے منصوبے اور سامان نہ کریں اور نہ سوچیں خدا تعالیٰ کی طاعت کو اپنے اوپر لازم کرلیں گو بتکلف سہی خدا تعالیٰ کی طاعت میں اثر خاص ہے کہ اس سے فکر پیدا ہوگی اور فکر کے پیدا ہونے سے تمام کام درست ہو جائیں گے۔

آٹھویں فصل حرص کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الآیہ)[1]	اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف مت بڑھاؤ جس کو ہم نے نفع دیا ان کافروں کے مختلف گروہوں کو آرائش زندگانی دنیا کی۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

---

[1] بیان القرآن صفحہ ۵۹ [2] تعلیم الدین صفحہ ۲۷ [3] کمالات اشرفیہ صفحہ ۸۲ [4] تعلیم الدین صفحہ ۹۲

يَهْرَمُ ابن آدم ويشب منه اثنتان الحرص على المال والحرص على العمر متفق علیہ

آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو چیزیں بڑھتی رہتی ہیں۔ مال پر حرص کرنا اور عمر پر حرص کرنا۔

حقیقت حرص توجہ اور میلان الی الدنیا (یعنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا حرص ہے اگر اس توجہ کو کسی دوسری طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا نہ رہے گی پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیر دیا جائے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہو گی اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا پس اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو اور چونکہ حق تعالیٰ سے طبعی تعلق ہے اس لئے یہ توجہ اشد و اکمل ہو گی تو جتنی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو گی اتنی ہی توجہ دنیا سے ہٹے گی۔

حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو اُم الامراض کہنا چاہیئے کیونکہ اسی کی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں اگر لوگوں میں حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے بدکاری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے پس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جس میں سونا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہو گا جتنا ہوس کو پورا کرو گے اتنا ہی بڑھے گی جیسے خارش والا جتنا کھجلاتا ہے خارش بڑھتی رہتی ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی کیا انسان کی

لہ کمالات اشرفیہ ص۹۳ ۲ کمالات اشرفیہ ص۹۵،۸

ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے (یعنی کبھی پوری نہیں ہو سکتی) یہی وجہ ہے کہ حریص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی اس کے ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی سہ

گفت چشم تنگ دنیا دار را　　یا قناعت پر کند یا خاک گور

کیونکہ ایک آرزو ختم نہیں ہوتی دوسری شروع ہو جاتی ہے اور تقدیر پر راضی ہے نہیں تو ہر کام میں یوں دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار ہے اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہے مگر اندرونی حالت سب کی پریشان ہے

طریق کار اور علاج خرچ کو گھٹائیں تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو اور آئندہ کی فکر نہ کریں کہ کیا ہوگا اور یہ سوچیں کہ حریص وطامع ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے (یہاں حبّ دنیا کا بیان بھی مطالعہ میں رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔)

نویں فصل حسد کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ الآیۃ ۔ (تم کہو میں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے پناہ مانگتا ہوں)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَحَاسَدُوا　رواہ البخاری　آپس میں حسد نہ کرو

حقیقت حسد کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے (یہ حسد ہے) اس کے تین درجے

ل نجات کا طریقہ ص۱۱ ۲ تعلیم الدین ص۸۷ ۳ تعلیم الدین ص۷۱ ۴ انفاس عیسیٰ ص۱۹۱

ہیں ایک تو کیفیت انسانیہ ہے جس میں انسان معذور ہے ایک اسکے مقتضاء پر عمل ہے اس میں انسان ماخوذ (یعنی گنہگار) ہے ایک اسکے مقتضا کی مخالفت ہے اس میں انسان ماجور (یعنی ثواب پانے والا) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ پر نعمت دیکھ کر حسد کرنیوالا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔ البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت میں خرچ کر رہا ہو مثلاً مالدار ہو اور شراب و زناکاری میں اڑا رہا ہو لہٰذا ایسے شخص سے مال چھن جانے کی آرزو کرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ یہاں درحقیقت مال کی نعمت چھن جانے کی تمنا نہیں ہے بلکہ اس فسق و معصیت کے بند ہو جانے کی آرزو ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر وہ شخص معصیت چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ رہے۔

حسد کا باعث عموماً یا تو تکبر و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثت نفس کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل بھی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی حاصل ہو جائے غبطہ (اور رشک) کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔

حسد قلبی مرض ہے اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال ساقط ہوتے جاتے ہیں نیکیاں

---

(۱) تبلیغ دین صـ۲۳

چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنا ہوا ہے اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو اس طرح عذاب آخرت بھی سر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت خریدی۔

طریق کار و علاج حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ محسود یعنی جس پر حسد کیا جائے اس کی عیب جوئی کریں اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پئیں لہٰذا نفس پر جبر کریں اور قصداً اس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کریں یعنی محسود کی تعریفیں بیان کریں گو نفس کو ناگوار ہو مگر زبان پر تو اختیار ہے اس کے ساتھ نیازمندی کے ساتھ ملاقات و کلام کریں اور اس کے گھر پر زبان سے رنج ظاہر کیا کریں اس کے سامنے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کریں اس سے اعراض کو دل چاہے تو اس سے ملیں اگر وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کریں اس کو ابتداء بالسلام کریں اس کے ساتھ احسان سلوک اور تواضع سے پیش آئیں ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہوگی پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آوے گا اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔

دسویں فصل ریاء کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یُرَآءُوْنَ النَّاسَ الآیہ — وہ لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔

لہ انفاس عیسیٰ ص۱۶۹، ۱۷۰ ۲ہ تعلیم الدین ص۷ ۳ہ تعلیم الدین ص۸

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان یسیر الریآء شرک رواہ ابن ماجہ — بالتحقیق تھوڑی ریاء بھی شرک ہے۔

حقیقت ریاء اللہ تعالیٰ کی طاعت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہو جائے ریا کہلاتی ہے، اسکی حقیقت ارادۃ الخلق لغرض الدنیوی ہے یعنی عبادت کا اظہار کسی دنیوی غرض سے کیا جائے یا کسی فعل مباح کا اظہار کسی معصیت کی غرض سے کیا جائے اگر عمل میں دنیائے فاسد یعنی معصیت کی نیت ہو تو وہ یقیناً ریا ہے اور اگر دنیائے مباح کی نیت ہو تو اگر عمل دنیوی ہے تو وہ ریاء نہیں اور اگر عمل دینی میں ہے تو وہ بھی ریا ہے اگر کسی شخص کو اس لئے راضی کیا جائے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو یہ ریاء نہیں اور اگر مخلوق کو اسلئے راضی کیا جائے تاکہ وہ ہمارے معتقد رہیں ہمارے مرید زیادہ ہوں تو یہ ریا ہے کیونکہ یہ نیت معصیت ہے اسواسطے کہ عین عبادت کے وقت اسکی نظر مخلوق پر رہی اور انکی نظر میں معظم بننا چاہا صوفیا نے کہا ہے ترک العمل للقوم ریآء (یعنی لوگوں کی وجہ سے کام نہ کرنا اور چھوڑ دینا ریا ہے) اور اہل ظاہر کہتے ہیں العمل للقوم ریآء (یعنی لوگوں کو دکھلانے کے لئے کام کرنا ریا ہے) اور محققین کے نزدیک عبادت کے اخفاء کا اہتمام کرنا بھی ریاء ہے کیونکہ اخفاء عن الخلق (لوگوں سے چھپانے) کا اہتمام وہی کریگا جس کی نظر مخلوق پر ہو اور جس کی نظر مخلوق پر اٹھ جائے اور اپنے سے بھی اٹھ جائے کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھسے کام لے رہے ہیں میں خود کچھ نہیں کرسکتا وہ اخفاء کا اہتمام نہ کریگا کیونکہ جب وہ مخلوق کو لاشئے محض سمجھے گا تو ان سے اخفاء کیوں کرے گا

لے انفاس عیسیٰ ص۱۶۲ ۲ لہ اشرف المسائل ص۱۲۱ سہ تبلیغ دین ص

ریاؑ کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہٰذا اس کا نام شرک اصغر ہے ریاء چھ طرح سے ہوا کرتا ہے۔

اوّل بدن کے ذریعہ سے مثلاً ضعف اور غنودگی ظاہر کی جائے تاکہ لوگ روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں یا مثلاً (ایسی) صورت بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسکو آخرت کی بڑی فکر ہے۔ دین میں بہت مشغول ہے

دوم ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار یا آواز میں نرمی ظاہر کرنا۔ سر جھکانا سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھیں کہ حالت وجد میں ہیں یا مکاشفہ میں مشغول ہیں اور یا فکر کے اندر محو ہیں۔

سوئم شکل و شباہت اور لباس میں مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا پنڈلی تک پائینچے چڑھانا کپڑوں کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رکھنا۔ تاکہ لوگ صوفی سمجھیں حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہیں کہ اسکی حقیقت بھی نہیں جانتے یا چوغہ یا ڈھیلی آستینوں کا جبہ پہننا تاکہ لوگ عالم سمجھیں بعض لوگ امیروں اور تاجروں میں وقعت پیدا کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو امراء کی نظروں میں وقعت نہ رہے گی اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد اور صوفی نہ سمجھیں گے۔ لہٰذا وہ بیش قیمت کپڑوں کو گیروا یا آسمانی (یا سبز وغیرہ) رنگ کا رنگوا لیتے ہیں اگر ان کی قیمت دیکھئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ روپ

لے تبلیغ دین صد ۱۷

درویشانہ اور صوفیانہ ہے اس طرح اپنا مطلب حاصل کرتے اور ریاکار بنتے ہیں۔

چہارم گفتگو اور زبان سے ریا کیا جاوے جیسا کہ بعض دنیا دار واعظ مقفیٰ اور مسجع عبارتیں بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل اتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ بتلا بناتے ہیں اور کبھی غمگین کہ دل میں تو خاک بھی اثر نہیں مگر بناوٹ اور تصنع یوں بتا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہیں اسی طرح مثلاً حفظ حدیث اور مشائخ اور علمائے زمانہ سے ملاقات کا دعویٰ اور اظہار کرنا یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھیں یا بدکاری اور معصیت کے تذکرے پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا یا خلاف شرع باتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا حالانکہ ان کے دل میں رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا بلکہ محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ ان کو پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھیں۔

پنجم عمل میں ریا مثلاً قیام رکوع و سجدہ میں دیر تک رہنا۔ سر جھکانا تاکہ لوگ عابد و زاہد سمجھیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے دل ان خوبیوں سے بالکل کورے اور خالی ہیں اور اس کی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو تھوڑا سا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کسی کو معلوم کر لیں کہ وہ ان کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً آہستگی اور وقار کے ساتھ نماز کو ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھنے لگتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کی نماز خشوع اور خضوع سے بھری ہوئی ہے۔

ششم اپنے شاگردوں اور مریدوں کی کثرت کا اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ انکی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے بعض لوگ اسکے

خواہاں ہوتے ہیں کہ امراء و علماء ان کی زیارت کو آنے لگیں تاکہ اس کی شہرت ہو جاوے یہ سب دین میں ریاکاری ہے اور ریا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نیک عمل کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اس خوشی کی تین قسمیں ہیں ایک تو طبعاً جی خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ اس شخص نے مجھ کو اچھی حالت میں دیکھا۔ یہ خوش ہونا ایسا ہو جیسا لذیذ کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے۔ طبیعت کا مقتضا ہے کہ اچھی شے سے خوشی ہوتی ہے۔ غرض یہ فرحت تو آثار طبعیہ میں سے ہے اس کے ازالہ اور رفع کی قدرت نہیں ایسے خوش ہونے میں ملامت نہیں۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے کے دیکھنے سے اس لئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے نیک اعمال دیکھنے سے اس کو بھی توفیق ہوگی۔ اور اس کا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ یہ خوشی بھی مذموم نہیں۔ اسی واسطے بزرگوں کا قول ہے ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید (یعنی شیخ کا اظہار مرید کے اخلاص سے بہتر ہے) یہاں ریاء بمعنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اظہار چونکہ موجب نفع متعدی ہے کہ دوسرے دیکھ کر اقتداء کرتے ہیں۔ پس اس مقصد سے خوشی ہو تو یہ خوشی عبادت ہے۔ تیسرے خوشی اظہار عبادت پر اس لئے ہوتی ہے کہ ہماری نیک نامی ہوگی۔ اور لوگ ہمارے معتقد زیادہ ہوں گے۔ یہ ریاء ہے اور مذموم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے چونکہ یہ بھی کبر و عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس میں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام ہیں (جو کبر میں بیان ہوئے)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو

لہ دعوات عبدیت جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۱ لہ شمس الفضائل صفحہ ۱۱ لہ تبلیغ دین صفحہ ۷۶

اور التفات فرمائے گا تو ریاکاروں کو حکم دیگا کہ انھیں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کو نمازیں پڑھتے اور عبادتیں کرتے تھے دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں غازی، عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ، تعلیم و تعلم اور مشغلۂ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کریں گے حکم ہوگا کہ سب اعمال تم نے چونکہ محض دکھاوے اور نام کے لئے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے فلاں شخص بڑا عالم ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے سو یہ باتیں حاصل ہولیں کہ دنیا میں شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو غازی عالم اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہو چکا تو اب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو لہٰذا جاؤ جہنم میں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا۔ اس کو حق تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوش ہوش سنو اور عبرت پکڑو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص (نفل) روزہ رکھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے سر اور داڑھی اور ہونٹوں کو تیل سے چکنا کر لیا کرے تاکہ لوگ اس کو روزہ دار نہ سمجھیں۔ اور خیرات کیا کرے تو اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہہ کے طور پر یوں فرمایا تھا کہ "میاں گردن اوپر اٹھاؤ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے۔

طریق کار | اپنی طرف[1] سے نہ اظہار کا قصد کریں نہ اخفاء کا اپنے کام سے کام رکھیں اپنے اختیار[2] سے ہر کام میں رضائے حق کا قصد کریں اور اپنے اختیار سے

---

[1] ملفوظات ص۲۲۳ [2] انفاس عیسیٰ ص۱۶۶

رضائے خلق کا قصد نہ کریں بلا قصد کے اگر رضائے خلق کا وسوسہ یا خیال آئے تو اس کی مطلق پرواہ نہ کریں عمل[1] سے پہلے مراقبہ و محاسبہ کرتے رہیں کہ اس میں ہیرا کیا قصد ہے آیا مذموم ہے یا محمود اور اپنے کو کسی طبیب حاذق (یعنی مرشد کامل) کے سپرد کر دیں جو کچھ وہ تجویز کرے خواہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔ اس کی رائے کا اتباع کریں

طریق علاج

حُبِّ جاہ کو دل سے نکالیں کیونکہ ریا اسی کا ایک شعبہ ہے اور عبادات پوشیدہ کریں یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اس کے ازالہ کے لئے ازالۂ حبِّ جاہ کافی ہے اور طریق معالجے کا یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا رہا ہو اس کو خوب کثرت سے کریں۔ پھر نہ کوئی التفات کرے گا نہ اس کو یہ خیال رہے گا وہ چند روز میں ریاء سے عادت، پھر عادت سے عبادت اور اخلاص بن جاوے گی۔

گیارھویں فصل شہوت (یعنی خواہشاتِ نفسانی) کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى الآیہ

اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونیکا خوف کیا اور نفس کو خواہشات سے روکا پس تحقیق اس کے لئے جنت ٹھکانہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

واما المھلکات فھوی متبع (رواہ البیہقی)

رہے ہلکات سو وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے۔

---

[1] دعوات عبدیت صـ۱۲۲ ج ۱۰ تعلیم الدین صـ۲۷

حقیقت شہوت

خلاف شریعت امور کو پسند کرنا یا شہوت یا خواہش نفسانی ہے اس کا جو اعلیٰ درجہ ہے یعنی کفر اور شرک وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور جو ادنیٰ درجہ ہے وہ کمال اتباع سے ڈگمگا دیتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں اوّل بدعت جو علوم اور عقائد کے متعلق ہے دوسری معصیت جو اعمال کے متعلق ہے تیسری قسم رائے جو احکام تکوینیہ کے متعلق ہے اور ہر ہوا یعنی خواہش نفسانی میں یہ خاصیت ہے کہ راہِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ الآیہ

اور خواہشات نفسانی کا اتباع مت کرو یہ تم کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بے راہ کر دے گی۔

با ہوا و آرزو کم باش دوست — چوں یضلک عن سبیل اللہ اوست

تا ہوا تازہ است ایماں تازہ نیست — چوں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

تازہ کن ایماں نہ از گفت زباں — اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

خواہش نفسانی ایسی بُری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا معصیتیں ہیں جملہ شروں کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے یہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر نفس کو روکا نہ جائے تو کیا انجام ہوتا ہے اس نکتہ کو سب نے سمجھا ہے حتیٰ کہ وہ حاکم جس کو مذہب سے علاقہ بھی نہیں بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت ہیں دنیا ہی کی مصلحتوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے۔ چوروں کو چوری کرنے دے۔ زبردستوں کو

۱؎ ذم الہویٰ ص ۲۲ ۲؎ وعظ میرٹھ ص ۱۶۰

زیر دستوں پر ظلم کرنے دے غرض ہر شخص کو مخلی بالطبع کر دے کہ اپنی خواہش کیموافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہو گی قانون کیا ہے ملک کے افعال کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے فرض کرو کسی کو روپیہ کی ضرورت ہے کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اسکے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاتا اسی طرح دنیاوی انتظاموں کو دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی رد کرنے کی چیز ہے۔

دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے اگر غور کیا جائے تو سبب اسکا ضرور ایسا نکلیگا کہ منجملہ افرادِ خواہشِ نفسانی کے ہوگا فرض کیجئے نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا سو کر صبح کر دی آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہو تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کام میں لگا ہوا ہو اس کے آدھے بیچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کر دی یہ حبِ مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جبھی ہوگی کہ دوسری طرف توجہ ہو۔ توجہ کا ایک نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کی خواہش سے ہوتا ہے۔ غرض کسی نے ترکِ طاعت کیا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر بھی کچھ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الآیہ

شریعت کا اتباع کیجئے اور ان جاہلوں کی خواہش کا اتباع نہ کیجئے۔

لہ الشریعت ص۲۷

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں ہوں وہ خواہشیں اور رذائل نفسانی ہیں لَا یَعْلَمُوْنَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہاں مطلق علم کی نفی کر دی کہ خواہشات اس لئے مذموم ہیں کہ ایسیوں کا فعل ہے جو بالکل جاہل ہیں۔

طریق کار | نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ	کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی
حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ	خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسکو میں حق تعالیٰ
بِہٖ الحدیث[لہ]	کے پاس سے لایا ہوں یعنی شریعت۔

(لہٰذا) ہم تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیں عقائد ہوں تو شریعت کے موافق اور اعمال اخلاق معاشرات اور معاملات کی اصلاح کریں (کہ سب شریعت کے تابع ہوں اور) ہر چیز میں خیال رکھیں کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ معصیت اس سے ہو سکے تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اسکا نفع معلوم ہو سکتا ہے ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کریں کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائیں اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھیں نفس کو خواہشات سے روکیں مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو قطع کیا جائے جب سبب جاتا رہیگا مرض بھی نہ رہیگا جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ (کی منشاء) کے خلاف تو نہیں اور یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر (نیز) اس کے ترک کے لئے خوف معین ہو (اس لئے خوف الٰہی کی تحصیل ضروری ہے)

طریق علاج | مجاہدہ کرنا چاہئیے اس کا طریق مجاہدہ کے بیان میں معلوم ہو چکا۔

لہ منازعۃ الہوی ص۲۸ سے ص۳۱ وعظ میرٹھ ص۱۱ و ص۱۲ و ص۱۳ ملخصاً ص۱۳ تعلیم الدین ص۲۰

بارھویں فصل عجب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

[1] اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ الآیہ۔ جبکہ تمکو تمہارا زیادہ ہونا بھلا معلوم ہوا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَ اَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّهُنَّ رواہ البیہقی۔ لیے مہلکات سو وہ خواہش ہے جسکی پیروی کی جائے اور بخل ہے جس کیموافق عمل کیا جائے اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا اور یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

حقیقت عُجب اپنے کمال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہو جائے یہ عجب ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کا ایک خفی کید یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو حظ آتا ہے سو یہ عجب ہے اور عجب ایسی بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہو جاتا ہے البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہووے اور اس کے چھن جانے کا خوف بھی دل میں رکھے اور اتنا ہی سمجھے کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھ کو مرحمت فرمائی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے لے لے تو یہ خود پسندی اور عجب نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

---

[1] تعلیم الدین صفحہ ۸۴ [2] کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۱۱ [3] تبلیغ دین صفحہ ۱۲۶

عجب[1] میں صرف ایک قید کم ہے یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے باقی سب اجزاء وہی ہیں (جو تکبر کے ہیں)، اس میں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے اور وہی احکام (اور طریق کا ہے)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اتراتا ہوا چلتا ہے وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کریگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا (مسند احمد)

طریق علاج | اس[2] کمال کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کی استغناء اور قدرت کو یاد کر کے ڈرے کہ شاید سلب ہو جائے۔

تیرھویں فصل غضب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ[3] الآیہ

اور غصہ کے ضبط کرنیوالے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگذر کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَغْضَبْ[4] رواہ البخاری

غصہ مت کرو۔

حقیقتِ غضب | خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا غضب ہے اسکے درجات شریعت اور اخلاق کے بیان میں ملاحظہ ہوں[5]

---

[1] کمالات اشرفیہ ص۲۲ [2] تعلیم الدین ص۱۰۲ [3] بیان القرآن ص۳۲ ج۲ [4] تعلیم الدین ص۱۰۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے ایک روایت میں ہے قوی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو (یعنی غصہ پر غالب ہو یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشاء کے مطابق فوراً عمل کرے بلکہ اس کو شریعت کی تعلیم کے موافق استعمال کرے اس لئے کہ غصہ میں جوش پیدا ہونا طبعی امر ہے اس میں ملامت نہیں مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس کو روکنا چاہیئے اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسان کی سرشت میں داخل کیا ہے اس سے بہت سے کام نکلتے ہیں لیکن اختیار کو بھی ساتھ ساتھ رکھ دیا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام (شرعاً مامور) ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے۔

غصہ[1] فی نفسہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اقتضاء پر عمل کرنا اختیاری ہے اس لئے اس کا ترک بھی اختیاری ہے اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں۔ گو اس میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اسی استعمال کے تکرار و مداومت سے وہ اقتضاء ضعیف ہو جاتا ہے اور اس پر ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا۔ البتہ اس اختیار کے استعمال میں کبھی قدرے تکلف ہوتا ہے۔

طریق کار

حدیث[2] شریف میں ہے لَا یَقْضِیَنَّ قَاضٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ یعنی حاکم کو چاہیئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کر دے اور تاریخ بڑھا دے یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم اُستاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے

---

[1] غوائل الغضب ص۳ [2] انفاس عیسٰی ص۱۶۶ [3] کمالات اشرفیہ ص

(لہٰذا غصہ میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں کو کسی جرم پر بھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں، بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنیوالا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی طرف سے مطالبہ کریں گے لہٰذا سزا دینے کیوقت احتیاط لازمی ہے)

اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو کہ اس وقت عقل نہ رہتی ہو تو جس پر غصہ کیا جائے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اسکے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ قول یا فعل میں ہرگز تعجیل نہ کریں بتکلف اس تقاضے کی مخالفت کریں جب کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے حق میں زیادتی و تجاوز حدود شرعی سے ہو گیا ہو تو اس سے معاف کرائیں زبان سے اعوذ باللہ پڑھیں۔ اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں۔ جو بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے پانی سے وضو کر ڈالیں ٹھنڈا پانی پی لیں۔ فوراً کسی کام میں لگ جائیں بالخصوص مطالعہ کتب میں اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کردیں۔ جیسا موقع ہو۔

طریق علاج یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں اسکی نافرمانی بھی کیا کرتا ہوں اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچیں کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الٰہی سے مزاحمت کروں۔

لہ انفاس عیسیٰ ص۱۶۹، ۱۶۷، ۱۶۸ ملخصاً۔ کہ تعلیم الدین ص۱۷

۵ ثمرۂ اعمال!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ الآیہ

جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کیلئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

پس وہاں اخلاق اور اعمال حسنہ کا نعم البدل (انعام) اور معاصی پر بئس العوض (عذاب) دیا جاویگا یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا ثمرہ ملیگا جیسا کریگا ویسا بھریگا بدلہ سعی کے حصول (مقصود) کا وعدہ نہیں دین کے کاموں کیلئے سعی کرنی چاہئے کیونکہ مقصود کا حاصل دو امر ہوتے ہیں ایک مضرات سے بچنا اور دوسرا منافع کا حاصل ہو جانا چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جائے اور راحت کو حاصل کیا جائے اور ہر کام میں یہی قاعدہ ہے اس ثمرہ کی بنا اعمال پر ہے تو جیسے اعمال ہونگے ویسا ہی ثمرہ ہوگا پس اعمال کی تکمیل کا اہتمام کریں تاکہ ثمرہ کامل میسر ہو اور یہ یاد رکھیں کہ طلب مقصود ہے حصول مقصود نہیں کام کرتے وقت صرف کام کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر کام کرتے وقت ثمرہ کی طرف بھی توجہ ہے تو خود وہ کام بھی ٹھیک طور پر نہیں ہو سکتا مثلاً ایک شخص نے بی۔ اے کا امتحان دیا گو امتحان دینے سے اس کا مقصود نوکری ہے لیکن باوجود اس کے عین امتحان دیتے وقت وہ اسکا خیال بھی اپنے قلب میں نہیں لاتا بلکہ ہمہ تن امتحان کی طرف متوجہ رہتا ہے اگر امتحان دیتے وقت وہ نوکری کا خیال

لہ بیان القرآن صـ ۱۰۸/۱۰۷ لہ الکمال فی الدین صـ ۳ لہ الاسلام الحقیقی صـ ۸ لہ القول الجلیل ۹صـ

جماکر بیٹھے تو امتحان میں گڑبڑ ہوجائے گی تو مقصود کی طرف توجہ ہونا چاہیئے نہ کہ غیر مقصود کیطرف مقصود کے معنی ہیں قصد کیا گیا تو قصد اختیاری چیز کا ہوتا ہے اور کام اختیاری ہے ورثمرہ مثلاً تو کہہ ہی غیر اختیاری تو مقصود کام ہوا بس کام کئے جائیں البتہ حصول ثمرہ کے واسطے دعا کریں کہ ثمرہ کی بھی حاجت ہے۔

باب اول ثمرۃ من العبد یعنی عبدیت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ الآیہ

اور جن اور انسان کو میں نے صرف اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

حقیقت عبدیت ایمان وعمل کے کمال کا نام عبدیت یا غلامی ہے یعنی خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو بے چون وچرا ماننا اور کرنا اور اسکی رضا اور خوشی میں اپنی خواہش وخوشی وغرض کو فنا کردینا، بلکہ اگر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہم کو حقیقی غلامی کا تعلق ہے انسانی غلامی سے تو آدمی آزاد بھی ہوسکتا ہے برخلاف خدا تعالیٰ کی غلامی کے کہ اس کا طوق ہماری گردن سے کبھی نہیں نکل سکتا کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی صورت یہی ہے کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہیں اور خدا خدا نہ رہے۔

انسان کو جس بات کے حاصل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ یہی عبدیت کی حالت ہے یعنی دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اوامر ونواہی کو پورا کرکے عبدیت حاصل کرے۔ اور اوامر ونواہی کا تعلق ہی زیادہ تر افعال واعمال سے

لہ تصوف وسلوک ص۱۹۵

سے ہے خواہ وہ اصطلاحی عبادات ہوں یا معاملات و معاشرات و اخلاق سب کو پورا کرنا ہی عبدیت یا بندگی ہے، اور کمال عبدیت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور حق تعالیٰ جو تصرف اسکے اندر کرے اس پر راضی رہے۔

علیٰ ہذا عبد کی حیثیت سے ہم کو اوامر و نواہی کے اسرار و مصالح معلوم کرنے کا بھی حق نہیں نہ اسکی فکر میں پڑنا چاہیئے بس جو حکم ہو بے چون و چرا ماننا اور پورا کرنا اور اس کو عین حکمت و مصلحت جاننا چاہیئے بلکہ اگر خلاف مصلحت بھی ہو تب بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں کیونکہ ہم عبد یا غلام ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ پر اشکال کیا گیا کہ جن و انس کی تخصیص کی کیا وجہ عبادت تو ساری مخلوق ہی کرتی ہے حضرت نے فرمایا کہ ایک نوکر ہے ایک غلام نوکر کا کام معین ہوتا ہے خواہ ایک یا متعدد مثلاً باورچی کے لئے کھانا پکانے کی خدمت معین یا مکان پر بازار اور گھر کے کام کے لئے کوئی نوکر ہے تو جس خدمت کے واسطے یہ نوکر ہیں ان سے وہی خدمت لی جا سکتی ہے خود آقا بھی اس کا لحاظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ اگر آقا باورچی سے کہے کہ یہ خط لے کر گنگوہ یا کسی دوسرے شہر چلے جاؤ تو نوکر (باورچی) ضابطہ سے انکار کر سکتا ہے۔

اور غلام کی کوئی خدمت معین نہیں تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا حکم ہو جائے چنانچہ ایک وقت اس کو آقا کا پاخانہ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک وقت میں آقا کی وردی پہن کر آقا کا قائم مقام ہو کر جلسہ یا دربار میں جانا پڑتا ہے غرض غلام کو کسی وقت کسی خدمت سے بھی انکار نہ ہوگا اسی طرح جن و انس کے سوا تمام مخلوق

له انفاس عیسیٰ ص۲۲۳ که تصوف و سلوک ص۱۹۶، ۲۰۴ تا ۲۰۵

کی طاعت معین ہے ہر شے مخلوقات میں سے ایک خاص کام پر مقرر ہے کہ اسکے
سوا اس سے دوسرا کام نہیں لیا جاتا مگر انسان کی کوئی خدمت مقرر نہیں چنانچہ
ایک وقت میں انسان کا سونا عبادت ہے اور ایک وقت میں پاخانہ پھرنا بھی عبادت
ہے مثلاً جماعت تیار ہو اور پاخانہ کا زور ہو تو اس وقت پیشاب وغیرہ سے فراغت
حاصل کرنا واجب ہے اور نماز پڑھنا ممنوع ہے اسوقت بیت الخلاء جانا ہی عبادت ہے
ایک تو یہ حالت ہے اور ایک وقت انسان کی یہ شان ہے کہ مظہر حق بنا ہوتا ہے بس
وقت اس کی زبان سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی
انسان کی ہے عبد شدن کے لئے انسان ہی ہے باقی تمام مخلوق ذاکر و شاغل ہے
مگر عابد صرف انسان ہے لہٰذا اس کا لازمی اقتضاء یہ ہے کہ یہ کسی خاص حالت
اور کسی خاص کام کو اپنے لئے تجویز نہیں کر سکتا بلکہ حضرت حق سبحانہ جس حالت
میں بھی رکھیں اسی میں اس کو رہنا چاہئے کمبل اڑھائیں تو کمبل اوڑھے دوشالہ اڑھائیں
تو دوشالہ اوڑھے بھوکا رکھیں تو بھوکا رہے گھی دودھ کھلائیں تو گھی دودھ کھائے
یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔

غرض تفویض کلی عبدیت ہے اور اپنی تجویز سے امتیازی شان بنانا عبدیت کے
بالکل خلاف ہے مثلاً جب حق تعالیٰ کھانے پینے کو اچھا دیں اس وقت خستہ
حالت میں رہنا ناشکری نعمت کی بے قدری اور خلاف اطاعت ہے کیونکہ
جیسے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے نوکروں کو تنخواہ دو کھانا کپڑا دو ویسے ہی یہ بھی
حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو بھی راحت دو بس جیسے نوکر خدا تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے
تمہاری جان بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے اس لئے تم کو اپنے اندر بھی بدوں

اجازت کسی تصرف کا حق نہیں اگر نوکر کو حکم الٰہی سے کھانا کپڑا دیتے ہو تو اسی آقا کے حکم سے تم اپنی خدمت بھی کرو کیونکہ تمہاری جان بھی خدا تعالیٰ کی ہے غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کام کرے۔

طریق کار اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرات اور اخلاق جملہ ضروریات دین میں شریعت کے اصول کے مطابق عمل کریں اور یہی کمال عبدیت ہے

باب دوم ثمرہ من الحق!

پہلی فصل رضائے الٰہی کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ الآیہ — اور اللہ تعالیٰ کی رضا بڑی چیز ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَ جَنَّتَكَ الحدیث — اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں

حقیقت رضا حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہو جانا[1] جس کا خاصہ ایک خاص نجذاب ہے جس کے لوازم میں سے سہولت اطاعت اور حضور دائم ہے اور یہ محض موہوب ہے کیونکہ کسی عمل صالح میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کافی ہو سکے گو عادۃ اللہ یہ ہے کہ محض اپنے

---

[1] اشرف المسائل صفحہ ۱۲ انفاس عیسیٰ صفحہ ۶ عہ آشتی

فضل سے اپنی رضا کو اعمالِ صالحہ پر مرتب فرما دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہ جائیگا بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے جائیگا اور یہ نسبت مع اللہ عادۃً پھر کبھی زائل نہیں ہوتی۔ جیسے بالغ ہونے کے بعد صفتِ بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ کو صوفیہ نے بعنوان فنا تعبیر کر کے فرمایا ہے کہ الفانی لا یرد[1] یعنی فانی و واصل کبھی مردود نہیں ہوتا اگر یہ شبہ ہو کہ بعد وصول و حصول نسبت کے بھی تو معاصی کا صدور ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے پھر رضائے دائمی کا تحقق کہاں رہا تو سمجھ لو کہ گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکر رنجی بھی نہ ہوگا ہے گاہے شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے لیکن تدارک کے بعد پھر ویسا ہی تعلق ہو جاتا ہے بلکہ دراصل اس خفگی کے زمانہ میں بھی دوستی کا اصل تعلق بدستور قائم رہتا ہے وہ زائل نہیں ہوتا شکر رنجی محض عارضی ہوتی ہے۔ مثلاً تکمیل صحت کے بعد ضرور نہیں کہ اس حالت میں بھی کبھی بخار بھی نہ ہو۔ یا کبھی اگر بدپرہیزی کرلے تو اس سے نقصان نہ ہو بدپرہیزی سے ضرور نقصان ہوگا۔ لیکن محض عارضی تدارک کے بعد پھر وہی حالت غالبہ صحت کی عود کر آئے گی۔ یا مثلاً درسیات کے فراغ کے بعد ضروری نہیں کہ کبھی کسی مقام پر اٹکے ہی نہیں۔ کہیں کہیں بعد فراغ کے بھی اٹکتا ہے لیکن ذراسی توجہ سے چل نکلتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ یہاں رضا کو اکبر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہی رضا بڑی چیز ہے اس اکبر کی تحصیل کا ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہیئے فرماتے ہیں وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (اور البتہ اللہ کا ذکر اکبر ہے) معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے اور تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے کہ حبّ بندہ

---

[1] اشرف المعارف ملحقہ ۵ تصوف و سلوک ص ۲۶۵

اعمالِ صالحہ اختیار کرتا ہے اسوقت اللہ تعالیٰ کی توجہ اس پر منعطف ہوتی ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِلٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔ الآیہ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہیں گے ۔

ان آیات میں رضا کو ایمان و اعمال صالحہ پر ہی مرتب فرمایا ہے ۔[1]

لہٰذا اول یہ کہ مکلف اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح کرے بالخصوص اعمال باطنہ کی اصلاح زیادہ اہم اور دشوار ہے جب اعمال صالحہ ظاہرہ و باطنہ پر معتدبہ مدت تک مواظبت رہتی ہے تو رفتہ رفتہ ان اعمال میں سہولت ہونے لگتی ہے اور ایک کیفیت راسخہ پیدا ہو جاتی ہے اس سہولت ہی کیلئے تمام مراقبات، ریاضات مجاہدات، اذکار و اشغال مقرر کئے گئے ہیں باقی اصل چیز اصلاحِ اعمال ظاہرہ و باطنہ ہی ہے جس پر نسبت حقیقی مرتب ہوتی ہے جب بندہ اعمال صالحہ ظاہرہ و باطنہ پر مداومت کرتا ہے تو حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ رضائے دائمی کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور نسبت مع اللہ کی یہی حقیقت ہے جب تک عمل میں لگے ہو رضا حاصل ہے اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے چاہے وصال ہو یا نہ ہو کیفیات ہوں یا نہ ہوں ۔

طریق کار طاعات میں صرف خدا تعالیٰ کو مطلوب سمجھیں کیفیات کو ہرگز مطلوب نہ سمجھیں بلکہ جس کو وصال سمجھ رہے ہیں اس پر بھی نظر نہ کریں کہ ہم کو یہ وصال نصیب ہوگا یا نہیں صرف عمل کو مقصود سمجھیں ہمت سے اسی میں لگے رہیں اور زبان حال سے یوں کہتے ہیں ؎

---

۱ انفاس عیسیٰ ص۵۰ ۲ تقلیل المنام ص۲۶

یابم اورا یا نہ یابم جستجوئے می کنم — حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

اور سے

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق — ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست
ارید وصالہ ویرید ہجری — فاترک ما ارید لما یرید

دوسری فصل قرب و وصول کا بیان!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ الآیۃ — آگے بڑھ جانیوالے، آگے بڑھ جانے والے وہی تو مقربین ہیں۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ہرولۃ او کما قال — جو شخص میری طرف ایک بالشت میں کرتا ہو میں اسکی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ چلتا ہے اسکی طرف بڑھ کے دو ہاتھ آتا ہوں اور جو میری طرف چلکر آتا ہو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

حقیقت قرب | قرب کے مختلف درجات ہیں ایک قرب تو حقیقی ہے جس کا حاصل اس جانے سے کر یوں یا ذرا کہ حقیقت سے یا اسی کے ہم معنی جس لفظ سے چاہو کرو سو قرب حقیقی تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ

حق تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہیں تو مل جانے کو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے اور احاطہ حقیقت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ کو چاہتا ہے اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لا متناہی پھر متناہی لا متناہی کو کیسے محیط ہو سکتا ہے اس لئے قرب بایں معنی تو ہو نہیں سکتا کہ اتصال ہو جاوے یا ادراک حقیقت ہو جاوے اور ایک قرب مجازی ہے جس کا حاصل رفع یا تقلیل حجب ہے اور ان کے علاوہ ایک قرب علمی ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (۱) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ الآیہ دوسرے قرب تعلق خصوصیت جیسے اردو میں ہم کبھی یوں کہتے ہیں کہ میں پاس ہوں کہو کیا کہتے ہو یعنی سن رہا ہوں اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی و قرب سماعی کا بیان مقصود ہے اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں کہ فلاں تو ہمارا قریب ہے یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے نیز کہتے ہیں کہ تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ
بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا
وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ الآیہ

اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دے ہاں مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے نیک عمل کا دونا صلہ ہے اور وہ بہشت کے بالاخانوں میں چین سے ہوں گے۔

اس آیت میں قرب سے مراد قرب رضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا۔ جو بعض

۱؎ تصوف و سلوک ص ۱۹۳ ۲؎ عدم حجابات کا اٹھ جانا یا کم ہو جانا ۳؎ تصوف و سلوک ص ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳ ملتقطاً

کو حاصل ہوتا ہے قرب علم مراد نہیں کیونکہ وہ مومن و صالح کے ساتھ خاص نہیں
نیز اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت (قرب) کا پتہ اور
اس کے حصول کا طریقہ بتلایا ہے اور جو غلطیاں اس میں واقع ہوتی ہیں ان پر تنبیہ فرمائی
ہے یعنی مال و اولاد جس کی تحصیل کے پیچھے لوگ پڑے ہیں یہ قرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتے
بلکہ اس کے ذرائع ایمان و عمل صالح ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان و عمل صالح میں وہی
درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص (تو ادنیٰ سے ادنیٰ مومن کو بھی حاصل ہے
وہ) پورا پسندیدہ نہ ہوگا اور جو پورا پسندیدہ نہ ہو وہ پسندیدہ رضا کا ذریعہ کیسے بن
سکتا ہے (مطلب یہ کہ قرآن مجید کی رو سے جو قرب مطلوب ہے اور جس کو
اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ میں انسانیت کا بلند ترین مقام قرار دیا گیا ہے وہ کمال ایمان
یا بالفاظ دیگر کمال دین ہی کا نام ہو سکتا ہے اس لئے اگر اصطلاحاً علم احسان کی طرح
تصوف کا دوسرا نام علم قرب رکھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اس اعتبار سے بالکل
صحیح ہے کہ اسلامی تصوف چونکہ نام ہی احسان یا کمال دین کا ہے اور اسی کمال
دین کے درجہ کا قرآنی نام قرب ہے یعنی کامل ایمان و عمل صالح یا کمال دین خصوصاً
جب وہ امر طبعی کا سا حال بن جائے کہ دینی زندگی اور دینی احکام کی اطاعت طبیعت
بن جائے اور زندگی کی ہر حرکت و سکون میں وہی بات بالطبع پسند ہو اور کرنے کو
جی چاہے جو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند اور انکی مرضی ہو۔

تو اصل مقصود رضا ہے محض وصول مقصود نہیں یعنی جو وصول یا قرب حق
تعالیٰ کی رضا کے ساتھ نہ ہو وہ مقصود نہیں (اس لئے کہ) قرب کبھی بصورت
بُعد ہوتا ہے اور کبھی بصورت قرب ہوتا ہے اس کی مثال ہمارے معاملات دنیوی

میں ایسی ہے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہِ وقت سے دور ہے مگر بادشاہ نے اسکو کسی عہدہ جلیل القدر اور خطابات سے نوازا ہے اور شب و روز شاہی عنایات و الطاف اس پر متوجہ ہیں گو یہ شخص صورۃً بادشاہ سے بعید ہے مگر فی الحقیقت قریب ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جو جرائم شاہی کا مرتکب ہے جس کی وجہ سے بادشاہ اس سے سخت ناراض ہے اور حکم ہے کہ اس کو جہاں پاؤ گرفتار کرو چنانچہ حسب الحکم شاہی وہ بادشاہ کے روبرو حاضر کیا گیا پس یہ شخص گو ظاہراً قریب ہے۔ مگر واقع میں یہ بعید و مردود ہے اسی طرح وصول وہی مقصود ہے جو رضا کے ساتھ ہو۔

قرب کی کوئی حد نہیں ہر درجہ کے آگے بھی درجات ہیں اور ظاہر ہے کہ قرب طبعاً محبوب ہے تو اس کا ہر درجہ محبوب ہے خصوصاً عشاق کو کہ وہ تو اگر جان لیں کہ قرب کے اور بھی درجات ہیں تو ان کو موجودہ حالت پر کبھی صبر نہیں ہو سکتا۔

نہ گویم کہ بر آب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

غرض زیادتِ قرب سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔

تو اب سمجھئے کہ عالم ارواح میں قرب تو تھا مگر ایک خاص حد تک ہی تھا بڑھتا نہ تھا کیونکہ قرب جانبین کے تعلق سے بڑھتا ہے اور حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ ان کو بندہ کے ساتھ تعلق اس وقت بڑھتا ہے۔ جب بندہ کی طرف سے طلب ہو اور طلب کی حقیقت ہے عمل وہاں عمل تھا ہی نہیں اس لئے قرب بڑھتا نہ تھا اس لئے عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیجا کہ طلب سے عمل پیدا ہو اور اس سے ترقی کا دروازہ کھلے جیسا کہ حدیث قدسی (مذکورہ بالا) میں خود فرماتے ہیں غرض مزید قرب کے لئے طلب اور طلب کے لئے سعی کی ضرورت ہے اور وہ

لہ افاضات الیومیہ ہفتم صد لہ تصوف و سلوک صد

قرب جس کو قصد سے حاصل کیا جاتا ہے ایسے ہی اعمال سے حاصل ہوتا ہے جو اختیاری ہیں پس عالم ارواح میں اعمال سے مطلقاً محرومی تھی کیونکہ وہاں اعمال پر قدرت ہی نہ تھی وہاں ہم ناقص تھے حق تعالیٰ کو زیادہ قرب عطا فرمانا منظور تھا اس لئے یہاں عالم ناسوت میں بھیجا یہ بھی قرب بصورت بُعد ہے۔ کیونکہ بہت سے اقسام قرب وہ ہیں جو بصورت صلوٰۃ اور بصورت صوم پر موقوف تھے بعض قرب وہ ہیں جو صورت حج پر موقوف ہیں یہ روح مجرد کو بدون جسم کے کیونکر حاصل ہوتے۔

وہاں چہرہ ہی نہیں تو نماز میں وضع الجبہہ کیسے ہوتا اس کو بھوک پیاس بھی نہیں تو روزہ کیسے ہوتا اور طواف بیت اللہ کیسے ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ تو روح ان اقسام قرب کی تحصیل سے بالکل عاجز تھی اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا گو بصورت عتاب تھا مگر حقیقت میں عنایت تھی کہ حق تعالیٰ نے یہاں بھیج کر ہمارے لئے ترقی کی راہیں کھول دیں رات دن جتنی ترقی چاہو۔ اعمال کے ذریعہ کر سکتے ہو کوئی اس کے لئے حد ہی نہیں کسی درجہ پر پہنچ کر ترقی بند نہیں ہوتی۔ عاشق کو بھلا اس پر کہاں چین آ سکتا ہے کہ محبوب کے سامنے ہو اور یہ کہدے کہ خبردار آگے نہ بڑھنا وہ تو چاہتا ہے کہ محبوب سے لپٹ جاؤں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ وہ مجھ سے لپٹ جائے۔ لپٹنے میں یہی ہوتا ہے کہ محبوب عاشق کو غایت قرب کے ساتھ اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے سو قرب تو نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وغیرہ سے ثابت ہو چکا باقی احاطہ سو وہ بھی موجود ہے خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ــ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

بڑی تسلی کی بات ہے ان جذبات کو اہل عشق خوب سمجھتے ہیں گو مجازی ہی ہوں۔

لہ العبد والود جلد ۲ تا ۱۰ ملحقہ تصوف و سلوک ص ۲۱۳

مقصود[1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی مندرجہ بالا میں واضح کر دیا کہ، جو میری طرف ذرا بھی توجہ کرتا ہے میں اسکی طرف دو چند اور سہ چند توجہ کرتا ہوں واقعی سچ ہے اگر اللہ تعالیٰ اتنی توجہ اور رحمت نہ فرمائیں تو انسان کی کیا مجال تھی جو ان تک پہنچ سکے آخر انسان کو خدا تعالیٰ سے نسبت ہی کیا ہے یہ صرف انہی کی عنایت ہے جو کچھ حصہ معرفت وغیرہ کا انسان کو عطا ہو جاتا ہے واقعی وہ غیر متناہی مسافت ہے جسکا قطع کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن وہ کیونکر قطع ہوتی ہے۔ سنئے ؎

خود بخود آں شاہ ابرارے آید نہ بزور و نہ بزاری نہ بزرے آید

یعنی وصول کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ابتداءً تو سالک میں اور محبوب حقیقی میں غیر متناہی مسافت ہوتی ہے جس کو سالک طے نہیں کر سکتا مگر جب یہ چلنا شروع کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے ضعف پر رحم فرماتے ہیں کہ اتنی لمبی مسافت اس سے قطع نہ ہوگی۔ اب وہ خود بھی چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور ان کو اس مسافت کا طے کرنا کچھ بھی مشکل نہیں تو وہ خود اس کے نزدیک آ جاتے ہیں اسی طرح وصول ہو جاتا ہے پس حقیقت میں بندہ واصل نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں مثلاً آپ کا ایک شیر خوار بچہ ہو جو آپ سے دور کھڑا ہو۔ آپ اس سے کہتے ہیں کہ دوڑ کر چلے آؤ۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اتنی مسافت یہ طے نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی اس کو بلاتے ہیں اب بچہ ہمت کر کے ایک دو قدم چلتا ہے اور گر پڑتا ہے اور رونے لگتا ہے اس وقت باپ کو خود جوش آئے گا اور وہ دوڑ کر خود آوے گا اس کو گود میں اٹھا لے گا یہی صورت سلوک باطن کی ہے کہ اول تم اپنی ناتمام طلب اور سعی ظاہر کرتے ہو وہ تمہاری وہ سعی ہرگز وصول کیلئے کافی نہیں تھی۔ مگر جب تم دو قدم چل کر گر پڑتے

---

[1] الکمال فی الدین صفحہ ۲۲

ہو اسوقت حق تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا ہے وہ خود اگر گلے لگا لیتے ہیں مگر ہاں اس کی ضرورت ہے کہ بچہ کی طرح ایک دو قدم چل کر رونا تو شروع کرو یعنی عجز و عبدیت کا اظہار کرو) مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی است آنجا رود — ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے دوا آنجا رود — ہر کجا رنجے شفا آنجا رود
گر نہ گرید طفل کے جوشد لبن — گر نہ گرید ابر کے خندد چمن

قربِ نوافل و قربِ فرائض جب بندہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے تو اسکی صفاتِ رذیلہ (شہوت و غضب کے بے جا یا محرکات) زائل ہو جاتے ہیں اور نفس میں حُبِ مرضیاتِ حق اور بغض نامرضیاتِ حق کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اعمال حسنہ بلاجوڑہ بے تکلف صادر ہوتے ہیں اور اعمال قبیحہ و ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا

(رواہ البخاری)

اور میرا بندہ برابر مجھ سے بذریعہ نوافل قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو لیتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

لہ التکشف ص۲۳

مطلب یہ کہ اکثر اس کے جوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا پس گویا میں سارا ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں

چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے اس لئے صوفیائے کرام نے اس کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاوے اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر وارد ہے اور مجاہدہ وریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات۔ اس لئے صوفیہ حدیث کی پیروی میں اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات وافعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہے۔ اس لئے فنا صفت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا قرب اعلیٰ درجہ کا ہے یعنی عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنی قدرت وارادہ کو قدرت وارادہ حق کے روبرو ذوقی طور پر کالفانی وکالعدم جاننے لگے اور افعال واعمال میں بمنزلہ آلہ محضہ کے ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کی موثریت مستقلہ پیش نظر ہو جاوے اس مرتبہ کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بن جاوے۔ اور چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول میں صرف فنار رذائل تھا فنائے اختیار نہ تھا اور اس میں فنائے اختیار ہے اس لئے اس سے اعلیٰ ہوا۔ اور حدیث میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ وافضل کہا گیا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کا مشبہ کا اول جزو یہ ہے:۔

وما تقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیہ (بخاری)	اور میرا بندہ میرا کسی ایسے ذریعہ سے قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ان کے فرض سے زیادہ محبوب ہو

اس لئے حدیث ہی کی موافقت میں صوفیہ اس کو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت و اختیار کبھی نظر نہیں رہی اس لئے اس کو فنائے ذات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

طریق کار

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک بار حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا رب دلنی علی اقرب الطرق الیک یعنی خداوندا مجھے اپنے تک پہنچنے کا نزدیک ترین راستہ بتلا دیجئے۔ جواب ارشاد ہوا یا بایزید دع نفسک و تعالیٰ یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دو۔ اور آ جاؤ۔

اپنے اوپر نظر کرنا چھوڑ دیں۔ اپنے کو نیست و نابود سمجھیں۔ تکبر کو دماغ سے نکال دیں خدا تعالیٰ کے احکام میں منازعت نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان یہی خودی حائل ہے اگر یہ نکل جائے تو بس واصل ہو گئے اور جب تک یہ باقی ہے اس وقت تک وصول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنی عاجزی اور ناتوانی کا مشاہدہ کریں۔ حق تعالیٰ کے سامنے الحاح و التجا کریں۔ تواضع پیدا کریں مطلب یہ کہ تفویض کلی اور عبدیت کاملہ اختیار کریں کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں حمیدہ پیدا ہو جائیں معاصی چھوٹ جائیں طاعت کی توفیق ہو جائے غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ کہ

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یعنی ہمیشہ احکام الٰہی پر نظر رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں پھر توجہ جانبین سے قرب کی وہ حالت ہوگی۔ جس کو شاعر کہتا ہے ؎

۱؎ العبد الربانی ص[illegible] ۲؎ انفاس عیسیٰ ص[illegible] ۳؎ العبد الربانی ص[illegible] ۴؎ الکمال فی الدین ص[illegible] ۵؎ کمالات اشرفیہ ص[illegible] ۶؎ تصوف و سلوک ص۲۴۲

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے   تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

۵ ذرائع

ذریعہ اور مقصود یہ دونوں الفاظ محاورات اور رات دن کی بول چال میں استعمال کئے جاتے ہیں لیکن ان الفاظ کو بولنے والے بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو ان کے حقیقی معانی اور مطالب کو سمجھتے ہیں یا نہ سمجھی کے باعث ذریعہ کو مقصود اور مقصود کو ذریعہ بنا دیتے ہیں یعنی ذریعہ کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو مقصود کے ساتھ کیا جاتا ہے اور مقصود کے ساتھ ذریعہ جیسا برتاؤ کرتے ہیں اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کرنے کے باوجود بھی منزل حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے کہ جس کو مقصود سمجھ کر حاصل کرنے کے درپے ہیں وہ حقیقت میں ذریعہ ہے اور مقصود سے کوسوں دور۔

غور کیجئے کہ ہمیں دنیا میں کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ چیز کس طرح حاصل ہوتی ہے پس وہی ضروری چیز مقصود ہے اور اس کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ ذریعہ ہے اور ذریعہ اسی وقت کار آمد ہوتا ہے جبکہ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً سیڑھی اگر چھت پر چڑھنے کا ذریعہ ہے تو سیڑھی کا بنانا درست ہے اور ضروری ہے لیکن اسی شرط سے کہ چھت پر چڑھنے کے کام میں لائی جائے نہ یہ کہ سیڑھی بنا کر احتیاط سے گھر میں رکھ لی جائے اور اس کو مقفل کیا جائے اور اس کو استعمال نہ کیا جائے یا بہت سی سیڑھیاں بے ضرورت بنا بنا کر گھر میں رکھ لی جاویں دعلیٰ ہذا وہ اعمال جو خود مقصود نہیں بلکہ مقاصد کیلئے ذریعہ ہیں تو اسی درجہ تک ان کو اختیار کرنا چاہئے جس درجہ تک مقصود کے حصول میں ان کو

لہ الباطنہ ص۱۵۷

دخل ہے اور اگر اس حد تک اختیار کیا جائے کہ مقصود فوت ہونے لگے تو یہ مذموم ہے اسی طرح مجاہدہ حکمیہ یعنی تقلیل الطعام تقلیل المنام تقلیل الکلام اور تقلیل الاختلاط مع الانام اسلئے اختیار کیا جاتا ہے کہ مجاہدہ حقیقیہ یعنی طاعات کا بجالانا اور نافرمانی سے بچنا جو مقصود ہے کے حصول میں سہولت ہو جائے یہ تو درست اور محمود ہے اور اگر صورت یہ ہو کہ مجاہدہ حقیقیہ سے بیفکر ہو جائے کہ نہ طاعات کا پاس ہو اور نہ نافرمانی سے اجتناب تو یہ ناجائز اور مذموم ہوگا۔

اس کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ اہل سلوک کے نزدیک ذرائع دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق معدہ سے ہے اور دوسرے وہ جن کا تعلق فعل سے ہے ان دونوں اقسام کو الگ الگ ابواب میں بیان کیا جاتا ہے۔

باب اول متعلق معدہ یعنی مجاہدہ حکمیہ کا بیان۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الآیہ۔ — جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ اور ریاضت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھلا دیں گے۔

اس آیت میں اس مجاہدہ کے تحت ہدایت سبیل کا وعدہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی شریعت کے مطابق کیا جاتے مجاہدہ تو جوگی اور راہب بھی کرتے ہیں مگر ان کو وصول نصیب نہیں ہوتا کیونکہ انکا مجاہدہ خلاف شریعت ہے۔

مجاہدہ کی حقیقت ارتکاب طاعات و اجتناب معاصی ہے جیسا کہ جلد اول میں ریاضت و مجاہدہ کے باب میں بالتفصیل بیان ہو چکا، مگر اہل سلوک نے

لے تقلیل الطعام ھذا ۲۳۰ ۲۳۱

بالاجماع مجاہدہ کی ایک قسم اور بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کے چار رکن ہیں، تقلیل طعام، تقلیل منام، تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط مع الانام یہ حضرات طبائع کے خواص کیفیات کو خوب جانتے ہیں جیسا کہ اطباء ظاہر اجسام کے خواص وکیفیات کو خوب جانتے ہیں، تو ان حضرات نے طبائع بشری کی خاصیت پر نظر کر کے یہ دیکھا کہ مجاہدہ مطلوبہ (یعنی ارتکاب طاعات واجتناب معاصی) میں بغیر ان ارکان اربعہ کے سہولت نہیں ہوتی گو یہ چاروں فی نفسہ مباح ہیں مگر ایسے مباح کہ تمام گناہوں کا سلسلہ نسب انہی تک پہنچتا ہے اس لئے ان کے ترک (یعنی تقلیل) کو مجاہدہ میں داخل کیا (یعنی) مجاہدہ حقیقیہ تو ارتکاب طاعات واجتناب معاصی ہی کا نام ہے اور اس معنی کر یہ ارکان اربعہ مجاہدہ میں داخل نہیں تھے مگر چونکہ اجتناب معاصی عادۃً انہی پر موقوف ہے اس لئے حکماً یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہو گئے اور چونکہ مقدمہ ہونے کے یہ حقیقی ہی کے حکم میں ہے اس لئے اس کے فضائل بھی وہی ہیں جو حقیقی کے فضائل ہیں اور اس کا اہتمام بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا حقیقی مجاہدہ کا اہتمام ضروری ہے اس مجاہدہ حکمیہ کو غیر ضروری سمجھنا زاہدان خشک کی غلطی ہے جیسا کہ حقیقی مجاہدہ کا اہتمام نہ کرنا جہلاء صوفیہ کی غلطی ہے۔

مجاہدہ میں جس طرح ایک طرف افراط کی بے اعتدالی یہ ہے کہ ساری زندگی حظ نفس کی نذر کر دی جاتی ہے اسی طرح تفریط کی بے احتیاطی یہ ہے کہ انہوں نے مجاہدہ کا مطلب جوگیوں اشراقیوں کی طرح یہ سمجھ رکھا ہے کہ حقوق نفس کو بھی فنا کر دیا جائے بلکہ روحانی نجات نام اسی کا رکھ لیا ہے کہ اس مادی وجسمانی زندگی ہی میں مادی و جسمانی حاجات سے نجات حاصل کر لی جائے اسی طرح بعض صوفی بھی اسمیں مبتلا ہیں کہ

لہ تقلیل الطعام ص ۳۶، ۳۷، ۳۴ ؎۲ تصوف وسلوک ص ۱۱۔

جس قدر نفس کی مخالفت ہوگی خداتعالیٰ زیادہ راضی ہوں گے اگرچہ وہ مخالفت نفس شریعت کیخلاف ہی ہو چنانچہ بعضوں کو خبط ہوگیا ہے کہ اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیتے ہیں اسی طرح بعضے سرد پانی نہیں پیتے بعضے چارپائی پر نہیں سوتے لیکن اس سے ان لوگوں پر شبہ نہ کیا جائے جنھوں نے نفس کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں اول تو وہ حضرات حدِ اباحت سے تجاوز نہ کرتے تھے پھر وہ بھی بطور علاج کرتے تھے عبادت و ذریعہ قرب نہیں سمجھتے تھے جیسے کوئی شخص کسی مرض کیوجہ سے حلوہ کھانے برائے چندے چھوڑ دے کہ وہ اس کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ ذریعہ حصول صحت سمجھتا ہے اور اگر کوئی اسکو ثواب سمجھکر کرے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا کہ اسنے قانون شریعت میں ایک دفعہ کا اضافہ کر دیا اور بدعت کے قبح کا یہی راز ہے لیکن ان حضرات نے صرف بطور علاج کے ترک کر دیا بخلاف جہلاء کے کہ اس کو دین و عبادت اور ذریعۂ قرب سمجھ کر کرتے ہیں۔

بہر حال نفس کو راحت پہنچانا اور اس کے حقوق ادا کرنا بھی ضروری ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے ہر چیز کی حد مقرر کر دی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رات کو بہت جاگتے تھے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کو روکا۔ آخر مقدمہ دربار نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان ٹھیک کہتے ہیں۔ اور یہ ارشاد فرمایا ان لنفسک علیک حقا الخ۔

(بلاشبہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے)

اور راز اس میں یہ ہے کہ کوئی چیز حتیٰ کہ اپنا نفس بھی ہمارا ملک حقیقی نہیں کہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں بلکہ یہ سب سرکاری چیز اسی ہیں۔ سرکاری

لہ سیرۃ الصوفی ص

حد سے زیادہ کام لینا یا سرکاری اُصول کے خلاف اسکی بیقدری کرنا جائز نہیں اسی طرح ہاتھ پاؤں دماغ یہ سب سرکاری مشینیں ہیں جنکو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اگر ہم اپنی بے اعتدالی سے انکو بگاڑیں گے تو خود مورد عتاب و مستوجب عذاب بنیں گے اور اگر اپنے دل و دماغ اور آنکھ کی حفاظت اس نیت سے کریں گے کہ یہ ہمارے مولی کی سپرد کی چیزیں ہیں انکی عزت و حرمت خدمت و حفاظت ہم پر بوجہ عبد و خادم ہونے کے ضروری ہے تو اس میں ثواب بھی ملیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید العاشقین ہیں مگر آنکھوں کی آپ بھی خاطر فرماتے تھے کہ سرمہ کی تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری میں اسی طرح کبھی آپ سے یہ ثابت نہیں کہ رات بھر جاگے ہوں اور آپکے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر کچھ حق ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ہماری نہیں ورنہ ہم کو ان میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا بلکہ سرکاری چیزیں ہیں جن کے کچھ حقوق سرکار نے مقرر فرمادئے ہیں جنکی رعایت ہمارے ذمہ ضروری ہے اس لئے عارف اپنی جان میں خلاف حکم کوئی تصرف نہیں کرتا جہاں حکم شریعت ہوتا ہے وہاں تو وہ جان کی پرواہ نہیں کرتا اور جہاں حکم نہیں ہوتا یا ممانعت ہوتی ہے۔ وہاں جان کی حفاظت کرتا ہے حدیث شریف میں ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا مناسب نہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان اپنے کو خود ذلیل کیسے کرتا ہے فرمایا کہ ایسی بلا اپنے سر دھرے جسکے تحمل کی اسے طاقت نہیں۔ سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے کہ کام اتنا ہی اپنے ذمہ لو۔ جس کو کرسکو۔

لے تقلیل الطعام صہ

خستگاں را چوں طلب باشد و قوت نبود
گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

طفل را گو ناں دہی بر جائے شیر
طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

اور فرماتے ہیں ؎

چار پارا قدر طاقت بار نہ
بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

حضور[1] ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات پوچھے انہوں نے ظاہر فرما دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ آپ رات کو کچھ دیر سوتے ہیں کچھ دیر جاگتے ہیں کچھ دیر عبادت کرتے ہیں کچھ وقت بیبیوں کی باتوں میں صرف کر دیتے ہیں کبھی روزہ رکھتے ہیں کبھی افطار کرتے ہیں ان حضرات صحابہ رض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستور العمل کو سہل دیکھ کر قلیل سمجھا اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں اور تقلیل عمل مضر نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں لیکن ہم کو بوجہ اپنے نقصان مرتبہ کے زیادہ عمل کی ضرورت ہے اسلئے ایک نے قسم کھائی کہ میں تو آج سے تمام رات نہ سوؤنگا یہ عمل شاق تو اس نے اختیار کیا دوسرے بولے کہ میں ساری عمر روزے ہی رکھا کرونگا تیسرے بولے کہ میں کبھی نکاح ہی نہ کرونگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ان حضرات کی غلطی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسا ایسا کہا یاد رکھو میں تم سے زیادہ حق تعالیٰ سے ڈرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں کبھی روزہ رکھتا ہوں کبھی افطار کرتا ہوں اور کچھ جاگتا ہوں کچھ سوتا ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہ میری سنت ہے) اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

---

[1] تقلیل المنام صفحہ ۶

بعض[1] لوگ مجاہدات یعنی ترک ہی کو مقصود سمجھ جاتے ہیں کہ وہ مجاہدات حکمیہ تقلیل طعام[2] و تقلیل منام[3] و تقلیل کلام[4] و تقلیل اختلاط مع الانام کو نہایت اہتمام سے اختیار کرتے ہیں اور گو جانتے ہیں کہ ان سے مقصود سہولت فی الاعمال ہے مگر باوجود اسکے پھر کیفیات کو حالاً مقصود سمجھتے ہیں اور اعمال کو حالاً اصل مقصود نہیں سمجھتے گو انکا اعتقاد نہ ہو مگر برتاؤ یہی ہے چنانچہ مجاہدات کے بعد جب ان پر کیفیات ذوق و شوق و نشاط کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کام میں لگے رہتے ہیں اور جہاں کبھی کسی وجہ سے ان کیفیات میں کمی پیدا ہوئی تو اب یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مجاہدہ ہی بیکار ہوا اور ہمارا رتبہ حق تعالیٰ کے ہاں کم ہو گیا پھر اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اعمال ہی سے بے رغبتی ہو جاتی ہے۔

شریعت نے مجاہدات کیساتھ اعمال کی قید لگا کر جس نکتہ پر تنبیہ کی ہے وہ یہ ہے کہ اصل مقصود رضائے الٰہی ہے جس کا طریق عمل ہے اور مجاہدات حکمیہ اس کے لئے محض سبب سہولت ہیں خود مقصود نہیں پس اگر عمل موجود ہو اور مجاہدہ کے آثار خاصہ مرتب نہ ہوں تو کچھ حرج نہیں اور اگر مجاہدہ کے آثار خاصہ موجود ہوں اور عمل مفقود ہو تو وہ محض بیکار چیز ہیں اس لئے شریعت نے ہر مجاہدہ کے ساتھ ایک نہ ایک عمل بتلا دیا روزہ میں بھی اعمال کی ترغیب دی ہے تاکہ معلوم ہو کہ تقلیل طعام خود مقصود نہیں بلکہ عمل مقصود ہے اور تقلیل منام کی صورت بھی تراویح و تہجد کی نماز میں تجویز کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ محض جاگنا مقصود نہیں بلکہ عمل مقصود ہے اور کثرت تلاوت قرآن مجید اور ذکر اذکار وغیرہ کے لئے تقلیل کلام لازم ہے چوتھی عبادت اعتکاف ہے اسکی روح تقلیل اختلاط مع الانام ہے پس اگر یہ اعمال نہ ہوں تو تقلیل منام و تقلیل طعام وغیرہ کی عادت کوئی فائدہ مند چیز نہیں اور اگر اعمال موجود ہیں اور ثمرہ حاصل نہیں یعنی

---

[1] تقلیل المنام ص ۸،۲۵ [2] تقلیل الطعام ص ۲ [3] تقلیل المنام ص ۲ [4] تقلیل الکلام ص ۲

کیفیات نہ ہوں اور اعمال موجود ہوں تو کافی ہے اور اگر اعمال نہ ہوں تو کیفیات کافی نہیں مثلاً ایک شخص نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرتا ہے حرام آمدنی سے بچتا ہے کسی کا قرض لے کر مارتا نہیں جھوٹ اور غیبت وغیرہ (تمام منہیات شرعیہ) سے اجتناب کرتا ہے (اور تمام اوامر شرعیہ پر عامل ہو) مگر اس کو وہ ثمرات حاصل نہیں جو مجاہدہ پر مرتب ہوا کرتے ہیں مثلاً غلبۂ شوق و ذوق و یکسوئی وغیرہ نہیں تو یہ شخص بے فکر رہے اس کو مقصود حاصل ہے اور جو مقصود ہے وہ مقصود نہیں اس کا غم نہ کرے۔

شریعت نے جو مجاہدات میں محض ترک پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی مشروع کیا اس میں راز یہی ہے کہ اگر مجاہدہ میں صرف ترک پر اکتفا کیا جائے اور اس کے ساتھ کوئی عمل تعلق مع اللہ کا بڑھانے والا نہ کیا جائے تو نتیجہ مجاہدہ کا یہ ہوگا کہ قلب تعلقات غیر سے خالی ہونے کے ساتھ تعلق مع اللہ سے بھی خالی ہوگا اور اس صورت میں شیطان کا قلب پر قبضہ جمالینا آسان ہو جائیگا اسی واسطے شریعت نے ہر مجاہدہ میں اس کی رعایت کی ہے کہ تعلقات مباحہ کو ترک کر کے اعمال میں مشغول کر دیا ہے تاکہ قلب خالی نہ ہو۔

احیاء العلوم (مصنفہ حضرت امام غزالیؒ) اور دیگر متقدمین ائمۂ کرام و بزرگان دینؒ کی کتابوں میں جو مجاہدات کے طریقے تحریر ہیں وہ (گویا) کے مناسب لکھے ہیں ان میں اکثر مجاہدات اسی زمانۂ متقدمین کے مناسب ہیں اس زمانۂ متاخرین کے موافق نہیں اصول تو اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے اصول کبھی بدلا نہیں کرتے مگر طرق معالجہ تبدل زمانہ سے بدل جاتے ہیں اطبا اس کو جانتے ہیں چونکہ ان کے موافق عمل کی

---

۱ تفصیل الکلام ص۱۱

ہمت آج کل کے طبائع میں ہے نہیں تو اس سے بجز پریشانی پڑھنے کے اور کچھ نفع نہ ہوگا بلکہ جہاں تک ہوسکے بلا ضرورت نفس کو مشقت میں ڈالنے کی بجائے سہولت و راحت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو عین عبادت ہے البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکیں اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھیں نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی یہ دونوں مجاہدے آجکل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں پہلے ہی سے ضعف غالب ہے ہاں کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے لیکن نہ اتنا کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہوجائے۔

(حاصل کلام) خاص مشہور مجاہدات اربعہ یہ ہیں۔ قلت طعام، قلت منام، قلت کلام، قلت اختلاط مع الانام۔ ان میں مقصود تقلیل ہے وہ بھی بشرط ضرورت اور بقدر ضرورت اور تقلیل سے مراد بھی شیخ کامل کی تعلیم کے موافق ان چار چیزوں میں محض توسط اور اعتدال ہے کہ نہ اسقدر کثرت کرے جس سے غفلت و قساوت و کاہلی پیدا ہو نہ اسقدر قلت جس سے صحت و قوت زائل ہوجائے (در حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے بڑی دولت اس طریق میں قلب کی جمعیت و یکسوئی ہے اسلئے قلب کو تشویش پریشانی سے بچانا بہت ضروری ہے۔

پہلی فصل تقلیل طعام

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ الآیہ

خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

لہ تصوف و سلوک ص ۴۷، ۱۳، ۴۶، ۷۵

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

یجزیھم ما یجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس (رواہ احمد)[1] — مسلمانوں کو (غذا کی جگہ) وہ چیز کافی ہو جاوے گی جو اہل آسمان کو کافی ہوتی ہے یعنی تسبیح و تقدیس (مشکوٰۃ)

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے خلوت میں مدتوں کھانا نہیں کھایا اس حدیث[2] سے صاف ظاہر ہے کہ بعض اوقات صرف ذکر و تسبیح بھی غذا کا کام دے سکتے ہیں (لیکن[3]) تقلیل غذا کے واقعات جو منقول ہیں آجکل ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان حضرات میں قوت زیادہ تھی انکو غذا کم کرنے سے بھی جمعیت قلب حاصل ہوتی تھی کیونکہ انکی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے بعض اشغال ایسے منقول ہیں جو آج کوئی کرے تو مر ہی جاوے۔ چنانچہ ایک شغل صلوٰۃ معکوس ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اُلٹا لٹک کر شغل کرتے ہیں۔

(حقیقت یہ ہے کہ) شارع[4] علیہ السلام نے تقلیل طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدل عادت و زیادہ فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اس کو شریعت نے تقلیل طعام کے قائم مقام سمجھا کر اسمیں جتنی صورتیں مجاہدہ کی نکل سکتی ہیں روزہ ان سب میں افضل ہے (لہٰذا) تقلیل[5] طعام کو شریعت نے روزہ کی صورت میں مقرر فرمایا ہے اسکے علاوہ صورتیں اہل مجاہدہ نے تقلیل طعام کی اختیار کر رکھی ہیں شریعت میں اسکی مقصودیت کی اصل نہیں (یعنی کم کھانا[6] اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور بھوک کی جو فضیلت وارد ہے اس سے اختیاری بھوک مراد نہیں بلکہ غیر اختیاری مراد ہے۔ یعنی یہ اس بھوک

---

[1] التکشف ص۱۶ [2] ۲ [3] انفاس عیسیٰ ص۲۳۱ [4] تقلیل طعام ص۵۶، ۶۷ [5] تقلیل المنام ص۷
[6] تقلیل الطعام ص۶

کے فضائل نہیں ہیں جو باوجود غلہ ہونے کے اختیار کی جائے بلکہ کسی شخص پر فاقہ آپڑے تنگدستی ہو تو اس کی تسلی کے لئے فضائل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ مسلمان کو فاقہ سے پریشانی نہ ہونی چاہیئے اس سے اس کو ثواب ملتا ہے درجات میں ترقی ہوتی ہے یہ فضائل ایسے ہی ہیں جیسے احادیث میں بیماری کے فضائل ہیں اور اس پر ثواب بیان کیا گیا ہے یقیناً اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود بیمار پڑ جایا کریں۔

مجدد عصر العلامۃ المحدث علی بن سلطان القاری نے شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزی سے نقل کیا ہے۔

ومن جهلة الصوفية من يقلل المطعم والاكل الدسم حتى ييبس بدنه ويعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا طريقة صحابته واتباعهم وانما كانوا يجوعون اذا لم يجدوا شيئا فاذا وجدوا اكلوا وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل اللحم ويحبه ويأكل الدجاج ويحب الحلواء	بعض جاہل صوفی ایسے ہیں جو کھانا بہت کم کھاتے ہیں اور چکنائی کا استعمال بہت کم کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفس کو صوف کے کپڑے پہن کر تکلیف دیتے ہیں اور ٹھنڈے پانی کے استعمال سے باز رہتے ہیں حالانکہ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور نہ صحابہ و تابعین کا وہ حضرات بھوکے رہتے جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا۔ اور جب مل جاتا تو کھاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھاتے تھے اور اسے پسند فرماتے تھے اور ایک (مرغی) کھاتے تھے اور میٹھی چیز پسند فرماتے تھے اور ایک شخص کہتا تھا کہ میں حلوا نہیں کھاتا ہوں کیونکہ میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ

۱؎ تقلیل الطعام ص

وکان رجل یقول لا اکل الخبیص	نے فرمایا کہ یہ شخص بیوقوف ہے کیا یہ ٹھنڈے
لانی لا اقوم بشکرہ فقال الحسن	پانی کا شکریہ ادا کر سکتا ہے سفیان ثوری رحمۃ اللہ
البصری ھذا رجل احمق وھل	علیہ جب سفر میں جاتے تو اپنے ساتھ بھنا ہوا
یقوم بشکر الماء البارد وقد	گوشت اور فالودہ لے جاتے (انتہی) اور یہی
کان سفیان الثوری اذا سافر	ہے مصداق اللہ تعالی کے اس فرمان کا کہ آپ
حمل معہ فی سفرتہ اللحم	فرما دیجئے کہ اللہ تعالی کے زینت کے وہ سامان
المشوی والفالوذج انتہی	جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے
مجملۃ قولہ تعالی قُلْ مَنْ حَرَّمَ	اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام
زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	کیا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالے نے فرمایہ
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ وقولہ	اے رسولو! حلال چیزوں میں سے کھاؤ
تعالی يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ	اور نیک اعمال کرو۔
الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا	

\+ \+ \+ \+ \+ \+ \+

(الغرض) تقلیل طعام[1] فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ذریعہ مقصود ہے مقصود کسر قوت بہیمہ (حیوانی قوت کو توڑنا) ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی (یعنی نفس کو گناہوں سے روکنا) ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہو جائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں (نیز) عبادت[2] میں نشاط و سرور صحت اور قوت ہی سے ہوتا ہے اور تجربہ ہے کہ آجکل تقلیل غذا سے صحت برباد ہو جاتی ہے فاقہ کرکے نماز پڑھنے سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھیں گی زبان و قلب سے کچھ نہ نکلیگا (اسی طرح غذائے جسمانی کی کثرت سے غذائے روحانی یعنی ذکر اللہ کم

لہ کمالات اشرفیہ ص۲۰ ۲ے انفاس عیسیٰ ص۱۸۲

ہو جاتا ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

تہی از حکمتی بعلت آں ۔ کہ پری از طعام تا بینی ۔

(یعنی حکمت و دانش سے تو اسلئے خالی ہے کہ ناک تک کھانے سے بھرپور ہے)

اس لئے سالک کو غذائے جسمانی کی کثرت بھی نہ چاہیئے بلکہ توسط کا لحاظ رکھنا چاہیئے مگر یہ ضرور ہے کہ سب کا اوسط ایک نہیں بلکہ ہر شخص کا اوسط مختلف ہے اور اوسط سے تجاوز کرنا اور زیادہ کھانا بُرا ہے اسی طرح اوسط سے کم کھانا بھی مضر ہے۔ ایک ضرر تو جسمانی ہے کہ غذا بہت کم کرنے سے ضعف لاحق ہو جاتا ہے اور کام نہیں ہو سکتا اور ایک ضرر مقصود و سلوک ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ تشبہ بالملائکہ حاصل کرے اور تشبہ بالملائکہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو نہ شبع (سیری) سے بدمست ہو نہ جوع (بھوک) سے پریشان ہو بلکہ معتدل حالت میں رہ کر طمانیت و جمعیت قلب سے متصف ہو۔ اور جمعیت قلب جیسا کہ زیادہ کھانے سے فوت ہوتی ہے کم کھانے سے بھی فوت ہوتی ہے زیادہ کھانے سے خطرات کا ہجوم ہوتا ہے کیونکہ معدہ کی تبخیر دماغ کی طرف صعود کرتی ہے تو دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور کم کھانے سے ہر وقت روٹیوں کی طرف دھیان لگا رہتا ہے اسلئے عبادت بھی ناقص ہوتی ہے پس کھانے سے اصل مقصود جمعیت قلب ہے نہ بہت کھانا مطلوب ہے نہ کم کھانا دلیل اس کی یہ ہے۔

اذا حضر العشاء والعشاء ۔ جب کہ رات کا کھانا اور رات کی نماز جمع ہو جائیں تو

فابدؤا بالعشاء ۔ پہلے کھانا کھاؤ بعد میں نماز پڑھو)

فقہاء نے یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر کھانا ٹھنڈا ہونے سے اسکی لذت زائل

عہ فرشتوں سے مشابہت سلہ اشرف المسائل ص۲۵ عہ چڑھتی ہے سلہ انفاس عیسیٰ ص۱۸۲

ہو جانے کا اندیشہ ہو جب بھی نماز کو مؤخر کر دینا جائز ہے منشاء اسکا یہی تحصیل جمعیت قلب ہے کہ بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نماز جلدی پڑھوں تاکہ کھانا ٹھنڈا نہ ہو جاوے۔

تقلیل طعام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس وقت خوب اشتہا ہو اس وقت کھانا کھا کر اشتہا (بھوک) کو فنا کرنا چاہئے بلکہ اسکو باقی رکھ کر ہاتھ روک لینا چاہیئے

دوسری فصل۔ تقلیل منام

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا الآیہ — رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو (بیان القرآن)

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا قام احدکم من اللیل فاستعجم القرآن علی لسانہ فلم یدر ما یقول فلیضطجع — جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم) قرآن اسکی زبان سے صاف نہ نکلے اور کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہو تو اس کو لیٹ جانا چاہیئے (مسلم شریف)

بعض لوگ تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ لحوق ضرر (نقصان کے لاحق ہونے) کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص الفاظ کے متعلق ہے

لہ کمالات اشرفیہ صہ۸۲ ے التکشف صہ۳۲۶

وہ حاصل نہ ہو گا پھر نرے جاگنے سے کیا فائدہ؟

(اور مذکورہ بالا آیت میں) قیامِ لیل[1] کا حکم اس لئے دیا ہے کہ ریاضت کے خوگر ہوں جس سے استعدادِ نفس اکمل و اقویٰ ہو۔ بیشک رات کا اٹھنا (اور جاگنا) نفس کے کچلنے میں خوب مؤثر ہے اور دعا ہو یا قرأت ہو (نماز ہو یا ذکر ہو) ظاہراً و باطناً ہر بات خوب ٹھیک ہوتی ہے۔ ظاہراً تو اس طرح کہ فرصت کا وقت ہوتا ہے الفاظ خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطناً اس طرح کہ جی خوب لگتا ہے اور موافقت دل و زبان کا یہی مطلب ہے۔

تقلیلِ[2] منام مجاہدہ کا دوسرا رکن ہے (ماہ رمضان میں نماز تراویح کا ادا کرنا شرعی حکم ہے)، تراویح تقلیل منام کو مستلزم ہے جس طرح صوم کو تقلیل طعام میں دخل ہے اسی طرح تراویح کو تقلیل منام میں دخل ہے اور جیسے روزہ میں تبدیل عادت کی وجہ سے مجاہدہ کی شان آئی تھی اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیل عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد فوراً سو رہتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کر کے عادت کو بدل دیا جس سے نفس پر گرانی ہوتی ہے جو کہ مجاہدہ ہے (کیونکہ) تقلید کیساتھ جاگنے کا مجاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے مرتاضین آنکھیں پھوڑتے تھے چھت میں رسیاں باندھتے تھے کہ جب نیند آتی اسمیں لٹک جاتے جس سے نیند اڑ جاتی تھی ان دونوں مجاہدوں میں ایسا فرق ہے جیسے قند میں اور شیرہ میں ان کو دیکھ کر شرعی مجاہدہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شاہانہ علاج کیا ہو کہ نہ آنکھیں پھوڑنے کی ضرورت ہے نہ رسیاں باندھنے کی ضرورت ہے (پھر) اس تقلیق کو تہجد سے اور تقویت ہو جاتی ہو

---

[1] بیان القرآن تفسیر سورۂ مزمل [2] تقلیل المنام صفحہ ۱۹، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۲، ۳۳، ۲۹، ۳۰ ملخصاً

تراویح اور تہجد کے اہتمام سے تقلیل منام ہو جاتی ہے اور یہ خود ذہنی مجاہدہ بھی ہے غرض شریعت نے تقلیل منام میں محض بیداری پر اکتفا نہیں کیا کہ خالی بیٹھے جاگتے رہو بلکہ اعمال کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں :۔

کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون ط کہ وہ رات کو کم سویا کرتے ہیں اور پچھلے حصہ رات میں استغفار کیا کرتے ہیں یہاں تو استغفار مشروع ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً الآیہ

ان کے پہلو خوابگاہوں سے الگ ہوتے ہیں اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں مگر طرز کلام سے عموم ظاہر ہے لہذا مطلق دعا و ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے اسلئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو تہجد کی توفیق نہ ہو تو رات کو کسی وقت جاگ کر تین بار سبحان اللہ کہکر سو رہا کرے وہ بھی یدعون ربھم خوفاً وطمعاً میں داخل ہو جائے گا۔

غرض شریعت نے جاگنے کے ساتھ ذکر و استغفار و صلوٰۃ کو بھی مشروع فرمایا ہے محض بیداری پر اکتفا نہیں کیا پھر اس میں بھی کوئی قید نہیں کہ دو بجے اٹھو یا تین بجے اٹھو بس صبح سے پہلے اٹھنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا :۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ،

آپکے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ کبھی دو تہائی رات سے کچھ کم جاگتے ہیں کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات جاگتے ہیں

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ وَاللّٰہُ — اور ایک جماعت بھی لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہے
یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ط الآیہ — اور رات و دن کا پورا اندازہ حق تعالیٰ ہی کرتے ہیں

مطلب یہ کہ تم اندازہ ٹھیک طور پر نہیں کر سکتے کہ ہمیشہ ایک ہی وقت پر اٹھو اس لئے کسی خاص وقت کی تعیین لازم نہیں کی جاتی جب آنکھ کھل جائے اسی وقت اٹھ جانا چاہیے پھر بیماروں اور کسب معاش کرنیوالوں کو دقت تھی ان کی آنکھ بعض دفعہ صبح کے قریب ہی کھلتی تھی تو ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ ط یعنی بیماروں اور مسافروں کو زیادہ بیداری معاف ہے انکی جب بھی آنکھ کھل جائے صبح سے پہلے پہلے وہ جتنا بھی قرآن پڑھ سکیں نماز میں پڑھ لیا کریں چاہے دو ہی رکعت پڑھ لیا کریں اس سے بھی کامل ثواب مل جائیگا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو حدیث میں آتا ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت پڑھ لیا کریں جسکی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے بھی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔

پھر اس میں دینی فوائد کے علاوہ دنیوی فوائد بھی ہیں چنانچہ نیند کم ہونے سے رطوبت فضلیہ کم ہوتی ہے جو صحت کے لئے معین ہے نیز اس سے چہرہ پہ نور پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک محدث کا قول ہے:۔

من کثرت صلوٰتہ فی اللیل حسن — جو رات کو نماز زیادہ پڑھے گا دن میں اسکا
وجہہ فی النہار — چہرہ خوبصورت ہوجاوے گا۔

مطلب یہ کہ تہجد سے چہرہ پہ نور پیدا ہوتا ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی — نیک بیں باشی اگر اہل دلی

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور　　کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اور زیادہ سونے سے برودت بڑھ جاتی ہے جس سے قوت فکریہ کم ہو جاتی ہے اور قوت فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام خراب ہوتے ہیں نیز اس سے امور انتظامیہ میں بہت خلل پڑتا ہے ایسے شخص کو پابندیٔ اوقات کبھی نصیب نہیں ہوتی نیند کم کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پئیں ستر اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی ہے اس کو امام غزالیؒ نے لکھا ہے پھر بھی اگر نیند آوے تو سیاہ مرچ چبالیا اور اگر موقع ملے تو) دن کو سویا کریں (اور) اگر نیند بہت غالب ہو تو اس کو دفع نہ کیا جائے وظیفہ چھوڑ کر سو رہنا چاہیئے پھر دوسرے وقت پورا کر لیا جاوے اور اگر زیادہ غالب نہ ہو تو ہمت کر کے جاگنا چاہیئے اور غلبہ کی صورت میں اگر نیند کو زبردستی دفع بھی کیا جائے تو اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے صفرا میں اشتعال بڑھ جاتا ہے سودا میں ترقی ہو جاتی ہے خیالات فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نیند میں بہت رعایت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے لا تفریط فی النوم (سونے میں کوئی تفریط نہیں)

تیسری فصل۔ تقلیلِ کلام

عن مالک انہ بلغہ ان　　امام مالکؒ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ذکر خدا

۱؎ تقلیل الطعام ص۲۷ ۲؎ کمالات اشرفیہ ص۲۰ ۳؎ انفاس عیسیٰ ص۲۲۰ ۴؎ کمالات اشرفیہ ص۲۲۲

۵؎ یہاں فصل آفات اللسان بھی دیکھ لی جاوے تو نافع ہوگا ۶؎ التکشف ص۲۲۲

عیسی ابن مریم قال لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ تعالیٰ فتقسوا قلوبکم وان القلب القاسی بعید من اللہ تعالیٰ ولکن لا تعلمون (الحدیث)

کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جاویں گے یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی بات ہے، اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا لیکن تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی (کہ اللہ تعالیٰ سے بعید ہو گیا کیونکہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہد ہو گی اور آثار تو یہاں بھی مشاہد ہیں مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں ہوتا

مجاہدہ[1] کا تیسرا رکن تقلیل کلام ہے اور یہ تقلیل طعام و تقلیل منام سے بھی زیادہ دشوار ہے کھانے میں کچھ تو اہتمام کرنا پڑتا ہے (نیز) ایک دو دفعہ زیادہ کھا لے گا پھر کہاں تک کھائے گا جب ہضم نہ ہوگا خود ہی تقلیل ہو جائیگی اسی طرح کہاں تک سوئیگا کبھی تو جاگے گا۔ بخلاف بولنے کے کہ اسمیں کچھ اہتمام ہی نہیں کرنا پڑتا نہ زیادہ بولنے سے بدہضمی ہوتی ہے نہ زبان چلانے سے کچھ تعب ہوتا ہے دوسرا راز یہ ہے کہ انسان جسقدر حظوظ اختیار کرتا ہے لذت کے لئے اختیار کرتا ہے سو کلام کے سوا دوسرے جسقدر حظوظ ہیں ان میں کثرت کرنے سے لذت کم ہو جاتی ہے پیٹ بھر نیکے بعد پھر کھانے میں مزا نہیں آتا نیند بھر جانے کے بعد پھر سونے سے جی گھبراتا ہے مگر بولنے کی لذت ختم ہی نہیں ہوتی بلکہ جتنا بولتے جاؤ اتنی ہی لذت بڑھتی جاتی ہے اس لئے تقلیل کلام سب سے زیادہ دشوار ہے مگر باوجود دشواری کے اسمیں آزادی اس لئے نہیں دی گئی کہ زیادہ بولنے میں آفات بہت ہیں اور اس سے گناہوں میں ابتلا بکثرت ہو جاتا ہے اس لئے اس کی تقلیل کو مجاہدہ کا ایک رکن قرار دیا گیا ہے لیکن تقلیل کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری باتوں کو بھی کم کر دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فضول کلام چھوڑ دے۔ گو

---

[1] تقلیل الکلام ص۲۳۲ فصل آفات لسان ملاحظہ ہو۔

مباح ہی ہو باقی جو باتیں حرام ہیں جیسے جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ وہ تو اس خود ہی چھوٹ جائیں گی کیونکہ وہ تو مجاہدہ حقیقیہ ہے جو شخص مجاہدہ حکمیہ کریگا وہ مجاہدہ حقیقیہ کو کیسے ترک کر سکتا ہے رہا ضروری کلام سو اس کا ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے یا ضرورت میں حرج ہوگا یا مخاطب کو تکلیف ہوگی لیکن ضرورت کی تفسیر یہ ہے اولاً لتفسیرکا (یعنی جس کے نہ ہونے سے ضرر ہو پس جس بات کے ترک کرنے سے دنیا یا دین کا ضرر ہو وہ بات ضروری ہے مثلاً تاجر کے پاس کوئی خریدار گھنٹہ بھر تک چیزوں کی قیمتیں دریافت کرتا ہے اور تاجر کو امید ہے کہ یہ ضرور کچھ خریدیگا تو جب تک یہ امید ہو اسوقت تک خریدار سے باتیں کرنا ضرورت میں داخل ہے کیونکہ اس صورت میں خریدار سے باتیں نہ کرنے میں دنیا کا ضرر ہے تجارت کو نقصان پہنچے گا اس لئے شریعت اجازت دیتی ہے کہ وہ تجارت کی باتیں کرے لیکن سچی باتیں کرے جھوٹ اور مبالغہ سے کام نہ لے کہ خواہ مخواہ اپنے مال کی حد سے زیادہ تعریف کرے یا کوئی شخص آپ سے ملنے آیا اس سے باتیں کرنا مزاج پوچھنا اور یہ دریافت کرنا کہ کہاں سے تشریف لائے یہاں کب تک قیام رہیگا یہ سب باتیں ضرورت میں داخل ہیں اس سے قلب میں ذرہ برابر ظلمت نہیں ہوتی چنانچہ حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر بھی ہوتی رہے تو اس سے قلب پر اثر نہیں ہوتا چنانچہ ایک کنجڑا دن بھر "لو امرود" پکارتا پھرے تو ذرہ برابر اس سے قلب میں ظلمت نہ آئے گی کیونکہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی اگر زبان سے نکل جاوے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے رہا اس بات کا سمجھنا کہ کونسی چیز ضروری ہے اور کونسی نہیں اور کس بات کے ترک کرنے سے ضرر ہوتا ہے اور کس کے ترک سے

---

۱ انفاس عیسیٰ ص۱۸۵ ۲ تعلیل الکلام ص۲۱۶

ضرر نہیں ہوتا یہ فقہا ہی کا کام ہے رنہ کہ خشک زاہدوں کا کہ وہ ضروری باتوں کو بھی فضولیات میں شمار کر لیتے ہیں حاصل یہ کہ شریعت نے تقلیل کلام کی وہ صورت تجویز نہیں کی زبان بند کر کے بیٹھ جاؤ بلکہ اسکی یہ صورت تجویز کی کہ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو رہیا ذکر کرتے رہو، جس سے مجاہدہ تقلیل کلام کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گناہوں سے بچی رہے فضول باتیں کرنیکی عادت کم ہو جائے اور اسکے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا ہے جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

شریعت کی یہ بہت بڑی تعلیم ہے کہ بے ضرورت باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔ رچنانچہ حدیث شریف میں ہے

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ	آدمی کے حسن اسلام میں سے یہ ہے کہ مقدور سے غیر متعلق باتوں کو چھوڑ دے۔

اور ارشاد فرمایا۔

ایاکم وکثرۃ الضحک فانہ یمیت القلب	زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسنا قلب کو مُردہ کر دیتا ہے۔

تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ سکوت سے قلب میں جو بات پیدا ہوتی ہے وہ گفتگو کے بعد باقی نہیں رہتی اگرچہ گفتگو محمود ہی کیوں نہ ہو لیکن ضرورت سے زائد ہو۔ شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن ... گرچہ گفتارش بود در عدن

یعنی کثرت کلام (مباحہ) سے دل مرجاتا ہے ظلمت اور قساوت قلب میں پیدا ہوجاتی ہے اور ساری طاعات کا مدار حیات قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نور قلب پیدا

لہ انفاس عیسیٰ ص ۱۸۳/۱۹۵ کہ اشرف المسائل ص ۱۱۲ کہ تقلیل الکلام ص ۱۲

ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشا قساوت اور ظلمت قلب ہی ہے جب قلب میں حیات و نور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت و ظلمت پیدا ہو گئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے لئے قابل ہو جاتا ہے۔

کثرتِ[1] کلام اس وقت ہوتی ہے جبکہ اپنی بڑائی ذہن میں ہو اور اپنی بڑائی نظر میں اسی وقت آتی ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو اور خدا تعالیٰ سے غفلت ایک مرض نہیں بلکہ مجموعۃ الامراض ہے تو جس شخص کو دیکھیں کہ کثرت[2] کلام میں مبتلا ہے تو سمجھ لیں کہ وہ ایک مرض میں مبتلا نہیں بلکہ بہت سے امراض میں مبتلا ہے اور اس میں تمام امراض موجود ہیں جو ترفع اور تکبر کی فرع ہیں۔

طریق یہ ہے کہ بات[3] وہ کریں جس کی کچھ غایت ہے جس بات کا کچھ نتیجہ نہ ہو اس کے در پے نہ ہوں کلام ذکر و کلام دونوں اختیاری ہیں اس میں کبھی ہمت کی ضرورت ہے اگر بعض ملنے والے بیکار زیادہ دیر تک سمع خراشی اور حرج کریں۔ اور ان کو نہ اٹھائیں۔ تو خود کوئی ضرورت کی جگہ اپنے لئے تجویز کر کے ان سے اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ اضیاف زیادہ ایسی اگر غیر ضروری باتیں کرنے لگیں جس سے اپنے کام وقت ضائع ہونے لگے یا طبیعت تنگ ہونے لگے بدون حیلہ یا کسی حیلہ اٹھ جانا چاہیئے۔ مروت میں اپنا دینی ضرر ہرگز گوارا نہ کرنا چاہیئے۔

چوتھی فصل تقلیل اختلاط مع الانام

قیل یا رسول اللہ ای الناس افضل قال مؤمن مجاھد بنفسہ

کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل کون شخص ہے آپ نے فرمایا وہ مومن جو اپنی جان اور مال سے اللہ

---

[1] کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۰۳ [2] انفاس عیسیٰ صفحہ ۱۸۴ [3] التکشف صفحہ ۹۹

وماله فی سبیل اللہ قیل ثم من قال رجل فی شعب من الشعاب یتقی اللہ ویدع الناس من شرہ۔ خرجہ الخمسۃ

کی راہ میں جہاد کرنیوالا ہے پھر سوال کیا گیا پھر کون افضل ہو فرمایا وہ شخص جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں کسی گھاٹی میں بیٹھا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ اور خلق کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہو بخاری و مسلم و ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے

حقیقت اکثر اہل اللہ کی عادت رہی ہے کہ خلق سے اختلاط کم رکھا اور گوشہ نشین رہے ہیں اس حدیث سے اس کی اجازت اور ایک درجہ فضیلت ثابت ہوئی ہے اور حدیث میں اس کے محل کی طرف اشارہ بھی ہے کہ جب اختلاط میں احتمال شر الی الخلق کا ہو اور اسی پر قیاس کیا جاویگا وصول شر من الخلق کو اور نیز حدیث مذکور ہی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس شخص سے خیر و نفع عام زیادہ ہو متوقع ہو اس کے لئے اختلاط افضل ہے چنانچہ مؤمن مجاہد کو صاحب عزلت سے افضل فرمایا اور تحقیق مسئلہ کا خلاصہ یہی ہے کہ جس شخص سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو۔ اس کے لئے جلوت بہتر ہے اور جس سے نفع متعلق نہ ہو۔ اور جلوت میں احتمال اضرار (ضرر پہنچانے) یا تضرر (ضرر پہنچنے) کا ہو۔ اس کے لئے خلوت بہتر ہے۔[1]

یاد رکھنا چاہئے کہ ماسوی اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہیں تعلق محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے سو یہ عین تعلق بحق ہے۔ اس کا قطع ناجائز ہے دوسرے تعلق مذموم جس سے شرع نے نہی فرمائی ہے اس کا قطع واجب ہے۔ تیسرے تعلق مباح جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اس میں قطع کی ضرورت نہیں مگر تقلیل بطور انہماک نہ کرنا (یعنی تقلیل کرنا) ضروری ہے پس جہاں قطع تعلق کی تعلیم ہے مراد تعلق محمود نہیں بلکہ مذموم و مباح ہے مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے

---

[1] اشرف المسائل صفحہ ۱۵ ؎ مخلوق کو شر پہنچنے کا احتمال ؎ مخلوق سے شر کا پہنچنا

اور جب تک تسبیح الی الحق راسخ نہ ہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ اداے حق خلق ہے وہ تحقیق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جاوے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا تجربہ ہے ہم اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا حضرت ابراہیم بلخی رح حضرت شاہ شجاع کرمانی رح کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدین پر اپنے آپ کو قیاس نہ کیا جاوے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

قول[1] فیصل خلوت کے باب میں یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے متعلق ہو نہ دوسروں کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصاً ایام فتن وشرور میں یا جبکہ مخالطت کے خلجانات وتشویشات اور ایذاؤں پر صبر کرنے کی توقع وہمت نہ ہو احادیث میں جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہے جیسے حدیث میں ہے۔

ورجل معتزل فی شعب جبل له غنیمة یؤدی حقها و یعبد الله او کما قال	اور آدمی گوشہ نشیں پہاڑ کی کسی گھاٹی میں اس کے لئے غنیمت ہے کہ اس کا حق ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے (او کما قال)

اور جس شخص کو دوسروں سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو خواہ دنیوی ہو جیسے تحصیل نفقہ عیال جبکہ توکل پر قادر نہ ہو خواہ دینی ہو مثل تحصیل علوم ضروریہ اس کے لئے خلوت جائز نہیں اسی طرح اگر اس کے ساتھ خلائق کی حاجات دنیویہ یا دینیہ متعلق ہوں تو بھی خلوت جائز نہیں اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ محمول

---

[1] کمالات اشرفیہ ص ۲۲۳، التکشف ص ۹۴

ایسی ہی دونوں حالتوں پر ہے جیسے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبتل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیل علوم دین کی حاجت تھی۔ ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی طرف دینی حاجت تھی۔ بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ و ترقی اسلام میں بہت بڑی ضرورت تھی۔ یہ تفصیل تو اس خلوت میں ہے جس کو بطریق عادت دائمی کے لئے تجویز و اختیار کرے ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت اس وقت مبتدی سلوک کے لئے واقع ہوتی ہے اور صحابہ کو اس کی حاجت نہ تھی وجہ یہ کہ مقصود اصلی تو تحصیل نسبت قلبیہ مع اللہ ہے۔ اور وہ بدوں یکسوئی قلب کے میسر نہیں ہوتی۔ پس صحابہ کو بوجہ وسعت ظرف کے مشاغل جلوت اس یکسوئی سے مانع نہ تھے کما قال اللہ تعالیٰ۔

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیہ — نہیں غافل بناتی ہے ان کو خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔

اور ہم لوگوں کے ظرف اس قدر وسیع نہیں لہٰذا جب تک تعلقات جلوت کی تقلیل نہ کی جائے اس وقت یکسوئی جو موقوف علیہ تحصیل نسبت کا ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی ضرورت چند روز کے لئے ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ملکۂ یادداشت راسخ ہو جاوے پھر اسی تفصیل مذکور میں یہ شخص بھی داخل ہو جاتا ہے۔

اختلاط کے فائدے

(۱) تعلیم[1] و تعلم اسی پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم و تعلم کا باب مسدود ہو جائے گا۔

(۲) اختلاط میں خدمت خلق کا موقع ملتا ہے۔

(۳) جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص عزلت گزیں ہو گا وہ جماعت کے ثواب اور خدمت خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

---

[1] اشرف المسائل ص۱۰۲

سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔

دین سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ بدوں اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل دشوار ہے۔

خلوت کے فائدے گناہوں سے اجتناب ہوتا ہے بشرطیکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے کان کی بھی حفاظت کرے دل کی بھی حفاظت کرے۔ قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے اگر آجائے۔ تو ذکر میں مشغول ہو کر اسے دفع کر دے۔ ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بہت حفاظت ہوگی اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے تو عزلت اختلاط پر مقدم ہے کیونکہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ ہی یہ مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں دوسرے اختلاط کے ساتھ قلت کلام بہت دشوار ہے یہ کام اہل یقین و کاملین کا ہے ورنہ اکثر اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنا پڑتی ہیں۔ جن[1] لوگوں کا وقت خلوت کے لئے مخصوص نہیں ہوتا رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔

طریق کار[2] ہر کام کو اپنے اوقاتِ مقررہ پر کریں دنیا کا کام اپنے وقت میں درود و وظائف اپنے وقت حتی کہ گاہ گاہ لطیف اور مختصر مزاح بھی اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی تفریح اور تطییب قلب کیلئے اپنے موقع میں کر لینا چاہئے اسطرح سب کام چلتے رہیں گے ورنہ بالکل گوشہ نشین ہونے سے بعض اوقات طبیعت میں شوق اور امنگ کا مادہ ضعیف ہو جاتا ہے اور بدوں اس کے کام چلنا دشوار ہے خدمت[3] خلق اللہ سالک کے لئے از بس نافع ہے۔ مگر ضرورت خدمت سے

---

[1] انفاس عیسیٰ ص۲۹۹ [2] دعوات عبدیت ص۱۶۹ ج۳ [3] التکشف ص۳۷۱۲

زیادہ اختلاط نہ کریں کہ وہ مضرات باطن سے ہے سالک کے لئے عزلت ضروری ہے تعلق بڑھانا نہ چاہیئے نہ دوستی کے نہ دشمنی کے یہ ذکر اللہ میں مخل ہوگا دوست مل جاویں تو ان سے جان بچانا پھرے اور دشمن مل جاوے تو اس سے ظاہری اخلاق برے کہ اس کا ہیجان بڑھے ورنہ وہ اس کی ایذاء کے در پے ہوگا

جب تک خلوت میں دل خدا تعالیٰ کے ساتھ لگا رہے خلوت میں رہیں اور جب خلوت میں انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھیں مگر نیک مجمع میں اس سے خطرات دفع ہوں گے اس وقت یہ جلوت ہی خلوت کے حکم میں ہے۔

باب دوم فاعلہ مفید بلاخطر

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا سوال کیا کہ کیوں حضرت آپ کے زمانے کی نسبت اور اس زمانے کی نسبت میں کیا فرق ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانے میں تین چیزوں کی کثرت کرتے تھے نماز، وتلاوت قرآن وذکر اور اس وقت لوگوں نے صرف ذکر پر اکتفا کر لیا ہے، انتہٰی

راقم نے غور کیا تو قرآن مجید کی آیت میں تینوں چیزوں کو جمع پایا ہے۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ الآیہ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھو جو کچھ وحی کی گئی تیری طرف کتاب سے اور قائم کر نماز کو بیشک نماز بے حیائی اور بری چیزوں سے روکتی ہے۔ اور بیشک اللہ (تعالیٰ) کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

لہ کمالات اشرفیہ ص۵۵ ٹہ تعلیم الدین ص۸۵

بلکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ غالباً صحابہ و تابعین میں حصول نسبت کے لئے اسی نماز و تلاوت و دیگر اوراد کی کثرت بشرط خشوع و تدبر کافی تھی ان اشغال متعارفہ کی ان کو حاجت نہ تھی (لیکن جس طرح مجاہدات و ریاضت کے باب میں گزرا ہے اسی طرح دیگر ذرائع کی بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ مقصود کے لئے معین ہوتے ہیں ان میں سے ایک متعلق معدہ یعنی مجاہدہ ہے جس کا ذکر ہو چکا اور دوسرے فاعلہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ مفید بلا خطر۔ اور مفید مع الخطر۔ قسم اول میں اذکار۔ اشغال اور مراقبات ہیں) ذکر کے معنی تو ظاہر ہیں شغل، تصور ذکر کو کہتے ہیں اور مراقبہ تصور مذکور کو کہتے ہیں (اور قسم دوم میں تصور شیخ، عشق مجازی، اور سماع وغیرہا ہیں اب ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔)

پہلی فصل۔ اذکار کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ الآیہ۔ (وہ لوگ ہر حال میں دل سے بھی اور زبان سے بھی) اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰهِ۔ ہر شے کا صیقل (چمکانے والا) ہے اور قلوب کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

ذکر کے معنی لغت میں یاد رکھنا ہے اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری زبان سے

لہ تعلیم الدین ص۸۵ ؂ بیان القرآن ص۱۲۳ ؂ التکشف ص۲۲۲ ؂ تفصیل الذکر ص۱

یاد کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں اور حقیقی ادائے حقوق کو کہتے ہیں ذکر لسانی (یعنی زبان سے یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی ذکر اللہ کا فرد کامل ہے اگر دونوں جمع ہو جاویں یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجۂ اکمل ہے غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیونکہ حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، اور حقوق الناس وغیرہ اس میں تمام احکام شریعت آگئے گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق پیدا کر لینا ہے اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ اور دل کے لگاؤ کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں دل میں بس جانا کہتے ہیں۔ اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے اس تعلق مذکور کی، جو قلب کی غذا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد تو یاد کو اختیار کرنا چاہیئے اور یاد سے دراصل، مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو پس ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت ذکر ایک حقیقت ذکر (جو لوگ پورے اعمال شرعیہ بجا نہیں لاتے۔ اور صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقت ذکر حاصل نہیں)، مگر ذکر اسمی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے۔ کیونکہ ؎

از صفت و زنام چہ زائد خیال	واں خیالش ہست دلال وصال

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے۔ اور دل سے بھی) اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں

لہ الباطن ص۲۹۳ و ۲۸۲، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۴۳ ملخصاً سلہ اکبر الاعمال ص۱۳، ۱۴ سلہ تصوف و سلوک ص۵۲، ۵۳، ۵۴ و ۳۷، ۳۸

بعض حفظ کے ساتھ متعلق ہیں ان میں ذکر لسانی افضل ہے باقی ذکر قلبی جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے اجر اس پر بھی ہے مگر اس میں قلب سے ذہول کا اندیشہ رہتا ہے کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے اور ذاکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لئے ذکر لسانی کرنا چاہئے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہئے اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہیگا تو لسانی تو باقی رہیگا اور وقت ضائع نہ ہوگا۔ اور اگر صرف قلب سے ذکر کریگا تو زبان خالی رہے گی اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر لسانی افضل ہے مگر اس ذکر لسانی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ اور بس جائے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور فرماں برداری پر کمر ہمت چست کردے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں اس کے لئے یہ حقیقی ذکر نہ ہوں گی بلکہ ذکر کی صورت ہوں گی۔

محققین[1] صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ کرنا گو ذکر نہیں۔ مگر مقصود کے لئے تیار ہونا ہے۔ اس واسطے بحکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لئے تکرار موثر ہوتا ہے اور اس لئے تجربہ کافی ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے۔ وہ سنت سے ثابت ہو۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اسکو مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جاوے اور انکی یاد دل میں بسائی جاوے کسی وقت ان سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ اگرچہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرہ عاجلہ مرتب نہ ہو۔ چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے۔ یعنی

---

[1] انفاس عیسیٰ ص۳۲۷

ان کا بندہ کی طرف توجہ فرمانا ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے :-

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا

مزید برآں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

یعنی ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی چیز ہے خود بھی فی نفسہٖ ضروری ہے اور دیگر طاعات کی جڑ بھی ہے گو شعائر دین یعنی دین کی کھلی علامات سے نہ ہو مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے مگر جس طرح جڑ بدوں شاخوں کے کارآمد نہیں ہو سکتی اسی طرح محض ذکر بدوں دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔

ذکر کے مراتب مختلف ہیں جنت اور دوزخ اور عذاب و ثواب کا یاد کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی یاد ہے جیسے بعض لوگ باوجود تقاضا کے چوری نہیں کرتے۔ مالگذاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے۔ یعنی سزا و قید وغیرہ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روکے اور طاعات پر ہمت و جرأت کردے ذکر اللہ ہے۔ اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لئے یہی ذکر اللہ ہے اور کسی کو اللہ اللہ کرنا معاصی سے روکے۔ اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو مراقبہ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسب حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیے مثلاً بعضوں کے لئے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے انکے واسطے یہی ذکر ہے یہ ذکر کی حقیقت ہے اور یہی تمام طریق کی جڑ تمام شریعت

لہ اکبر الاعمال ص۳ ۲۲،۲۳، ۳۰ ، ۳۰ ۱ کثیر نفع تھے

کی جڑ ہے اب میں چند آیاتِ قرآنی، ذکر کرتا ہوں اور ان آیات کے ذکر سے مقصود دکھلانا ہے کہ تمام اعمال سے مقصود ذکر ہے۔ اور وہی تمام اعمال کی روح اور اساس ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱) اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ اِلٰی قَوْلِہٖ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ

اس آیت میں اسلام و ایمان و قنوت و صدق و صبر و خشوع و تصدق و صوم حفظ فروج کا ذکر ہے اور ان سب کو ذکر پر ختم کیا ہے جس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ ان سب میں سہولت ذکر اللہ سے ہو جاتی ہے۔

(۲) رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ پ اس میں ذکر اللہ سے عدم غفلت کو، اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ سے عدم غفلت پر مقدم فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عدم غفلت عن الذکر مقدم ہے اس کے بعد عذاب و ثواب کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ خوف عذاب و رجاء ثواب بھی ذکر اللہ میں داخل ہیں۔

(۳) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ سے مقصود ذکر ہے۔

(۴) اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ اس کا ربط قریب یہ ہے کہ یہ جملہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى کی علت ہے یعنی نماز میں یہ خاصیت اسلئے ہے اِنَّ فِیْهَا ذِكْرَ اللّٰهِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ فلاجل تاثیرالذکر تنھی الصلوٰۃ عن الفحشاء و المنکر الآیہ

(۵) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى الایہ اس میں صلوٰۃ کو ذکر پر مرتب فرمایا گیا ہے جس سے ذکر کا دخل نماز میں معلوم ہوا اور روزہ کے بارہ میں ارشاد ہے:۔

(۶) وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ الایہ

(۷) حج کے بارے میں ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۔

(۸) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۔

(۹) فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ

(۱۰) فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الایہ۔ یہ چونکہ حج مرکب ہے اعمال متعددہ سے جا بجا ذکر کا حکم ہوا ہے تاکہ ہر عمل میں اس سے اعانت ہو۔

(۱۱) لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ الایہ یہ انفاق سے پہلے ذکر کا امر ہے اور پھر انفاق کا یہ ترتیب ظاہر اً بتلا رہی ہے کہ ذکر کو انفاق میں دخل ہے۔ جیسا اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جا بجا ترتیب اسی پر دال ہے۔

(۱۲) لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ یہ اس میں قربانی کو بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں چھوڑا تاکہ اس کے سب احکام متعددہ کا اہتمام و رعایت سہل ہو۔ اور اگر غور کیا جائے تو تمام اعمال میں ذکر موجود ملے گا یہ تو اعمال ظاہرہ کی چند مثالیں تھیں اب اعمال باطنہ میں غور کیجئے تو وہاں بھی ذکر موجود ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱۳) اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا الایہ اس سے معلوم ہوا کہ خوف وخشیت وہی معتبر ہے۔ جس کا منشا ذکر اللہ

ہے نیز معلوم ہوا کہ ذکر کو خوف میں جو کہ اعمال باطنہ سے ہے دخل ہے۔

(۱۴) وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَہُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِہِمْ الآیہ اس میں استغفار کو ذکر پر مرتب فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ذکر استغفار کا سبب بن جاتا ہے۔ وہذا مشاہد۔

(۱۵) فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ الآیہ۔ ظاہر ترتیب سے ذکر کا دخل شکر میں معلوم ہوتا ہے۔

(۱۶) یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ الآیہ ثبات عند القتال صبر کا اعلیٰ فرد ہے اس کی سہولت کے لئے ذکر کا امر اس پر دال ہے کہ ذکر کو صبر میں بھی دخل ہے۔

(۱۷) یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ اس میں دلالت ہے کہ ذکر کو فکر میں بھی دخل ہے۔

(۱۸) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ الیٰ قولہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کو عدم انہماک فی الدنیا میں بھی دخل ہے۔

(۱۹) یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا الآیہ اس میں دلالت ہے کہ ریاء کا علاج ذکر ہے۔

یہ مقامات کا بیان تھا۔ کیونکہ اعمال ہی کو مقامات کہا جاتا ہے اب احوال میں غور کیا جائے تو ان میں بھی ذکر کو دخل ہے چنانچہ ارشاد ہے

(۲۰) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُہُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ الآیہ۔ اس سے ذکر اللہ کا

دخل اطمینان میں جو کہ منقسم ہے مقام و حال کی طرف معلوم ہوا۔

(۲۱) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ الآیہ ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلب کو اطمینان ہوتا ہے اطمینان کے دو درجے ہیں ایک تو مقام ہے جو تصدیق و اذعان کا درجہ ہے ۔ اور ایک حال ہے جس کو سکون و اُنس سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق اطمینان کے لئے ذکر اللہ کو سبب بتلایا ہے اس لئے اس کے عموم میں مقام و حال دونوں داخل ہیں ۔

(۲۲) اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کو اضمحلال وساوس و نزغات شیطانیہ میں دخل ہے ۔ نیز ارشاد ہے :۔

(۲۳) وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ الآیہ ۔

(۲۴) وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا الآیہ ۔ معلوم ہوا کہ ذکر کو عدم تسلط شیطان میں دخل ہے ۔

اعمال و احوال کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی ذکر کو دخل ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

(۲۵) اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا ۞ الآیۃ السابقہ واللاحقہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کو اعتقاد بعثت میں دخل ہے ۔

(۲۶) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ الآیہ ۔ اس میں دلالت ہے کہ صحت استدلال میں بھی ذکر اللہ کو دخل ہے اس طرح سے کہ ذکر اللہ سے عقل میں نورانیت آجاتی ہے ۔

اس نورانیت کی بدولت خطائی فی الاستدلال سے حفاظت رہتی ہے۔

(۲۷) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ الآیہ۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشغول معاش کے وقت بھی ذکر سے غفلت نہ چاہیئے نیز اس طرف بھی کہ ذکر سے معاش میں برکت بھی ہوتی ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ میں فلاح کی یہ تفسیر ہو سکتی ہے۔

(۲۸) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ اس میں دلالت ہے کہ حقوق نفس ادا کرنے میں ذکر کو دخل ہے۔

(۲۹) إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ امم سابقہ کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرنے میں بھی ذکر کو دخل ہے۔

(۳۰) فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ الآیہ اس میں اشارہ ہے کہ نماز ادا کر کے اپنے کو ذکر سے فارغ نہ سمجھیں بلکہ ذکر میں برابر مشغول رہیں۔

(۳۱) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى الآیہ اس سے اعراض عن الذکر کا موجب خسران دارین ہونا ظاہر ہوتا ہے۔[عہ]

(۳۲) فَاذْكُرُوْا آلَاءَ اللّٰهِ الآیہ

(۳۳) وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ الآیہ

(۳۴) وَذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰمِ اللّٰهِ الآیہ عامۃ[عہ] للنعم والنقم

(۳۵) وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ

عہ یعنی ذکر سے اعراض دونوں جہاں کے گھاٹے کا سبب ہے عہ نعمتوں اور کلفتوں کو عام ہے۔

تشکرون الآیہ ان آیات میں نعمت دنیویہ یاد دلائی ہیں ۔

(۳۶) فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا الآیہ اس میں یوم قیامت کو کہ یوم ثواب وعقاب ہے یاد دلایا ہے ۔

(۳۷) لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب الآیہ ۔ اس میں بھی یوم حساب کے یاد نہ رکھنے پر وعید فرمائی ہے ۔

(۳۸) فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا الآیہ اس میں یوم اللقاء کو یاد دلایا ہے ۔

(مزید برآں) ذکر کی کوئی حد نہیں ۔ حالانکہ نماز کے واسطے ایک حد ہے کہ اوقات مکروہہ میں حرام ہے روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایام خمسہ میں حرام ہے زکوٰۃ و صدقہ کے واسطے حد ہے کہ خیر الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے مثلاً فرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لئے حج نفل جائز نہیں جس سے اہل وعیال کے حقوق ضائع ہوں مگر ذکر حقیقی کے لئے کوئی حد نہیں چنانچہ حدیث میں ہے کان یذکر اللّٰہ فی کل احیانہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور اس کا غیر محدود ہونا یہاں تک ہے کہ بیت الخلاء میں زبان سے ذکر کرنا گو ممنوع ہے ۔ کیونکہ زبان بیت الخلاء میں ہے مگر دل سے خدا کو یاد کرنا کہ وہی ذکر حقیقی ہے ممنوع نہیں کیونکہ قلب بیت الخلاء میں نہیں اور یہاں سے صوفیہ کے اس قول کی ایک لطیف تائید ہوتی ہے کہ لطیفۂ قلب جسم سے باہر ہے وہ دوسرے عالم میں ہے ۔ اسی واسطے پاخانہ میں ذکر قلبی ممنوع نہیں ۔ کیونکہ قلب یہاں نہیں ہے ۔ اور اگر کوئی اس تحقیق کو نہ سمجھے یا

لہ اکبر الاعمال صفحہ

نہ مانے تو یوں کہہ لے کہ قلب ذاکر مثل تعویذ ملفوف کے ہے۔ اور تعویذ ملفوف پاخانہ میں لے جانا جائز ہے۔ اور گو زبان بھی ملفوف ہے۔ مگر زبان سے ذکر جبھی ہو سکتا ہے جبکہ لبوں اور دانتوں کو حرکت ہو۔ اور جب لب و دندان کو حرکت ہوئی تو زبان مستور نہ رہے گی مکشوف ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص بدوں لب و دنداں کو حرکت کے پاخانہ میں اس طرح ذکر لسانی کرے کہ زبان مکشوف نہ ہو تو یہ صورت جائز ہے مگر وہ ذکر ہی نہیں کیونکہ ذکر تلاوت کے لئے تصحیح حروف ضروری ہے اور بعض کے نزدیک سماع صوت بھی لازم ہے اور اس کے لئے کشف لسان بھی لازم ہے اور بغیر اس کے جو ذکر ہوگا وہ حکماً ذکر ہے نہ حقیقۃً۔

خلاصہ[1] طریق الی اللہ کا کل دو چیزیں ہیں۔ طاعت اور ذکر۔ معصیت سے طاعت فوت ہو جاتی ہے اور غفلت سے ذکر مختل ہو جاتا ہے اسلئے اپنا اصلی کام طاعت و ذکر پر دوام رکھنے اور معصیت سے بچنے کو سمجھے (اور شریعت کے تمام احکام کو بجا لائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو احکام کے واسطے ہی سے ہو گی پس ذکر اللہ کے مختلف مراتب ہیں۔ اسی واسطے مشائخ نے ذکر میں تدریجی رفتار رکھی ہے چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہ تو ذکر لسانی میں بھی تدریج اختیار کرتے ہیں۔ کہ بارہ تسبیح میں اول لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کی تعلیم ہے۔ یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں تو اس کو چاہئے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے تیغ لا سے نفی کرے جب ان کی نفی ہو گئی اور دل اغیار سے خالی ہو گیا تو صرف ذکر اثبات اِلَّا اللّٰه مناسب ہے مگر اثبات میں بھی اغیار کا ایک گونہ استحضار ہے۔ اس لئے اس کے بعد اَللّٰه اَللّٰه بتلاتے ہیں۔ جس میں محض ذات حق

---

[1] تصوف و سلوک صفحہ ۳۵۹ و اکبر الاعمال صفحہ ۲

پر توجہ ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے اس لئے بعضے مشائخ اسکے بعد ذکر ھو ھو کی تعلیم کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے۔ اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اقسام ذکر اور ان کا دستور العمل

ابتداء میں اسم ذات کی کثرت دوسرے اذکار و اشغال سے زیادہ مناسب ہے

(اگرچہ) زیادہ قرب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں ہے کہ یہ ماثور ہے اور دوسرے اذکار الا اللہ یا اللہ اللہ یکسوئی کی مصلحت کے لئے تجویز ہوتے ہیں۔ واقعی تجربہ ہے ذکر ماثورہ اور ادفق بالطبائع ہے اور اس لئے انفع بھی ہے۔

ایک مختصر دستور العمل جو کہ غایت نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک عطر تعریف کہنے کے قابل ہے اپنے دوستوں کے لئے ہمیشہ کے لئے عمل کرنے کیواسطے ضبط کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کے موافق عمل کرنے والا محروم نہ رہے گا۔

طالب کی چار قسمیں ہیں۔ ایک عامی مشغول، دوسرا عامی فارغ۔ تیسرا عالم مشغول، چوتھا عالم فارغ ان میں ہر ایک کے لئے ایک دستور العمل خاص ہے۔

عامی مشغول کا خاص دستور العمل

اول عقائد و مسائل ضرور سیکھے اور بہت اہتمام سے اس کا پابند رہے۔ اور جو نئی بات پیش آوے علماء سے پوچھے اگر ممکن ہو تو تہجد آخر شب میں پڑھو ورنہ عشاء کے بعد ہی ورنہ سے پہلے کچھ نفلیں بجائے تہجد کے پڑھ لے اور بعد پانچوں نمازوں کے یا

لہ کمالات اشرفیہ صفحہ ۱ انفاس عیسیٰ سے قصد السبیل صفحہ ۱۳

جن کے بعد فرصت ہو سبحان اللہ سو بار اور لا الٰہ الا اللہ سو بار اور اللہ اکبر سو بار اور سوتے وقت استغفار سو بار پڑھا کرے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف زبان سے جاری رکھے اور اگر قرآن مجید پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن کی تلاوت بھی کر لیا کرے۔

عامی فارغ کا خاص دستور العمل

عامی فارغ کا خاص دستور العمل بھی وہی ہے جو عامی مشغول کے لئے بیان کیا گیا مگر اتنے امور اور زائد ہیں۔ اگر ممکن ہو تو پیر کی خدمت میں جا پڑے۔ اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے وطن ہی میں رہے خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں مگر جہاں تک ہو سکے خلق سے علیحدہ رہے جب تک کوئی دنیا یا دین کی ضرورت نہ ہو۔ مخالطت نہ کرے تنہائی میں جو اوقات اپنی ضروری حاجت و آرام سے بچیں اس میں خواہ قرآن کی تلاوت مع مناجات مقبول خواہ نوافل خواہ درود شریف خواہ استغفار میں مشغول رہے اور اگر کچھ خواندہ ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو فارسی میں ہیں کسی معتبر عالم کو دکھلا کر مطالعہ کرے جہاں شبہ رہے کسی محقق عالم سے پوچھ لے کبھی کبھی نفلی روزے بھی رکھ لیا کرے۔

عالم مشغول کا خاص دستور العمل

اوقات فارغہ میں کوئی وقت ایسا جس میں افکار و تشویشات سے کسی قدر خالی ہو اور معدہ پُر نہ ہو نہ بھوک کا تقاضا ہو معین کر کے اس میں بارہ ہزار سے

چوبیس ہزار تک جس قدر ممکن ہو خلوت میں بیٹھکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ باوضو خفیف جہرو ضرب کے ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن کریم کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام رکھیں اور اگر مدرس ہیں فبہا ورنہ ایک معتدبہ وقت تدریس طلبۂ علم دین میں ضرور صرف کریں اور گاہ گاہ ضروری احکام کا وعظ کہدیا کریں شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں البتہ اگر وہ تجویز کرے تو مضائقہ نہیں

عالم فارغ کا خاص دستور العمل

چند روز جس قدر میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر مشغول ذکر رہیں اور ان کیلئے اذکار میں سے اس قدر کافی ہیں یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دو سو بار اِلَّا اللہُ چارسو بار اور اَللہُ اَللہُ بضم ہائے اول و سکون ہائے ثانی چھ سو بار، اور صرف اَللہُ سو بار یہ تیرہ تسبیح ہیں مگر اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔

طریق ذکر دوازدہ تسبیح بعد نماز تہجد کے توبہ و استغفار، عجز و انکساری ہو کر اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب پڑھے اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ یَا اللہُ تین بار یا تین مرتبہ تکرار کرے اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ بار درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے۔ اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو کہ بائیں زانو کے اندر ہے۔ تھام لیوے۔ اور کمر کو سیدھی رکھے۔ پھر دلجمعی سے ہیبت اور حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے

لہ تعلیم الدین ص

بعد اعوذ و بسم اللہ کے باخلاص تمام تین بار کلمۂ طیبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھ کے سر کو قلب کی طرف کہ زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے جھکا کر کلمہ لا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچے اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پر لے جاکر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈالدیا اور دم کو چھوڑ کر لفظ الا اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا اسی طرح اس نفی و اثبات کو فکر اور ملاحظہ اور واسطے کے ساتھ دو سو بار کہے اور ذکر میں نو بار لا الٰہ الا اللہ اور دسویں بار محمد رسول اللہ کہے۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمہ لا الٰہ میں لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود ملاحظہ کرے اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

طریق ذکر اثبات مجرد | پھر دو زانو بیٹھے اور کمر سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لے جاکر لفظ الا اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب کرے اس کو چار سو بار دمادم کرے پھر بطور سابق تین بار کلمۂ طیبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔

طریق ذکر اسم ذات | پھر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کا کرے اس طرح سے کہ اول حرف ہائے لفظ اللہ کو پیش اور دوسرے ہائے لفظ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر لفظ مبارک اللہ اللہ کی دونوں ضرب جہر اور قوت سے دل پر مارے

اس ذکر اسم ذات دو ضربی کو چھ سو بار دمادم کرے لیکن دسویں گیارھویں بار اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اَللّٰہُ نَاظِرِیْ اَللّٰہُ مَعِیْ (ترجمہ اللہ تعالیٰ میرے پاس ہیں اور مجھے دیکھ بھال رہے ہیں اور میرے ساتھ ہیں) مع ملاحظہ معنی کے کہتا رہے تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور دفع غفلت و خواب حاصل ہو۔ بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے پھر ایک ضربی اسی طرح سر کو داہنے مونڈھے کی طرف موڑ کر لفظ مبارک اللہ کو دل پر سو بار دمادم کرے بعد تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہہ کر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا مانگے اور مناجات کرے۔

اس ذکر کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو۔ ذرا سو جاوے۔ پھر بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جسقدر سہل ہو اسم ذات خفیف جہر اور معتدل ضرب سے خلوت میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر کو قیلولہ کرے۔ بعد ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جسقدر سہولت کے ساتھ عصر کے قبل قبل ہو جاوے۔ اسم ذات کا ورد کرے اور عصر کے بعد اگر شیخ فارغ ہو تو مغرب تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہے اور اگر فارغ نہ ہو یا وہاں موجود ہی نہ ہو یا اس کے قلب میں زیادہ اشتیاق نہ ہو تو جنگل باغ ندی نہر وغیرہ کی سیر کو چلا جاوے۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس سے اجازت لے کر جاوے۔

ذکر جہر اور ضرب | ان[2] مذکورہ بالا اذکار میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب کرے مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا ہیں

---

[1] قصد السبیل ص۔۔ [2] قصد السبیل ص۔۔

ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے اور حدیث میں جو وارد ہے اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ترجمہ:۔ بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہیں پر محمول ہے اور بعض نے جہر مفرط کو اسی کا محمل بنایا ہے جس سے دوسرے لوگ متاذی ہوں مثلاً نائمین کو تشویش ہو۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہ اسنا ہیں ورنہ جہر فی نفسہ جائز ہے۔ جیسا بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے رفع الصوت بالتکبیر کا علامت انصراف عن الصلوٰۃ (نماز کا ختم ہونا) عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں اور سنن میں وتر کے بعد سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ میں رفع صوت مروی ہے معلوم ہوا کہ جہر من حیث ہو جہر اس حیثیت سے کہ وہ جہر ہے، عبادت نہیں۔ اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفع خواطر و حصول جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں۔ بشرطیکہ کوئی اور عارض مانع نہ ہو۔ بہرحال جہر مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو اور جہر معتدل میں تفصیل ہے اگر خود جہر کو بقصد ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے رواۃ بھما فی رد المختار آیا بعض فیہا کا لعید بالتلبیہ والجہر بتکبیرات التشریق ونحوھا[۲]، اور اگر مقصود نفس ذکر ہوا اور جہر اعتدال سے ہوا اور باعتبار مصلحت ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ ایسا جہر شریعت سے ماذون فیہ بلکہ احادیث میں وارد ہے جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس و خطرات۔۔ کم آتے ہیں سو یہ فائدہ مخفف جہر سے بھی حاصل ہے اسی طرح ضرب بھی قربت نہیں ہے اس میں ایسی ہی حکمت طبیہ ہے وہ یہ کہ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت

---

[۱] تکبیر کے ساتھ آواز کا بلند کرنا [۲] العید والوعید صفحہ ۔۔ [۳] قصد السبیل صفحہ ۔۔

سے رقت اور رقت سے تاثر اور تاثر معین ہوتا ہے اطاعت اور محبت میں اور وہ مقاصد میں سے ہے پس ضرب ذریعۂ مقصود ہونے سے مقصود بالغیر بن جاتا ہے لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے لہٰذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

ذکر کے فائدے آخرت میں تو ثمرہ یقینی ہے اور اصل وعدہ عطائے ثمرات کا آخرت ہی میں ہے لیکن دنیا میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو اس کے قلب پر علوم عجیبہ و معارف جن کے باب میں مولانا کا ارشاد ہے ؎

بینی اندر دل علوم انبیاء ۔۔۔ بے کتاب و بے معید و اوستا

اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق محبت و انس و ہیبت و انکشاف اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ و رتنبیہ علیٰ ما یصلح للقلبیہ و امثالہا فائض ہونگے جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے۔

اگر ذکر اللہ کو اپنا اصلی کام سمجھو تو جو کام اس میں مخل ہو گا۔ اس سے جی گھبرائے گا اور معاصی سب اس میں مخل ہیں اس لئے ان سب سے نفرت ہو جائے گی۔ پھر رفتہ رفتہ فضول مباحات سے بھی نفرت ہونے لگے گی۔

طریق کار ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے رہیں اور کبھی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ بس ہر وقت ذکر کا ہی دھیان رکھیں۔ اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھیں۔۔ مذکرہ ہے۔ ذکر یاد رہتا ہے۔

ل کمالات اشرفیہ ع ۲۲۸ ص ۳۱۸

دوسری فصل ۔ اشغال

شغل کی حقیقت

اشغال[1] کا مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار جو بوجہ تشویش افکار کے ہے دفع ہو کر جمعیت خاطر اور خیال کی یکسوئی حاصل ہو۔ تاکہ اس کے خوگر ہونے سے توجہ تام الی اللہ جو کہ مبتدی کو بوجہ غیب ہونے مدرک کے اور مزاحم ہونے افکار مختلف اور حسیات حاضرہ کے متعذر ہے سہل ہو جاوے اشغال مختلفہ اسی کے حیل و طریق ہیں۔ نماز میں سترہ کا حکم اسی عمل کا ماخذ ہو سکتا ہے کیونکہ بتصریح علماء اسرار مقصود سترہ سے بھی جمع خاطر اور ربط خیال و نفی انتشار ہے جیسا ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔ اور سترہ اس کی تدبیر ہے۔

غرض[2] جتنے اشغال ہیں وہ جمع خاطر ہی کے لئے ہیں مقصود بالذات نہیں۔ اور اس میں مشائخ نے یہاں تک وسعت کی ہے کہ جوگیوں تک سے بعض اشغال لئے ہیں مثلاً حبس دم جو جوگیوں کا شغل ہے مگر چونکہ یہ ان کا مذہبی شعار نہیں۔ اور خطرات دفع کرنے کے لئے نافع ہے اس لئے اس کو بھی اپنے یہاں لے لیا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے۔ کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقہ کا نہ مذہبی شعار ہو نہ قومی محض تدبیر کے درجہ میں ہو اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کے لئے اختیار کرنے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔ چونکہ حبس دم بھی دفع خواطر کی محض ایک طبی تدبیر ہے اس لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ یہ اخذ تدبیر میں ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار میں۔ اور اس کے جواز کی دلیل خندق

---

[1] انکشاف صفحہ [illegible] [2] تصوف و سلوک صفحہ [illegible]

کا واقعہ ہے تو یہ انتظام و تدبیر فارسیوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا محض ایک تدبیر تھی اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیدی ۔

طریق کار — ذکر کے وقت اگر قلب میں جمعیت و خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جائے اور وساوس و خطرات میں کمی ہونے لگے اور دل لگا کر کرے تب تو اشغال کی حاجت نہیں اور اگر ایک مدت تک ذکر کرنے سے قلب میں یکسوئی و خشوع نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل بھی کر لیا جائے۔

شغل انحد، سرمدی اور سلطان الاذکار!

اشغال تو بہت ہیں، مگر میرے نزدیک نفع اور راہل د سب سے زیادہ مفید اور آسان "انحد ہے۔ و آنرا ذکر سرمدی و سلطان الاذکار ہے گویند اور اس کو ذکر سرمدی اور سلطان الاذکار کہتے ہیں ۔)

عن ابی بکر قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الدعاء وفیہ ان تورثنی القرآن العظیم والعلم و ان تخلطہ بلحمی ودمی وسمعی وبصری الحدیث۔ رواہ رزین

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا سکھلائی اور اس دعا میں یہ بھی ہے کہ مجھ کو قرآن مجید اور اس کا علم عطا فرمایئے اور اس کو میرے گوشت اور خون اور گوش اور چشم میں پیوست اور مخلوط کر دیجئے ۔

اس حدیث میں تخلیط القرآن بجمیع الاعضاء والاجزاء کی دعا ہے اور حدیث میں ہے۔

لہ قصد السبیل صفحہ ۱۶۰-۱۶۱ ۔ کہ التکشف صفحہ

اِنَّ اللہَ لا یستجیب الدعا من قلبٍ لاہٍ — بے شک اللہ تعالیٰ غیر متوجہ قلب کی دعا قبول نہیں فرماتے۔

پس اس حدیث سے اس دعا کے وقت اس خلط کا تصور و استحضار ضروری ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اور اللہ تعالیٰ کا نام اس تصور میں مساوی ہیں پس ہر بُن مو سے "اللہ ہو" کے جاری ہونے کا تصور، اس سے نافع ہونا ثابت ہو گیا۔ جو اس شغل کا طریقہ ہے (اور وہ یہ ہے کہ)

از سر تا قدم بہر بُن موئے وجود۔ خود بجمیع ہمت متوجہ شود۔ یعنی بداند کہ در آمد و رفت نفس از ہر بن موئے اللہ ہو جاری است۔ — سر سے قدم تک اپنے وجود کے ہر بن مو بہ پوری ہمت کے ساتھ متوجہ ہو۔ یعنی یہ سمجھے کہ نفس کے آنے جانے میں ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہے

(ضیاء القلوب)

اس کا اچھا وقت آخر شب ہے بارہ تسبیح کے بعد۔ دوازدہ تسبیح بر حسب ایک چلہ گذر جاوے اسوقت شروع کرنا چاہیئے لیکن حبس نہ کرے۔ آجکل اکثر اس سے قلب و دماغ دونوں ماؤف ہو جاتے ہیں۔ صرف آنکھیں ویسے ہی بند کر لے اور کانوں کو انگشت شہادت سے ذرا زور سے بند کرے۔ اس سے کان میں ایک صوت کَنَقِیْقِ جِنِّیٍّ حَبَبْ پیدا ہوگی۔ اس آواز کی طرف قلب کو متوجہ رکھے اور زبان سے یا قلب سے اسم ذات کا ورد رکھے۔ تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گزرے کیونکہ اس صوت میں مشغول ہونا ذکر نہیں کیونکہ یہ صوت نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں جیسا بعض کو دھوکہ ہو گیا ہے بلکہ عالم غیب میں سے

لہ قصد السبیل ص۳۳

کسی مخلوق کی بھی نہیں صرف اسی کے دماغ میں ہوا بنا ہو کر متموج ہونے لگتی ہے باوجود اس کے پھر اس کی طرف مشغول کرنا صرف اس شئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ صورت محسوس ہے اور لذیذ ہے بلکہ بعض اوقات اس کے اندر نہایت دلفریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں کہ شاغل کو محو کر دیتی ہیں اور محسوس ولذیذ چیز کیطرف متوجہ ہونے سے طبعاً دوسرے خطرات گم ہو جاتے ہیں تو اس سے ذہن کو ایک طرف توجہ تام کرنے کی عادت ہوتی ہے پھر شغل چھڑا کر اس توجہ کو مقصود حقیقی کی طرف منصرف کر دیتے ہیں جس کی طرف اولاً متوجہ ہونا بوجہ اس کے غائب عن الحواس ہونے کے احیاناً محتاج تکلف تھا۔

شغل اسم ذات

آنکہ بر پارچۂ کاغذ شکل قلب صنوبری برنگ سرخ یا نیلگوں کشیدہ دراں لفظ اللہ بآب طلا یا نقرہ بنویسد وپیوستہ نظر برس دارد۔ تاکہ نقش ایں اسم در دل پدید آید یا صورت وہمی را بر صفحۂ دل بنویسد و مدام متوجہ باں باشد تا غیب از حواس پدید آید[1]

کاغذ کے ایک ٹکڑے پر قلب صنوبری کی شکل سرخ یا نیلگوں کھینچکر اس پر آب زر یا نقرئی پانی سے لفظ اللہ لکھے اور ہمیشہ اس پر نظر رکھے تاکہ اس نام کا نقش دل پر رونما ہو جائے یا وہمی صورت صفحۂ دل پر لکھ لے اور ہمیشہ اس طرف متوجہ رہے تاکہ غیب حواس سے رونما ہو جائے۔

حبس بصر

فِی صَلٰوتِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُجَاوِزُ بَصَرُہٗ اِشَارَتَہٗ اخرجہ ابوداؤد[2]

نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آپ کے اشارہ بالسبابہ سے آگے نہ بڑھتی تھی۔

---

[1] تعلیم الدین ص۱۱۷ [2] التکشف [illegible]

قال یا انس اجعل بصرک حیث تسجد — رواہ البیہقی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے انس اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھو۔

حبس بصر، ربط النظر لاجتماع الخواطر ایک شغل ہے کہ کسی چیز کی طرف نگاہ جما کے دیکھا جاوے مقصود اس سے اور جمیع اشغال سے اجتماع خواطر و یکسوئی ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ نیز تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اس عمل سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔

حبس دم

ھُوَ یُصَلِّیْ وَلِجَوْفِہٖ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ یَعْنِیْ یَبْکِیْ — رواہ النسائی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے سینے میں ایک ایسی آواز تھی جیسے دیگچے کے وقت ہانڈی کی آواز ہوتی ہے۔ یعنی آپ رو رہے تھے۔

تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ کیفیت غلبہ بکا اور اس کی ضبط سے ہوتی ہے اور یہ بھی تجربہ اکثریہ سے ثابت ہے کہ غلبہ کے وقت ضبط کرنے سے سانس رک جاتا ہے پس جو امر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے لازم آگیا اس کے محمود و نافع ہونے میں توشبہ ہو ہی نہیں سکتا پس اگر کوئی تحصیلاً و اکتساباً التزام و اہتمام کرے تو کیا حرج ہے (یعنی جائز ہے)۔[1]

(نوٹ)، اگر شیخ کامل کوئی اور مراقبہ یا شغل مناسب تجویز کرے۔ اس کا اتباع کرے۔ لیکن اشغال میں شغل رابطہ اور تصویر شیخ اور مراقبات میں مراقبہ وحدۃ الوجود بوجہ اس کے کہ خواص کو بھی مضر ہوتا ہے۔ متروک ہے۔

---

[1] قصد السبیل ص۱۴

تیسری فصل ۔ مراقبات

[1] إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا الآیۃ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا نگہبان ہے

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ رواہ مسلم احفظ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ رواہ احمد والترمذی

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ ہی رہا ہے اور فرمایا اللہ تعالے کا دھیان رکھو اپنے مقابل پاؤ گے۔

ماہیت وحقیقت حق تعالیٰ کی ذات وصفات یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اسکے غلبہ سے اس کے مقتضاء پر عمل ہونے لگے تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور مواظبت کے ساتھ رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے [2] ان مراقبات سے تصور ناقص راسخ ہوجاتا ہے۔ اور اسی رسوخ میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔

مراقبہ[3] کے متعلق دو چیزیں اور ہیں ایک مشارطہ کہ مراقبہ سے پہلے ہے دوسری محاسبہ جو مراقبہ کے بعد ہے۔ مشارطہ یہ کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے کہ دیکھیو فلاں فلاں کام کیجیو فلاں فلاں مت کیجیو۔ اس کے بعد مراقبہ یعنی نگہداشت اس معاہدہ کی رکھنا

---

[1] تعلیم الدین ص۴۰ [2] التکشف ص۳۰۲ ج۲ [3] انفاس عیسیٰ ص۲۸۰ [4] تعلیم الدین ص۴۲

جب دن ختم ہو پھر سوتے وقت محاسبہ کرے یعنی صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کو تفصیلاً یاد کرے جو نیک کام کئے ہوں ان پر شکر الٰہی بجالائے جو بُرے کام کئے ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہو گئی ہو۔ اس پر نفس کو ملامت وزجر و توبیخ کرے اور اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو کچھ سزا بھی تجویز کرکے عملدرآمد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ الآیہ — چاہئے کہ دیکھ بھال لے ہر شخص کہ کل قیامت کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔

مراقبہ محبت حق یہ مراقبہ کیا کرے کہ حق تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں یہ مراقبہ بحید مفید ہے اس سے بندہ کے قلب میں بھی حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور بندہ خواہ کیسی ہی مصیبت اور پریشانی میں ہو مگر جہاں یہ مراقبہ کیا ساری پریشانی رفع ہو کر کیونکہ یہ یقین کریگا کہ جب اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے تو اس مصیبت میں ضرور میرا کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ ورنہ محبت میں محبوب کو کون تکلیف دیتا ہے۔

مراقبہ نماز نماز میں حضوری حاصل ہونے کے کئی طریق ہیں ایک یہ خیال کرنا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہا ہے (۳) یہ کہ معنی کا خیال رکھنا (۴) ہر لفظ کو بقصد منہ سے نکالنا کہ کوئی لفظ محض یاد سے نہ پڑھے ہر ہر لفظ پر قصد کرنا چاہیئے کہ اب یہ کہوں گا (۵) یہ سمجھنا کہ یہ میری عمر کی آخری نماز ہے۔ شاید اب عمر کا خاتمہ ہو جائے۔ ان طریقوں میں سے

لہ القول الجلیل ص۱۹ ج ۲ ۔ کہ تعلیم الدین ص۸۹

جو طریق آسان اور دلچسپ ہو اس کو اختیار کر لے۔

مراقبۂ تلاوت قرآن مجید جب پڑھنے کا ارادہ کرے تو تھوڑی دیر پہلے یہ سوچ لے کہ میں اللہ تعالیٰ کے روبرو بیٹھا ہوں جس طرح شاگرد استاد کے روبرو ہوتا ہے۔ اور بطور سبق کے اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں۔ اس مراقبہ سے جو کیفیت ہو گی۔ خود معلوم ہو جائے گا۔

مراقبۂ رزق خدا تعالیٰ اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر ناز و عجب، غرور، غفلت، غریبوں کی تحقیر، کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا تدارک یہ ہے کہ تدبر و تفکر (مراقبہ) سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے۔ ورنہ میں بالکل نااہل تھا۔ مجھ میں کوئی کمال بھی نہ تھا۔ بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کر کے سوچے کہ میں سزا کا مستحق تھا۔ اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال پھرتے ہیں۔ پھر اس کا فضل ہی تو ہے جو اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اب میں ناز کس پر کروں ؎

اگر روزی بدانش در فزودے ۔۔۔ زناداں تنگ تر روزی نبودے

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں لیاقت سے رزق کا ملنا قارون کا عقیدہ ہے۔[1]

---

[1] کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۸

مراقبہ دفع معاصی گناہ کا علاج بجز ہمت کے کچھ نہیں اگر رغبت الی المعاصی کی کثرت ہو تو ہمت کرکے ایسے وقت میں عقوبت دوزخ کو یا حق تعالیٰ کے بصیر ہونے کو یاد کر لیا کرے یہ ہمت کو قوی کریگا چند بار ایسا کرنے سے یہ (گناہ سے) مانع ہو جایا کرے گا۔

مراقبہ رویت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

اَلَمْ یَعْلَمْ کیا اس کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ

بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی دیکھ رہا ہے

یا ملاحظہ معنی صورت رویت حق تعالیٰ خود را در ملاحظہ دارد و براں مواظبت نماید تا وجدان صورت ملکہ گردد۔

یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے۔ اور کوئی بات کسی وقت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی عظمت و قدرت و جلال اور اس کے عذاب و عقوبت کو بھی یاد کرے اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھ جائے گا پھر کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس سے نہ ہوگا۔

مراقبہ ارضی ہماری اصل تو خاک ہے لہذا ہم کو خاک بن کر رہنا چاہئے۔ مٹی ہو کر تکبر کرنا نہایت ہی نازیبا ہے۔ پھر آخر میں بھی ہم مٹی ہی میں ملنے والے ہیں۔ یہ جسم سب خاک خوردہ ہو جائے گا۔ اور ایک دن ہم زمین کے اوپر سے اس کے اندر پہنچ جائیں گے تو اس

لے انفاس عیسیٰ ص۲۲ ۲ے تعلیم الدین ص۸۵،۹۵ سے انفاس عیسیٰ ص۸۴،۸۳،۲۲۲

کے لئے ہم کو ایسے اعمال کرنے چاہئیں۔ جو اس وقت کارآمد ہوں۔ اس مراقبہ کو اصلاح حال میں بہت ہی تاثیر ہے۔

مراقبہ تفویضیہ عبدیہ یہ مراقبہ اور استحضار کہ ہم کون ہیں۔ اپنے اپنے تصرف کرنے والے یا تجویز کرنے والے یا تصرف اور تجویز کا محبوب حقیقی ہی کو حق ہے۔ اور وہ جو تصرف اور تجویز فرماتے ہیں سب خیر محض ہے۔ گو اس وقت ہماری سمجھ میں نہ آوے بعد میں آ بھی جاتا ہے۔ البتہ جن اعمال کا ہم کو امر فرمایا ہے وہ خود ان کا تصرف ہے اس کا اہتمام یہ اپنا تصرف نہیں۔ انہی کی تصرف کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس یقین کا تازہ اور قوی کرنا کہ اگر ان کے کسی تصرف سے جس کا بندہ کو تحمل نہ ہو سکے صحت برباد ہو جائے۔ بلکہ جان بھی ختم ہو جائے۔ تو ایسا تصرف سب سے بڑی رحمت ہے۔ نیز یہ بھی پیش نظر رکھا جائے ؎

زاں بلا یا انبیاء بر داشتند | سر بچرخ ہفتمیں افراشتند
سپردم بہ تو مایہ خویش را | تو دانی حساب کم و بیش را

(انبیاء نے مصائب برداشت کئے۔ ان کے باعث آسمان ہفتم تک سربلند ہوئے۔ میں اپنے آپ کو تیرے حوالہ کرتا ہوں۔ کم و بیش کا حساب تو خود جانتا ہے۔)

مراقبہ فنا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔ اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی۔ جو صاحب

ف تعلیم الدین ص۳۳

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ	بزرگی اور انعام والا ہے۔
با ملاحظہ معنی صورت یقینی فنا جملہ موجودات و بقائے آں ذات بے کیف تصور نماید و بچشم دل آنرا بہ بیند و دراں محو شود۔ تاکہ ایں معنی بوجہ احسن جلوہ گر گردد و فنائے سالک و اضمحلال عقل و علم رو نماید	یہ تمام موجودات کی فنا اور اس ذات بے کیف کی بقاء کا تصور کرے اور دل کی آنکھوں سے اس کو دیکھے اور اس میں مستغرق ہو جائے۔ تاکہ یہ معنی احسن طریقہ سے جلوہ گر ہو جائیں اور فنا۔ سالک اور عقل و علم کا اضمحلال حاصل ہو جائے

مراقبہ سفر آخرت

جس طرح اسفار دنیا میں موانع سفر سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اتفاقیہ نقصان پر طبیعتوں میں آثار غم پاتی ہیں۔ اور جو امور معین ہوتے ہیں۔ ان کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم کو چاہیئے کہ اپنی ہر ہر نقل و حرکت کو تنقیدی نظر سے دیکھیں کہ آیا ہمارے سفر آخرت کے واسطے عائق ہے یا معین اگر کوئی حالت یا فعل ہمارا مانع سفر ہے تو اس سے احتراز کریں اور جو امور اس سفر میں ہمیں معین ہیں رغبت کے ساتھ بطیب خاطر اختیار کریں یہ خیال رکھیں کہ کہیں کوئی غار راہ ہمارے اس شاہراہ پر رو نما نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں۔ تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے لے صاحب جس کو ہر وقت سفر در پیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسی باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان کہ آپ ہمیشہ فکر و سوچ اور رنج و غم میں رہتے تھے اور اسی فکر و غم کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کان جل ضحکہ التبسم کہ آپ کا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ تبسم فرما لیتے تھے۔ (اور یہ بھی ہماری خاطر سے تاکہ لوگوں کا کلیجہ پھٹ نہ جائے۔ اور وہ یوں نہ کہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت غمگین رہتے ہیں تو ہمارا کہاں ٹھکانا ہے لوگ اس سے مایوس ہو جاتے۔) پس انسان کو چاہیئے کہ یہ تصور پیش نظر رکھے کہ میں ہر وقت سفر میں ہوں۔ بے چینی اور عدم اطمینان جس سفر کے لوازم سے ہے کیونکہ مسافر کو منزل پر پہنچنے سے پہلے اطمینان نہیں ہوا کرتا بلکہ مسافر کے لئے غیر منزل کے ساتھ اطمینان اور رضا مانع سفر ہے۔ جو مسافر غیر منزل سے دل لگا لے گا۔ اور اسی میں قیام کر کے بے فکر ہو جائے گا۔ یقیناً منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ تو آپ کو مسافر کی طرح فکر مند اور بے چین رہنا چاہیئے۔ بے فکر نہ ہوئیے۔ بلکہ برابر عمل میں لگے رہئے اور اپنی طرف سے راستہ قطع کرنے کی برابر ہمت کیجئے۔ پھر اللہ تعالے کی عنایات و اعانت کا لطف دیکھئے کہ وہ کیونکر طویل مسافت کو قصیر اور دشوار گذار طریق کو پھولوں ہلکا بنا دیتے ہیں۔ اگر کبھی سستی ہو جاوے تو پھر از سر نو تجدید کی فکر کیجئے اگر گناہ ہو جاوے تو فوراً توبہ کر لیجئے اس سے پھر بندہ راستہ ہی پر آجاتا ہے۔

مراقبۂ ترغیب مجاہدہ صاحبو! اپنے وطن جا رہے ہو اور اتنی سست رفتار کہ بیٹھے بیٹھے کر چل رہے ہو۔ اصل مکان کی طرف تو جانور بھی تیزی سے چلا کرتے ہیں بیلوں کو دیکھئے کہ وطن کی طرف کس شوق سے قدم اٹھا کر چلتے ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ انسان ہو کر بھی اپنے اصلی وطن کی طرف تیزی کے ساتھ قدم نہیں اٹھاتے۔ صاحبو! سستی نہ کرو تیزی کے ساتھ چلو۔ تمہارا اصلی وطن اصلی مستقر آگے ہے۔ تم دنیا میں کہاں پھنسے رہ گئے اس کے ساتھ کیوں دل لگا لیا۔

مراقبۂ موت اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ لذت کے مٹانے والی شئے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔

آدمی تھوڑی دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مر کر قبر میں جانا ہے وہاں سانپ بچھو ہیں یا جنت کے باغ ہیں۔ اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے اور اگر برے ہیں تو سانپ اور بچھو ہیں۔ پھر قبر سے اٹھنا ہے۔ اور حساب کتاب کے لئے پیش ہونا ہے۔ اور پل صراط پر چلنا ہے اسی طرح تمام واقعات قیامت کو یاد کر لیا کرے جب یہ مراقبہ پختہ ہو جائے گا تو غلطی سے بھی گناہ نہ ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مراقبۂ موت مراقبہ موت و ما بعد الموت حالات قبر اور قیامت کے سوچنے سے جو خوف پیدا ہوتا ہے۔ عین مطلوب ہے کہ معین آخرت ہے لیکن اگر اس کے قصداً استحضار سے کوئی مرض جسمانی ہونے لگا

ل طاعت الاحکام صلاح ذکر الموت ملا ۲ انفاس عیسیٰ صلا ۱۸۲

خوف ہو تو روزانہ نہ کریں گاہ گاہ جب غفلت محسوس ہو کر لیں۔

مراقبۂ حیات اگر موت کے سوچنے سے دل گھبراوے تو حیات کو سوچو کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر بھی ہے ابقٰی بھی الذ بھی اور اشہٰی بھی۔

مراقبہ عذاب آخرت عذابِ آخرت کا سوچنا تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔ اس سے کلفت اور کدورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس فکر سے قلب میں نورانیت و انشراح ہوتا ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس فکر سے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور تعلق ہو جاتا ہے۔ اور تعلق مع اللہ تمام پریشانیوں سے نجات دینے والا ہے۔

حدیث میں ہے:۔

من جعل الھموم ھمًا واحدًا ھم آخرۃ کفاہ اللہ ھم دنیاہ ومن تشعبت الھموم احوال الدنیا لم یبال اللہ فی ای اودیۃ ھلک الخ

جس نے تمام غموں کو ایک غم بنا لیا اور وہ ہے آخرت کا غم تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی غموں میں کافی ہوگا۔ اور جس نے مختلف غموں کو اپنے اوپر سوار کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

+ + + + + + + + +

لہ کمالات اشرفیہ ص۱۳ عہ پائیدار عہ زیادہ لذیذ عہ زیادہ پسندیدہ۔

کہ انفاس عیسیٰ ص۳۷

باب سوم۔ فاعلہ مفیدہ مع الخطر

پہلی فصل تصوّر شیخ

عَنِ ابْنِ مسعود قال کانی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحکی نبیا من الانبیاء ضربہ قومہ فادموہ وھو یمسح الدم عن وجھہ و یقول اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون متفق علیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا۔ اور خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

گو تصور شیخ کی خصوصیات زائدہ ہے کہ وہ اس کی نفس حقیقت سے خارج ہیں۔ اور اسی طرح جو اس سے غرض ہے۔ اس سے بھی اس حدیث میں تعرض نہیں۔ مگر اس کی جو نفس حقیقت ہے کہ

لہ الکشف ص ۲۲۳

غائب کی طرف مثل حاضر نظر کی جاوے وہ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔ البتہ اس کی بعض خصوصیات پہ بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے کچھ مفاسد مرتب ہوتے دیکھ کر محققین اکثر اس سے منع کرنے لگے ہیں۔

حقیقت تصور شیخ اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے معنی تو آج تک کسی محقق نے نہیں فرمائے کہ خدا تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے۔ یہ تو محض باطل ہے۔ اگر ان اللہ خلق آدم علی صورتہ سے دھوکا ہو تو سمجھ لینا چاہئیے کہ صورت ناک اور منھ ہی کو نہیں کہتے۔ مثلاً یہ بولتے ہیں اس مسئلہ کی یہ صورت ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ کی ناک منھ نہیں ہے بلکہ صورت کے معنی صفت کے بھی آتے ہیں۔ تو انسان کو آخر سمع و بصر وغیرہ عنایت ہوا ہے۔ اس لئے اس کو صورت حق کہا گیا ہے۔ غرض یہ معنی تصور شیخ کے بالکل بے اصل ہیں۔ کتب فن میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اسکے کمالات کے زیادہ تصور کرنے سے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نسبت قوی ہوتی ہے اور قوت نسبت سے طرح طرح کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض محققین نے تصور شیخ میں صرف یہ فائدہ فرمایا ہے کہ ایک خیال دوسرے خیال کا واقع ہوتا ہے۔ اس سے یکسوئی میسر ہو جاتی ہے۔

لے تعلیم الدین صـ۱۱۵

بے خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے کشکول میں یہی حکمت فرمائی ہے۔

اصل مقصود تصور حق تعالیٰ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ چونکہ مرئی نہیں ہیں۔ اس لئے جن لوگوں کی قوت فکریہ ضعیف ہوتی ہے ان کو یہ تصور جمتا نہیں۔ اس لئے ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے واسطے تصور شیخ تجویز کیا گیا کیونکہ علاج بالضد ہوتا ہے۔ یعنی خیال کے دفع کرنے کے لئے دوسرے خیال کو ذہن میں جمایا جائے گا خواہ وہ کوئی خیال ہو۔ پس ان خیالات مختلفہ کے دفع کرنے کے واسطے ہر دیکھی ہوئی چیز کا تصور کافی ہے جس پر بھی خیال جم سکے۔ لیکن ان سب خیالات میں سے شیخ کا تصور انفع ہے کہ وہ محبوب ہونے کی وجہ سے ذہن میں زیادہ جمے گا۔ اس لئے دفع خیالات میں زیادہ مؤثر ہوگا۔

تصور شیخ کوئی بالذات مطلوب نہیں۔ صرف توجہ الی اللہ کے وقت جو وساوس مجرد کا ہجوم ہوتا ہے وہ قطع وساوس کے لئے ہے اس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے پھر اس استعداد کو مقصود میں صرف کرنا۔ اور جب مقصود حاصل ہو جائے۔ تو پھر ان ہئیات و قیود کی ضرورت نہیں رہتی۔

ا۔ فیوض الخالق صفحہ ۵۳۰

اس کی مثال مکان میں جھاڑو دینے کی سی ہے۔ مکان کے صاف کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایک تنکا اٹھا اٹھا کر باہر پھینکا جائے اس میں جو کلفت ہے وہ ظاہر ہے۔ دوسرا یہ کہ سب تنکوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے جب سب مجتمع ہو جائیں تو سب کو اٹھا کر باہر پھینک دے بس یہی دوسری صورت تصور شیخ کی ہے کہ سب تصورات کو ایک تصور میں جمع کر کے جب یکسوئی حاصل ہو جانے تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے تو وہ مقصود بالذات نہ ہوا۔ بلکہ مقصود بالغیر ہوا۔ اس لئے جب یہ غرض حاصل ہو جائے تو شیخ کا تصور بھی دل سے نکال دے اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے پھر احیاناً اگر خیالات آجائیں تو پھر شیخ کا تصور کر لے جب خیالات دفع ہو جائیں پھر ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ کیونکہ مقصود حقیقتاً یہی ہے۔ اور خود حق تعالیٰ کا براہ راست تصور کر لے تو وہ بہتر ہے

بہرحال اس میں جو کچھ حکمت اور فائدہ ہو۔ راقم (حضرت مجدد تھانوی رح) کا تجربہ ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے۔ اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے اسی واسطے امام غزالیؒ وغیرہ محققین نے عوام اور اغبیاء کے لئے ایسے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو۔ اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچانا چاہئے اور خواص بھی اگر کریں۔ تو احتیاط کی حد تک محدود

لہ تعلیم الدین صد ۱۱۳

رکھیں۔ اس کو حاضر ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ متشبہ ہو حاضر ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو اکثر اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی اس مقام پر اکثر ناواقف کو لغزش ہو جاتی ہے۔

(لہذا) مجھ کو اس (تصور شیخ) سے سخت انقباض ہے۔ اس طرح انہماک کے ساتھ کسی مخلوق کی طرف توجہ کرنا توحید کے خلاف ہے اس سے غیرت آتی ہے کہ غیر کی صورت ایسے طریق پر ذہن میں جماویں جو کہ حق تعالیٰ کے لئے زیبا تھا۔

لہ الکلام الحسن صلاحے

دوسری فصل عشق مجازی

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہر حقیقت کارسازیست

ترجمہ:۔ عشق سے اعراض نہ کرو اگرچہ وہ مجازی ہو۔ کیونکہ وہ عشق حقیقی کے لئے سبب ہے۔

اور مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

عاشقی گرزیں سروگر زاں سرست
عاقبت مارا بداں شہ رہبرست

ترجمہ:۔ عشق اگر اس شے کا ہو یا اُس شے کا۔ آخرکار ہمارے لئے اس شاہ (محبوب حقیقی) کی طرف رہبر ہے۔ اور مثلاً بعض بزرگوں کی طرف ایسے واقعات کو منسوب کرنا یہ وہ دلائل ہیں جو عشق مجازی کے جواز میں پیش کئے جاتے ہیں اور مدعیان تصوف کی ایک کثیر جماعت اس میں مبتلا ہے۔ مگر چونکہ بعض کو اس میں اتنا غلو ہوگیا ہے کہ بجائے معصیت سمجھنے کے اس کو واسطۂ مشاہدہ حق سمجھ کر طاعت سمجھنے لگے ہیں۔ پس اس اعتبار سے یہ غلطی اشد ہے اس میں دو مبحث ہیں۔ ایک اجمالی ایک تفصیلی۔ اجمالی تو یہ ہے کہ ان ہی حضرات کے دوسرے اقوال اس کے خلاف بھی ہیں۔ مولانا جامی رح ہی کا قول اس کے بعد یہ ہے ؎

لہ بوادر النوادر ص۶۹۹ تا ۷۰۳ ملخصاً

ولے باید کہ در صورت نمانی   وزیں پل زود خود را بگذرانی۔

ترجمہ:۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تو صورت (یعنی عشق مجازی) میں نہ رہ جائے (کیونکہ یہ مثل پل کے ہے)، اور اس پل سے بہت جلد گزر جانا چاہیے۔

اور مولانا رومیؒ کا قول اسی قول کے قریب یہ بھی ہے ؎

عشق ہائے کز پئے رنگے بود   عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

عشق با مردہ نباشد پائیدار   عشق را باحی و باقیوم دار

زانکہ عشق مردگاں پائندہ نیست   چونکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست   وز شراب جانفزایت ساقی ست

(ترجمہ:۔ جو عشق رنگ روپ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ حقیقت میں عشق نہیں۔ بلکہ اس کا انجام ندامت ہے (کیونکہ) عشق فانی شے کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا عشق حی و قیوم (یعنی خداوند تعالیٰ) کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ فانی چیزوں کا عشق دائمی نہیں۔ کہ فانی چیزیں فنا ہو کر ہمارے پاس واپس نہیں آتیں پس عشق اس زندہ کا اختیار کر جو ہمیشہ باقی ہے اور تجھ کو روح تازہ کرنے والی (محبت کی) شراب پلاتا ہے

اور چونکہ محققین و محبین کے اقوال ان کے دوسرے اقوال و احوال سے متعارض نہیں ہوتے لہذا ان کے اقوال و احوال موہمہ ثابت بالنسبۃ کے محامل وہ نہیں ہیں جو منکسین نے سمجھے ہیں۔ یہ تو اجمالی مبحث ہے۔ اور تفصیلی مبحث یہ ہے کہ ان کے محامل صحیحہ کو بتلا دیا جائے۔ اور وہ محامل

عشق مجازی کے موصل الی الحقیقۃ ہونے کے طرق ہیں۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ عشق مجازی میں بلا قصد مبتلا ہو جائے۔ تو اول عفت و پارسائی اختیار کرے یعنی کوئی امر خلاف شرع اس کے ساتھ نہ کرے۔ حتیٰ کہ اس کو قصداً نہ دیکھے نہ اس سے باتیں کرے نہ اس کی باتیں کرے اور نہ دل میں قصداً اس کا خیال کرے کیونکہ مخالفت شرع عشق حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے ہوتے ہوئے کب امید ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو دوسرے اس سے ظاہراً دوری اختیار کرے کہ اتفاقاً و مفاجاۃً کبھی اس پر نظر نہ پڑے نہ اس کی آواز کان میں پہنچے تاکہ اس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو اور اگر قصداً یا بغتۃً یا اتفاقاً اس سے متمتع رہا تو عمر بھر اسی شغل میں رہے گا کبھی نوبت نہ آوے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خلوت و جلوت میں یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہاں سے آیا اور کس نے عطا کیا۔ جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی بقول ع

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار ہا

(یعنی کیا شان ہوگی اس محبوب کی جس نے یہ تمام نگار بنائے) اس سے اس کا عشق مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جاویگا۔ یہی معنی ہیں اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ نہیں کرتا امالہ کر دیتا ہے۔ جس طرح انجن گرم ہو مگر الٹا چلتا ہو تو قطع مسافت کرنے والے کو مناسب نہیں کہ اس کو بجھادے بلکہ آگ تو روشن رکھنا چاہیے۔ اور

اس کی کل پھیر کر سیدھا چلا دیا جاوے اور بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ مراد اس سے عشق حلال ہے نہ حرام کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہیں سکتی اور جو اس مشورہ سے غرض ہے وہ عشق حلال (اولاد بیوی) وغیرہ سے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ عشق میں گو وہ مجازی ہو۔ یہ خاصیت ضرور ہے کہ اس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں باقی تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہیں اور خیال میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اب صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جائے تو بہت آسانی سے قلب خالی ہو جاتا ہے جیسے گھر میں جھاڑو دے کر تمام خس و خاشاک ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں پھر تو کرے میں اٹھا کر باہر ایک دم سے پھینک دیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ایک تنکا گھر سے اٹھا کر باہر پھینکا جائے تو طویل مدت صرف ہو اور پھر بھی اس قدر صفائی نہ ہو۔ غرض اصلی مقصود ترک تعلقات یا قلب میں رقت و سوز و گداز پیدا کرنا ہے۔ اور اگر اور طریق سے حاصل ہو جائے تو بھی کافی ہے بعض نے اس طریق مجازی کو اختیار کرایا مگر چونکہ اس زمانہ میں اس طریق میں خطرہ شدید ہے کیونکہ نفوس میں شہوت پرستی ولذت جوئی زیادہ ہے اس لئے قصداً ایسے طریق کا بتلانا جائز نہیں۔ ہاں اگر اتفاقاً مبتلا ہو جائے تو بطریق بالا اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے اور طریقوں کا بدل جانا زمانہ کے بدل جانے سے کوئی امر عجیب نہیں۔

اور غضب یہ ہے کہ بعض اس کو ذریعہ قرب الٰہی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی پناہ اگر معصیت ذریعہ قرب الٰہی کا ہو تو سارے رنڈی بھڑوے کامل ولی ہوا کریں۔

طریق علاج

اول یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بدوں ہمت کے آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوتا۔ دیکھئے امراض ظاہری کے علاج کے لئے دوائے تلخ و ناگوار پینی پڑتی ہے۔ چونکہ صحت مطلوب ہوتی ہے اس لئے ہمت کر کے پی جاتے ہیں۔ اور امراض باطنی میں تو اس کی زیادہ ضرورت ہو گی جب یہ معلوم ہوا تو اس کا علاج سنئے اور ہمت کر کے بنام خدا تعالیٰ اس کا استعمال کیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شفاء کامل عطاء ہو گی۔ علاج اس کا چند اجزاء سے مرکب ہے۔

(۱) اس مردار سے قطعاً تعلق ترک کر دیجئے۔ یعنی اس محبوب مجازی سے بولنا چالنا۔ اس کو دیکھنا بھالنا۔ آنا جانا حتیٰ کہ دوسرا شخص بھی اگر اس کا تذکرہ کرے تو قطعاً روک دیا جائے۔ بلکہ قصداً بتکلف کسی بہانے سے اس کو خوب برا بھلا کہہ کر اس سے خلاف خصومت کی جائے اس طور پہ کہ اس کو ایسی نفرت ہو جائے کہ اصلاً اس کو ادھر میلان و توقع رام ہونے کی باقی نہ رہے اور اس سے ظاہراً اس قدر دوری اختیار کی جائے کہ کبھی غلطی سے بھی اس پر نظر نہ پڑے۔ غرض اس سے کلی انقطاع ہو جائے

(۲) ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے غسل تازہ کر کے صاف

کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تنہائی میں رو بقبلہ ہو کر۔ اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کی جائے اور بلا سے نجات پانے کی دعا و التجا کی جائے اور پانچ سو سے لے کر ہزار مرتبہ تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ لَا اِلٰہَ کے ساتھ تصور کیا جائے کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا اور اِلَّا اللّٰہُ کے کے ساتھ خیال کیا جائے کہ میں نے محبت الٰہی کو قلب میں جما لیا۔ یہ ذکر ضرب کے ساتھ ہو۔

(۳) جس بزرگ سے عقیدت ہو۔ اس کو اپنے قلب میں تصور کیا جائے کہ بیٹھے ہیں اور سب خرافات کو قلب سے نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔

(۴) کوئی حدیث کی کتاب یا ویسے ہی کوئی کتاب جس میں دوزخ اور غضب الٰہی کا جو نافرمانوں پر ہوگا ذکر ہو مطالعہ کثرت سے کیا جائے۔

(۵) ایک وقت معین کر کے خلوت میں یہ تصور باندھا جائے کہ میں حق تعالیٰ کے روبرو میدان قیامت میں حساب کے لئے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے بے حیا! تجھ کو شرم نہیں آتی کہ ہم کو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف مائل ہوا۔ کیا تجھ پر ہمارا یہی حق تھا۔ کیا ہم نے تجھ کو اسی لئے پیدا کیا تھا۔ اے بے حیا! ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو آنکھ کو دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے استعمال کیا۔ کچھ شرم بھی آئی۔ بڑی دیر تک اسی مراقبہ میں غرق و مشغول رہنا چاہیے۔

تنبیہ:- اگر ان تدبیروں کا اثر مرتب ہونے میں کسی عارض سے تاخیر ہو جائے تو پریشان نہ ہوں۔ اس کوشش میں بھی اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے۔ حتیٰ کہ اگر اسی میں جان جاتی رہے تو شہادت کا ثواب ملتا ہے۔
من عشق فعف فکتم فصبر فمات فھو شھید (یعنی جو شخص عاشق ہوا پس پاکدامن رہا اور چھپایا اور صبر کیا۔ پھر مر گیا تو وہ شخص شہید ہے۔)
اور یہ جو مشہور ہے کہ بدوں عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں حظوظ نفسانیہ اور لذاتِ شہوانیہ حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے اور دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں۔ انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ مفید ہے۔

(نوٹ، اس مقام پر حسن پرستی کے مضمون کو بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ (مرتب)

تیسری فصل۔ سماع

(غزوۂ خندق یا احزاب میں)

فلما رأى ما بهم من النصب والجوع قال اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر الانصار والمهاجرة فقالوا مجيبين له نحن الذين بايعوا محمدا صلى الله عليه وسلم على الجهاد ما بقينا ابدا

اخرجه الشيخان و الترمذي[1]

جب آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو تھکا کی مشقت اور فاقہ کی حالت دیکھی توان کے دل بڑھانے کو) دعا کی۔ اے اللہ! عیش تو آخرت ہی کا ہے سو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دیجئے۔ صحابہ نے جواب میں یہ کلام (منظوم) عرض کیا۔ ہم وہ ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے۔

بعض اہل طریق کا یہ مذاق ہوا ہے کہ جب اسباب عارضہ سے طبیعت میں ملال یا فتور یا انقباض ہوا ہے۔ اس کے رفع کے لئے موافق شرائط اباحت کے قدرے سماع سن لیا ہے۔ تاکہ نشاط پیدا ہوکر طاعت مقصودہ سہل ہو جائے پس مقصود طاعت ہوتی تھی۔ اور سماع اس مقصود کا معین۔ اس حدیث سے اس کا اثبات ہو رہا ہے کہ خندق کا کھودنا جو اس وقت طاعت تھی اور جوع و نصب مظنہ فتور کا تھا اس

---

[1] التکشف ص ۳۸۵

میں کلام منظوم سے نشاط و انبساط کسب کا کام لیا۔ تامل کرنے سے یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے۔ باقی سماع کو خود مقصود بنالینا یا اس میں رعایت شرائط کی نہ کرنا تلعب بالدین ہے۔

ہرچند یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ لیکن اگر مانعین کے دلائل سے بالکل قطع نظر کر کے اس کو جائز سمجھا جائے۔ تب بھی تو جواز کے بہت سے شرائط ہیں۔ نہ اخوان ہیں نہ زمان نہ مکان۔ صرف ایک رسم رہ گئی ہے۔ ہر قسم کے لوگ مختلف نفسانی اغراض سے جمع ہوتے ہیں۔ اور بزرگوں کے طریقے کی بدنامی ہوتی ہے۔ اس مقام پر صرف حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ارشاد فوائد الفواد سے، اور راحت القلوب ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور انیس الارواح خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ وغیرہ سے، نقل کئے دیتے ہیں۔

راحت القلوب مجلس چہارم، ۲ شعبان ۶۵۵ھ واقعہ ۶۶۲ھ

(۱) حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا۔ اہل سماع اس گروہ کے لوگ ہیں کہ جب وہ سماع و تحیر میں مستغرق ہوتے ہیں تو ایسے بےخبر ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کے سروں پر لاکھ تلوار چلے تو انھیں ذرہ برابر خبر نہ ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی اہلیت اسی شخص میں ہے جس کو ایسا تحیر اکثر پیش آتا ہو۔

قول ۲ مجلس اول ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین ولیاء ذکرہ المجیبن

۱؎ تعلیم الدین ص ۱۱۳ ۲؎ السنۃ الجلیۃ ص ۱۲۳ ۱۲۳ ۲۸ ۲ - ۶۴ - ۶۶

(۲) حضرت شبلیؒ نے شیطان سے پوچھا کہ اولیاء خدا تعالےٰ پر تجھ کب قابو ملتا ہے۔ اس نے کہا کہ سماع کے وقت جبکہ وہ غیر حق کے لئے سماع سنتے ہیں اور ان کے دل یاد الٰہی سے غافل اور بیہوش ہوجاتے ہیں تو اس وقت مجھے خوب موقع ملتا ہے۔

(ف) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سلطان جیؒ سماع بغیر الحق کو کیسا سمجھتے تھے

(۳) مجلس ۸ رشوال ۷۱۹ھ قول ۱۰۹

پھر کچھ سماع کا ذکر ہوا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ جو شے حرام ہے وہ کسی کے حکم سے حلال نہیں ہوتی۔ اور جو شے حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہوتی (فوائد الفواد)

(۴) فوائد الفواد۔ مجلس ۷ ر ذیقعد ۷۱۵ھ عمل ۱۳۱

حضرت شیخ فرید الدینؒ کو ایک دفعہ سماع کا شوق ہوا۔ قوال کوئی موجود نہ تھا آپ نے مولانا بدر الدین اسحق سے فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مکتوب لاؤ۔ اور پڑھو۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندہ و درویشاں ست وا زسرو دیدہ خاک قدم ایشاں۔ شیخ نے اتنا سنا تھا۔ کہ آپ پر ایک حال اور ذوق پیدا ہوا ۔

(ف) دیکھئے ان حضرات کا سماع یہ تھا کہ نثر سے بھی وہی اثر لیتے تھے جو نظم سے لیتے تھے ان رسوم معروفہ منکرہ سے مبرا تھے ۔

(۵) فوائد الفواد مجلس ع رمضان ۷۱۹ھ عمل ۱۹۱

بندہ (حضرت علاء سنجری ؒ) نے عرض کیا کہ وہ (شیخ سیف الدین) سماع سنتے تھے۔ فرمایا۔ ہاں مگر اس طرح نہیں سنتے تھے کہ مجلس مرتب کریں۔ اور برسم دعوت لوگوں کو بلائیں اور سماع سنیں بلکہ ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ حکایت و سخن فرماتے۔ جب کوئی رقت خوش دیکھو تو فرماتے کوئی ہے۔ کچھ کہے اس وقت قوال آتا کچھ کہتا پس ان کا سماع اس طرح کا تھا۔

(ف) ان بزرگوں کے سماع کا طرز اس سے معلوم ہوا کہ رسوم متعارفہ کے پابند نہ تھے

مزامیر

از انیس الارواح[۱] ملفوظ حضرت خواجہ عثمان ہارونی مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحؒ

ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتی رح کا نقل کیا ہے کہ خوارزم اور چند شہر کہ گرد اس کے ہیں۔ راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہوں گے۔ اور سب آپس میں لڑمریں گے۔

(ف) دیکھئے اس میں گانے بجانے کی کس قدر مذمت کی گئی ہے اس کے عموم میں سماع متعارف بھی داخل ہے۔ باقی خود ان حضرات سے جو سماع منقول ہے اس کی تحقیق (الف پر درج) ہے۔

---

[۱] السنۃ الجلیۃ ص۲۰۷، ۲۰۲ تا ۲۰۵

(۲) از اسرار الاولیا ملفوظ حضرت شیخ فرید الدین رح گنج شکر
چوتھی فصل قول ۱۲

فرمایا کہ اے درویش! اسے جو شنوائی دی ہے تو اسی لئے دی ہے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر سُنے جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کہ کیا فرمان الٰہی ہے۔ نہ اس لئے کہ ہر ایک کی برائی اور تمسخر اور راگ باجہ اور نوحہ کی آواز سنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائے گا۔ قیامت کو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں بھرا جائے گا۔

(۳) فوائد الفواد۔ ملفوظ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء
مجلس ۱۴ صفر ۷۱۵ھ قول ۱۳

حضرت خواجہ نے کہا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات نہ ہوں .... پھر آپ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سُنا ہے۔ اہل اور صاحب ذوق لوگ جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت کے سننے میں رقت لے آتا ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں .... تو معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ مزامیر وغیرہ سے۔

(ف) دیکھئے اس میں مزامیر و محرمات پر کس درجہ ناراضی ظاہر فرمائی۔

اسی طرح اقتباس الانوار میں بذیل تذکرہ حضرت شیخ داؤد

گنگوہیؒ بسلسلۂ مناظرہ مُلّا عبدالقوی حضرت شیخ موصوف کا قول نقل کیا ہے جس میں اباحت مزامیر کا مرجوح ہونا اور ہمارے تمام مشائخ سے مزامیر سننے کی نفی اور دلالۃ النص سے اس کا عدم جواز مصرح ہے۔

از رسالہ فروع السماع۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود کبھی کبھی سماع سنتے تھے۔ قوال بھی طالبعلموں اور درویشوں میں سے ہوتے تھے۔ جو ان کی خدمت میں رہ کر کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ برہان الدین غریب رحمۃ کے مکان میں سماع کی مجلس منعقد تھی اور مزامیر بھی موجود تھے۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے مکان پر آگئے کسی نے کہا کہ آپ پیر کے طریقہ سے پھر گئے۔ فرمایا کہ یہ کوئی دلیل نہیں۔ اس خبر کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لوگوں نے پہنچایا تو فرمانے لگے کہ انھوں نے بہت اچھا کیا۔ اور حق ان کی جانب ہے۔ شیخ نے فرمایا ہے کہ جو مزامیر سُنے گا۔ وہ ہماری بیعت اور مُریدی سے خارج ہو جاوے گا۔

(ت) سماع مع المزامیر کی مذمت جو فرمائی ہے۔ ظاہر ہے

خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک عزیز شیخ نصیر الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ کہاں جائز ہے یہ بات کہ مزامیر اور دف اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہوں اور صوفی رقص کریں۔ خواجہؒ

نے فرمایا کہ مزامیر بالاجماع جائز نہیں ...... بالاجماع حرام ہیں

حلِ اشکال یعنی تحقیق مسئلہ سماع

خود[1] علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ اہل علم پر ظاہر ہے سو حضرات چشتیہ نے بھی علماء ہی کا ایک قول لے لیا ہے اور اس میں خاص قیود لگا دی ہیں جس سے اس میں کسی قسم کا مفسدہ نہیں رہا۔ پھر باوجود اس کے کسی نے اس کو جزو طریق نہیں کہا۔ اور طالبوں کو اس کا حکم نہیں دیا۔ جس طرح ذکر و شغل کا حکم دیتے تھے البتہ بعض ضرورتوں اور مصلحتوں سے خود سُنا ہے۔

اس مقام پر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بعض مختصر ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نقل کر دیئے جائیں جو باب ۲۷ درر نظامی میں مذکور ہیں۔ جس سے محققین اہل سماع کا مذاق واضح ہو جاوے گا۔

(۱) فرمایا سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح (یعنی خلاف اولیٰ)، اگر صاحب وجد کا میل خاطر حقیقت کی طرف زیادہ ہو تب تو حلال (مباح) ہے اور اگر مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے۔ اور اگر بالکل حقیقت ہی کی طرف۔ تب حلال ہے۔ اور اگر بالکل مجاز ہی کا دھیان ہے۔ تب حرام ہے۔

---

[1] السنۃ الجلیۃ ص۱۴۶

(۲) فرمایا سماع کے واسطے تین باتیں درکار ہیں۔ زمان، مکان، اخوان (الی) قولہ، سماع کے واسطے کئی باتیں درکار ہیں۔ جب یہ موجود ہوں اس وقت سماع سُنے۔ مسمع۔ مستمع۔ مسموع۔ آلہ سماع۔ مسمع یعنی گانے والا پورا مرد ہو۔ لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع سُننے والا یادِ حق میں مشغول ہو۔ مسموع (یعنی گانا فحش اور کسی کی ہجو نہ ہو۔ آلہ سماع۔ یعنی مزامیر وغیرہ نہ ہو تب یہ سماع سُننا مباح ہے۔

(۳) حضرت کے ایک مُرید نے عرض کیا کہ مولانا رکن الدین کسی مجلس میں شریک ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ عرض کیا اس مجلس میں بندہ کا کوئی دوست نہ تھا جو میری تائید کرتا، اور گمان غالب تھا کہ میرے منع کرنے سے وہ لوگ باز نہ رہیں گے۔ حضرت رح نے فرمایا تم منع کرو۔ وہ لوگ باز آجائیں فبہا ورنہ تم وہاں سے اٹھ کھڑے ہو۔

تتمہ مبحث حاصل یہ ہوا کہ مزامیر تو مطلقاً ممنوع اور سماع محض اگر بلا شرائط ہو تو وہ بھی مطلقاً ممنوع اور اگر بشرائط ہو تو مختلف فیہ جس میں بعض صوفیہ نے اباحت کا قول لے لیا۔ اب یہ سوال باقی رہا کہ مذہب حنفی میں تو وہ بھی ناجائز ہے۔ صوفیہ حنفیہ رح نے اپنے مذہب کے خلاف کیوں کیا۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ محقق اتنے اختلاف سے حنفیت سے نہیں نکلتا۔ دوسرا جواب وہ ہے جسکو اقتباس الانوار میں حضرت قطب صاحبؒ کے تذکرہ میں سیرالاقطاب

سے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رح کی طرف منسوب کیا ہے اور گو خود صاحب اقتباس نے اس نسبت پر وجدانی بحث کی ہے۔ لیکن قطع نظر نسبت کے خود وہ تقریر مستقلاً بھی قواعد کے مطابق ہے اس لئے ان ہی الفاظ کا ترجمہ نقل کرتا ہوں قاضی حمید الدین ناگوری رح موجود تھے انہوں نے کہا کہ میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں بوجہ علما کی روایت کے۔ اس لئے کہ میں درد دل کا مریض ہوں۔ اور سماع اس کی دوا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت اجازت دیدی ہے جب کہ ازالۂ مرض کے لئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو اور حکیموں کا اتفاق اس پر ہو گیا ہو کہ صحت بدوں شراب ناممکن ہے۔ اس تقریر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لا علاج ہے سرود کا سننا ہے۔ لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح ہے اور تم پر حرام ہے۔

(ف)، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اباحت کا حکم ایسی اضطرار کی حالت میں ہے جس حالت میں حرام وحلال ہو جاوے۔ کیا اس وقت ایسا اضطرار کسی میں مشاہد ہے۔

یہ تھا ان حضرات کا سماع۔ مگر فقہاء اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ سماع کی خاصیت ہے کہ وہ کیفیتِ موجودہ کو قوی کر دیتا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر سماع کی بھی اجازت دیدی جائے گی۔ تو ان میں۔

لہ بزم جمشید صـ ۱۳۷

جو کیفیت اس وقت موجود ہے اس کو قوت ہو گی اور زیادہ تر نفس میں شر ہے۔ اس کو قوت ہو کر وہ مفاسد کی طرف مقتضی ہو گا۔ کیونکہ عوام میں شہوت اور نفس کی خواہش غالب ہے۔ سماع سے اس میں ہیجان ہو گا۔ قوت بڑھ جائے گی۔ اور اس سے سخت مفاسد پیدا ہوں گے اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے الغناء رقیۃ الزنا غناء زنا کا منتر ہے فقہاء چونکہ منتظم ہیں۔ اس لئے وہ بعض ایسی چیز کو بھی منع کرتے ہیں جس میں شرعاً کچھ گنجائش بھی ہو سکتی ہے جس طرح وبا کے زمانہ میں ڈاکٹر کھیر ککڑی کو مطلقاً منع کر دیتا ہے۔ اگرچہ قلیل مقدار مضر نہیں ہوتی اور صحیح المعدہ کو زیادہ مقدار بھی مضر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس تفصیل سے منع کرے گا تو کوئی بھی اس کے کھانے سے باز نہ آئیگا ہر شخص اپنے کو صحیح المعدہ سمجھنے لگے گا۔ اور کثیر مقدار کو بھی قلیل ہی کہیگا اس لئے انتظام کا مقتضی یہی ہے کہ وبا کے زمانہ میں کسی کو بھی کھیرے ککڑی کی اجازت نہ دی جائے یہی حالت فقہاء کی ہے کہ حضرات صوفیہ نے جس سماع کو اختیار کیا تھا۔ اور شرعاً اس میں گنجائش بھی تھی مگر فقہاء نے انتظاماً اس سے بھی منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت سلطان جیؒ کا سماع شرعاً ناجائز نہ تھا کیونکہ وہ آداب اور حدود کی رعایت کے ساتھ تھا مگر فقہاء اس کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور عوام کو اجازت دینے میں مفسدہ ہے۔ حضرت سلطان جیؒ کے زمانہ میں قاضی ضیاء الدین

سنامی قاضی تھے وہ ہمیشہ حضرت سلطان جی ؒ کے سماع پر نکیر کرتے تھے قاضی صاحب کا جب، انتقال ہوگیا (تو) حضرت سلطان جی ؒ پر گریہ طاری ہوگیا۔ اور فرمانے لگے کہ افسوس! آج شریعت کا ستون منہدم ہوگیا (بزم جمشید ص ۱۵۰)

(تفصیل بالا میں غور فرمائیں اور خود انصاف کریں کہ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے نیز اگر آپ اس مسئلہ کے متعلق بالتفصیل معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو رسالہ "حق السماع" مصنفہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔)

۶۔ توابع یعنے احوال کا بیان

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور اس کے متعلق ہیں۔ پھر ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ اصلاح کے ہیں۔ ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں (مگر یہ دین میں مقصود نہیں اس لئے کہ) دین میں مقصود وہ ہوتا ہے جو بدوں تحصیل کے حاصل نہ ہو (بلکہ جس کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو۔ حالات ۱ تو سڑک کے پھول دار درخت ہیں نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا سڑک تو بہرحال قطع ہو گی بس چلتے رہنا شرط ہے۔ اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر نظر نہیں آتے۔ اگر کبھی ہم نیچی نظر کر کے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے۔ چاہے درخت نظر آئیں یا نہ آئیں۔

اکثر ۲ سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہو گئی۔ یا فلاں کیفیت زائل ہو گئی۔ شاید ہم کو تنزل ہو گیا اور اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرما دی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا۔ بالخصوص مبتدی، کہ اس کو بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے

---

۱ التکشف ص۱۶۳ ۲ انفاس عیسیٰ ص۱۲۵ ۳ تصوف و سلوک ص۱۰۹
۴ التکشف ص۲۲

جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے۔ مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ یہ پریشانی البتہ مضر ہے۔

سالکین[1] جن احوال اور کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبۂ احوال کے استقامت حاصل ہو اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے دو مقدمہ سمجھو کی ضرورت ہے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فنا ہو یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا اور متخلق باخلاق اللہ ہونا ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدا، ایک منتہا مبدا انفعال (یعنی تاثر) ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے۔ تو اس کا ایک مبدا ہے۔ ایک منتہا ہے مبدا یہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے۔ یہ انفعال اور تاثر ہے اور دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ جو ہمدردی کی اس کی اعانت کی یہ منتہا ہے اور فعل ہے۔ اور صفت رحمت سے یہی مقصود ہے۔ اسی طرح خوف میں مبدا وہی تاثر و انفعال ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کے خیال سے دل پر اثر ہوا۔ رقت طاری ہوئی۔ اور یہ منتہا ہے کہ خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے اسی طرح

---

[1] انفاس عیسیٰ ص ۱۲۹، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۱۔

محبت کا مبدا یہ ہے کہ دل میں عشق کی دھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے۔ یہ انفعال و تاثر ہے۔ اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ تاثر و انفعال سے پاک ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے۔ بلکہ غایات اور منتہا ہی ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو۔ مگر استقامت افعال پر ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجا لانے والا ہو تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے۔ اور یہ شخص متخلق باخلاق اللہ ہے اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو۔ اس میں اوّل مبادی پھر غایات پائے گئے۔ تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے پس اوّل تو کامل ہے۔ اور دوسرا اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

احوال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود، دوسرے مذموم، ان میں امتیاز کا معیار یہ ہے کہ جو کیفیت کسی گناہ کا مقدمہ ہو جائے۔ وہ مذموم ہے۔ ورنہ محمود ہے۔ یعنی محمود وہ کیفیت ہے۔ جس سے طاعت میں ترقی اور گناہ میں کمی ہو۔ اس لئے کہ بعض اوقات معاصی کے ساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں۔ جیسے وجد و استغراق شوق و شگفتگی اور حیرت۔ اور اسی قسم کی اور کیفیات تو ان کے بقا سے دھوکہ میں۔ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ معصیت سے بھی

مقبولیت میں خلل نہیں پڑا۔کیونکہ یہ سب کیفیات دنیا ہیں، دین نہیں اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا علامات مقبولیت سے نہیں ان احوال کا نسبت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نسبت معاصی کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ طبعیہ ہیں۔ جیسے فرح و سرور کیفیات طبعیہ ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ احوال اپنی ذات میں دینی امور نہیں ہیں بلکہ دنیوی امور ہیں۔ البتہ بعض اوقات دین میں معاون ہو جاتی ہیں۔ اور اس معین ہو جانے سے ان کا دین کا جزو ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ بعض اوقات، یہ احوال، حجاب بن جاتے ہیں۔ اور احوال محمودہ، حجبِ نورانیہ ہیں اور حجب نورانیہ حجبِ ظلمانیہ سے اشد ہیں۔ کیونکہ حجب ظلمانیہ کی طرف سالک متوجہ نہیں، تو تاان کو خود دفع کرنا چاہتا ہے۔ اور حجب نورانیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور التفات کرنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقصود اصلی سے توجہ ہٹ جاتی ہے (لہٰذا) قصداً انوار و کیفیات کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے لیکن اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اس کے دفع کا اہتمام شدید کیا جائے۔ غرض نہ استحضار اس کا کیا جائے نہ استنکار کیا جائے کہ دونوں میں التفات الی غیر المقصود ہے۔ ایک میں اثباتاً۔ ایک میں نفیاً اور یہی التفات الی الغیر حجاب ہے۔

(الغرض) جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں۔ اسی کو

؎ انفاس عیسیٰ ص ۱۳۸، ۱

اپنے لئے غنیمت جانیں اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں اور اگر کوئی کیفیت جاتی رہے تو اس سے پریشان نہ ہوں، سے

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف ست

یعنی تلچھٹ اور صاف شراب کا تجھ کو حکم نہیں، خاموش ہو جا، کہ ساقی نے جو کچھ دیدیا۔ عین مہربانی ہے۔

اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں کہ ہمارے لئے جو بہتر ہو گا ہو کر رہے گا۔ خواہ حصول ہو یا عدم حصول۔

(اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ احوال محمودہ کی دو قسمیں ہیں ایک احوال غیر محتملۃ الضرر۔ دوسرے محتملۃ الضرر۔ یعنی ایک وہ احوال جن میں نقصان کا خطرہ اور احتمال نہ ہو۔ اور دوسرے وہ جن میں باوجود محمود ہونے کے نقصان کا بھی احتمال ہو سو یہ احوال اور) حالات[له] رفیعہ بیشمار ہیں مگر ہم چند مشہور احوال کا بیان کرتے ہیں۔

له انفاس عیسیٰ ص۱۳۸ ج۲ تعلیم الدین ص۱۹۱

باب اول احوال غیر محتملۃ الضرر

(یعنی وہ حالات جو ضرر اور نقصان کا احتمال نہیں رکھتے۔ مقصد یہ کہ ذیل میں ذکر کئے جانے والے حالات وہ ہیں کہ ان سے اغلب نفع پہنچنے کی توقع ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان سے نفع کے بجائے نقصان و ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ جیساکہ چند اوراق کے بعد کچھ ایسے حالات مستقل باب احوال محتملۃ الضرر" میں ذکر کئے جائیں گے۔ جن سے گاہے نفع پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے واللہ اعلم)

پہلی فصل۔ اجابت دعا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الآیہ۔[1] — درخواست کرنے والوں کی عرضی میں قبول کر لیتا ہوں جب وہ میرے حضور میں درخواست دے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سألت ربی ثلثا فاعطانی اثنتین ومنعنی واحدۃ (الحدیث) اخرجہ مسلم — میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں سو دو تو منظور کیں اور ایک نامنظور کی۔

اکثر لوگ اجابت دعا کو لوازم ولایت سے سمجھتے ہیں۔ اور اس

---

[1] بیان القرآن صفحہ ۱۰۵ ج ۲ التکشف ص ۴۸۵

اعتقاد پر کثرت سے مفاسد علمیہ وعملیہ مرتب ہوتے ہیں۔ اس اعتقاد کا غلط ہونا حدیث سے ظاہر ہے (البتہ) یہ احوال رفیعہ میں سے ہے اس کے قصد کے مطابق کام بن جاتا ہے (اور اس) کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ بعینہ وہ شئے مطلوب مل جائے۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی بلا آنے والی ٹل جائے۔ مگر انسان کو چونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا۔ کون سی بلا ٹل گئی۔ ایسے وقت بہت ت اوہام اور شکوک انسان کو گھیر لیتے ہیں۔ اور عدم قبول کا شبہ ہونے لگتا ہے حالانکہ وعدہ ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (درخواست کرنے والے کی عرضی قبول کرلیتا ہوں جب وہ میرے حضور میں درخواست دے) حدیث شریف میں آیا ہے۔ دعا مانگتے وقت اجابت کا یقین رکھو جب شک اور شبہ کی ممانعت ہے تو پھر دعا مقبول کیونکر نہ ہوگی۔ البتہ صورت اجابت بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ بلا سے محفوظ ہوگیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شئے مطلوب ذخیرہ رکھ دی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی نادان لڑکا اشرفی یا روپیہ مانگے۔ تو بعض اوقات اس کے نام سے کسی تجارت کی کوٹھی میں جمع کر دیتے ہیں اور بوجہ نادانی خود اس کو نہیں دیتے کہ جب ہوشیار ہوگا کر حسب مصلحت خرچ کرلیگا اب لے کر بجز اس کے کہ خراب کرے اور کیا کرے گا۔ حق تعالیٰ بھی اپنے بندہ کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کہ اس مسئول سے اچھی نعمت آخرت

لہ تعلیم الدین صفحہ ۹۲ لہ مقالات حکمت نمبر ۵۰

میں ذخیرہ فرما دیتے ہیں۔

مذہب حق یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ فاعل با اختیار ہے جب یہ ہے تو اس کی قدرت جس کی وجہ سے ممکن کا خود وجود اور ظہور ہوا۔ ممکنات کی تاثیرات کو ظاہر بھی کر سکتی ہے اور روک بھی سکتی ہے۔ اسی وجہ سے دُعا کی جاتی ہے کہ آپ اپنی مشیت کا تعلق اس سے فرمائیں۔ یہ تو جب ہے کہ اسباب خاصہ سے وہ مسبب پیدا ہو لیکن یہ خود بھی ضروری نہیں کہ تمام اسباب جمع ہونے پر ہی ترتب اثر ہو۔ بلکہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دُعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے نا تمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں سوختہ جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اللّٰھم ارزقنا۔ اے اللہ ہم کو رزق دے تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ تنور روٹیوں سے پُر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں محبت یقینیہ زیادہ تھی۔ پورا یقین اس کی رزاقی پر تھا۔ چنانچہ اس کا ظہور بلا اسباب ہوا۔ (یعنی جتنے اسباب اس کی وسعت میں تھے اختیار کیے اور باقی کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور یہ حضرات تو اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ تھے۔ ابلیس کے یقین اور توقع اجابت دُعا کی کیفیت دیکھئے کہ عین غضب اور قہاری کے

لہ مہمات الدُعاء صد ۱۳

موقع پر بھی اس کو پورا بھروسہ تھا کہ غضب الٰہی اجابت دعا کیلئے مانع نہیں ان رحمتی سبقت علی غضبی ۔ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے، حالانکہ یہ سوال ایسا بعید ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی خلود اور دوام نہیں عنایت کیا گیا مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (ہم نے آپ سے پیشتر کسی کو دوام عطا نہیں کیا)، مگر شیطان نے رحمت کی وسعت کے بھروسہ پر اس کی دعا کر دی اور حکم بھی ہو گیا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (بیشک تجھ کو قیامت تک مہلت دی جاتی ہے)، دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو عروہ اثر ہوتا ہے۔ اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے آثار پیدا ہوتے ہیں۔

(دعا کی حقیقت اور اس کا طریق معلوم کرنے کے لئے۔ اعمال کے بیان میں، دعا کی فصل ملاحظہ ہو۔)

دوسری فصل الہام

قال عمر ولم احرص علی امرکم ولکن المتوفی اوصی الی ابی بکر واللہ الہمه الحدیث اخرجه مالک

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں عمر سے ہی اور تم پر حاکم بننے کی مجھکو خواہش نہ تھی لیکن مجھکو متوفی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی وصیت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انکے قلب میں اسکا القاء فرمایا تھا

بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے۔ اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ بلا واسطہ نظر و اکتساب کے کوئی حقیقت قلب میں القاء ہو جائے (یا ہاتف غیبی کی آواز آئے)

الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا۔ مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور دنیا کے ضرر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ مال یا جان کا ضرر ہو جائے۔ سو الہام کی مخالفت میں کبھی یہ ضرر بھی ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم دنیا کے نقصان کی یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آ جائے۔ اور الہام کی مخالفت سے زیادہ اسی نوع کا نقصان ہوتا ہے اور ذوق و شوق کو جو دنیا کی شے کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک نفسانی کیفیت غیر مختص باہل الدین ہے۔ گو بعض احوال میں معین دین بھی ہو۔ مگر مطلوب بالذات نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ نافع ہوتا ہے۔

۱۔ کشف۔ ۱۲ التکشف ص۲۵ اشرف المسائل ص۱۱۸

ث۔ یعنی دنیا اول کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

تیسری فصل ۔ رؤیائے صالحہ

قالوا وما المبشرات یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الرؤیا الصالحۃ وبہ فسر قولہ تعالٰی وَلَھُمُ البشرٰی فی الحیٰوۃ الدُّنیَا۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا ہیں ۔ آپ نے فرمایا صالح خوابات اور یہی تفسیر ہے اللہ تعالٰی کے قول ولہم البشرٰی الخ کی یعنی ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں ۔

عن عائشۃ رض قالت اول ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح الحدیث اخرجہ البخاری۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی ۔ اور جو خواب دیکھتے تھے ۔ مثل نور صبح کے اس کا ظہور ہو جاتا تھا ؛

سچا خواب ایک حال محمود ہے ۔ حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے ۔ محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں حدیث النفس (خیالات) اور تخویف الشیطان (شیطان بوجہ عداوت کے غمزدہ کرنے کے لئے مکروہ امور دکھلاتا ہے ۔) اور بشارت من اللہ[1]

---

[1] تعلیم الدین صفحہ ۹۴ کہ التکشف منہ ۲۲ ، ۵۰ ، ۴۲ ، ۴۴ ، ۴۶

روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی بُرا خواب دیکھے۔ تو بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار اعوذ باللہ پڑھ لے۔ اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے اس کو مسلم نے روایت کیا (مشکوٰۃ شریف)

بعض ناواقفانِ سلوک کو دیکھا ہے۔ کہ خواب پر ان کو بہت ہی نظر ہوتی ہے اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بُعد من اللہ کی سمجھ کر مغموم اور متفکر ہوتے ہیں۔ اچھے خواب نظر آجاتے ہیں تو اسکو منتہائے مقصود سمجھ کر ناز کرتے ہیں۔ کوئی واقعہ نظر آجاتا ہے تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں۔ کوئی بُرا خواب نظر آجاتا ہے تو اسی پریشانی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ان سب خیالات کا غلط ہونا مصرح معلوم ہو گیا۔ اور بُرے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا۔ غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اصل فکر حالت بیداری کی چاہیئے کہ وہ رضی عند اللہ ہے یا غیر مرضی۔ کسو کا شعر بہت پسند آتا ہے ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(ترجمہ:۔ نہ رات ہوں نہ رات کا پرستار ہوں کہ خواب کی باتیں کہوں آفتاب کا غلام ہوں۔ آفتاب کی باتیں کرتا ہوں۔)

(نیز یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ، خواب لے مؤثر تو ہوتا نہیں (کہ قرب یا بعد میں اس کو دخل ہو) البتہ اگر واقعی خواب ہو تو اثر (یعنی کسی فعل نیک و بد کا) ہو سکتا ہے اور ہم جیسوں کے خواب تو خواب ہی نہیں ہوتے اس لئے نہ وہ مؤثر ہیں۔ اس لئے وہ اصلاً قابل التفات نہیں۔

چوتھی فصل لے فراستِ صادقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ تعالٰی۔ اخرجہ الترمذی	مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔

منجملہ احوال رفیعہ کے فراست صادقہ ہے یعنی ہجی الکل، جو مطابق واقعہ کے ہو۔ صفاء قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ و تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ اکثر وجدانی طور پر واقعات کے حقائق مدرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں۔ گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے حدیث صراحۃً اس کی مثبت ہے۔ اور حدیث میں نور اللہ عبارت اسی صفاء سے ہے جس کا سبب ذکر و تقویٰ ہے۔

صحابہ کرام نے جو مساجد اپنے فتوحات کے زمانہ میں مختلف مقامات پر بنائی ہیں۔ ان کی جہت و قبلہ درست ہے۔ حالانکہ اس وقت ان کے پاس نہ قطب نما تھا نہ نقشہ جغرافیہ نہ نقشہ مگر بایں ہمہ کوئی بڑے سے بڑا مہندس اپنے آلات کے ذریعہ سے بھی ان میں نقص نہیں نکال سکتا بجز اس کے

لے انفاس عیسیٰ ص ۱۳۷ لے تعلیم الدین ص ۹۴ لے التکشف ص ۳۳ لے مقالات حکمت ص ۱۴

اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسا علم عطا ہوا تھا کہ بے آلات ایسا کام انجام دیا۔

حضرت شیخ عبدالحق نے لکھا کہ ایک شخص ہمارے زمانہ میں ایسا صاحب فراست ہے کہ صرف صورت دیکھ کر آدمی کا نام بتلا دیتا ہے۔ کیونکہ صورت میں اور نام میں خاص تناسب ہوتا ہے۔ جس کو صاحب فراست صحیحہ دریافت کر سکتا ہے۔ مگر ایسی اعلیٰ فراست واقعی قابل حیرت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نظر بد کر کے حاضر ہوا تو آپ نے مجملاً سب کو فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہمارے پاس ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ یہ فراست کاملہ تھی اور اہل اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوتا ہے۔ باقی گفتگو اور تحریر سے اندرونی امراض کا حال معلوم کر لینا یہ تو بہت سوں کو حاصل ہے مجھے (یعنی حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کو) بھی حق تعالیٰ نے ایسی فہم عطا فرمائی ہے کہ طرز گفتگو سے انداز طبیعت معلوم ہو جاتا ہے اور بحمد اللہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ امراض باطنہ کے متعلق میری تشخیص تجویزوں میں سے اگر تشخیص پوری نہیں ہوئیں تو نناوے تو ضرور صحیح ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کا اقرار خود مریض نے کیا۔ اور بعض کا ثبوت واقعات سے ہو گیا۔ البتہ ایسا ادراک بدون دلیل شرعی کے حجت نہیں۔

لہ الجمعین بین النفعین ملک

پانچویں فصل۔ فناء و بقاء

فنا[1] دو قسم کی ہے۔ فنائے واقعی اور فنائے علمی۔ فنائے واقعی یہ کہ افعال ذمیمہ۔ ملکات ردیہ زائل ہوجائیں۔ مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جائیں۔ قلب سے حبِّ غیر اللہ، حرص، طویل امل و کبر و عجب و ریاء وغیرہ نکل جائیں۔ اس کو فنائے واقعی اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں جو چیز زائل ہوتی ہے۔ یعنی افعال و ملکات ردیہ وہ واقع میں بھی فنا ہوگئے بخلاف دوسری قسم کے۔ جیسا عنقریب آتا ہے۔ اور اس کو بعضے اصطلاحًا فنائے حسّی بعضے فنائے حسیمی بھی کہتے ہیں اور فنائے علمی یہ کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا۔ یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا۔ بایں معنی کہ جیسا التفات و استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہوگیا اور غیر سے ذہول ہوگیا۔ جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب دل میں زیادہ بسا رہتا ہے۔ غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے ورنہ گنجائش نہیں ہوتی۔

پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ کسی کو استغراق محض ہوجاتا ہے۔ کسی پر سکر غالب ہوتا ہے۔ کوئی مجذوب محض ہوجاتا ہے۔ کوئی پھر بعض احوال تکمیل کے لئے یا دوسروں

---

[1] التکشف صہ ۲ و تعلیم الدین صہ ۹۲

کی تکمیل کے لئے علم بالاشیاء کی طرف عود کیا جاتا ہے مگر ابتداء کے علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کماً و کیفاً و غایۃً مختلف ہوتا ہے۔ اس حالت کو بقاء کہتے ہیں۔ جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنا کے اضداد (یعنی افعال و اخلاقِ حمیدہ) کے حصول کا نام بقاء ہے اس قسم ثانی کو فنائے علمی اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز اس کے تعلق علمی سے خارج ہو گئی وہ واقع میں فانی و معدوم نہیں ہوتی۔ مثلاً ہم کو زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں زید معدوم نہیں ہوا۔ فناء کی اس دوسری قسم کا نام گم شدگی ہے۔ پس مطلق فنا مقسم اور عام ہے۔ اور گم شدگی اس کی ایک قسم خاص ہے۔ قسم اول کا فائدہ ظاہر ہے کہ مضرات شرعیہ کا ترک ہے جس کو تقوےٰ کہنا چاہیئے اور قسم ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیاء بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہو جاتا ہے پس اسباب بعیدہ سے بچنا تقویٰ کا کمال ہے۔ پھر بعض اوقات اس فناء کا بھی علم نہیں ہوتا۔ جیسے سوتے میں اکثر اوقات یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں۔ اس کو فناء الفناء کہتے ہیں۔ اور بعض کی اصطلاح میں فناء الفناء بقاء کو کہتے ہیں یعنی وہ بیخودی جو فنا و کہلاتی تھی جاتی رہی۔ اور یہ شخص افاقہ میں آگیا۔ اسلئے اس کو فناء الفناء کہا۔ اور فنائے صفات بشریہ کو قربِ نوافل اور فنائے ذات کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں۔

چھٹی فصل ۔ وجد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

انی احب ان سمعہ من غیری فقرأت علیہ وفیہ فاذا عیناہ تذرفان ۔ اخرجہ الخمسۃ الا النسائی ۔

میں بھی چاہتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے قرآن مجید سنوں ۔ سو میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا اور اس حدیث میں بھی ہے کہ آپکے آنسو بہنے لگے (بخاری ، مسلم ابوداؤد و ترمذی نے اس کو روایت کیا ۔)

ماکان احد من السلف یغشی علیہ ولا یصعق عند تلاوۃ القرآن وانما کانوا یبکون ویقشعرون ثم ترلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ اخرجہ رزین

سلف (صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بیہوشی ہوتی تھی ۔ اور نہ کوئی چیختا تھا ۔ صرف رویا کرتے تھے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے ۔ پھر خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے تھے ۔

کسی حالتِ محمودہ عزیبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے تذرفان سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے ان احادیث میں کاملین کا وجد مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی کا تذکرہ ہے اور غشی و صعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں ۔ وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے جو سلف میں کم پائی

ابی الکشف ۔ [illegible]

جاتی ہے۔ سلف کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوجاتا تھا۔ لیکن احیاناً ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا جیساکہ ترمذی شریف جلد ثانی صـ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بیہوش ہوجانا مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کیفیت قلب پر وارد ہو۔ اور اس کو اس کی حالت سے بدل ڈالے۔ جیسا حزن و سرور۔ یہ وجد کہلاتا ہے۔ اور اگر صاحب وجد کو بیخود کر دے۔ اس کو وجود کہتے ہیں۔ اور اگر خود تغیر نہ ہو مگر سالک تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے۔ اس کو تواجد کہتے ہیں اور پھر ترتیب اس کے مراتب کی یہ ہے قصود۔ پھر ورود، پھر شہود۔ پھر وجد، پھر خمود۔ جیسے کسی دریا پر آنے کا ارادہ کیا پھر اس پر آپہنچا پھر اس کو دیکھا۔ پھر سوار ہوا پھر اس میں ڈوب گیا۔ اور مر گیا۔ البتہ تواجد اگر بقصد ریا ہو۔ تو گناہ ہے۔

ا- [illegible] ۹۱

ساتویں فصل۔ وحدۃ الوجود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ اللّٰہُ تعالٰی یُؤذِینی ابن اٰدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار
اخرجہ الثلثۃ و ابو داؤد

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھ کو آزار دیتا ہے کہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (آگے اس کی تفسیر ہے کہ) میرے ہی قبضہ میں سب کام ہیں (جو کہ زمانہ میں واقع ہوتے ہیں)

رات اور دن کو (کہ زمانہ کے حصے ہیں) میں ہی الٹ بدل کرتا ہوں (جس کی طرف آدمی واقعات کو منسوب کرتا ہے سو زمانہ تو نہ ما فیہ کے خود میرے قبضہ میں ہے پس یہ سب تصرفات میرے ہی ہیں تو اسکو برا کہنے سے در حقیقت مجھ کو برا کہنا لازم آتا ہے) روایت کیا اسکو بخاری ومسلم و مالک و ابو داؤد نے۔

ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور زمانہ دونوں متحد نہیں ہیں۔ مگر باوجود عدم اتحاد کے ایک تاویل سے جس کی تقریر بضمن ترجمہ کی گئی ہے لفظ اتحاد کا حکم کیا ہے محققین کے نزدیک اسی تاویل سے اوست کا حکم ہمہ پر کیا گیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمہ کا جو مصداق ہے۔ وہ سب مع اپنے افعال و آثار قبضہ حق میں ہے پس متصرف حقیقی و موجود مستقل صرف حق تعالیٰ ہے۔ ہمہ کوئی چیز نہیں پس اس حدیث سے اس قول صوفیہ

لے التکشف عن مہمات التصوف ص ۵ پہلے وصیت متعلقہ معارف و حقائق کو بغور ملاحظہ فرمائیے تمام

کی تائید ظاہر ہے۔

کل ممکنات تو موجود ظاہری ہیں۔ اور حقیقت میں کوئی موجود حقیقی یعنی موصوف بکمال ہستی نہیں۔ بجز ذات حق کے اسی مضمون کو ہمہ اوست سے تعبیر کر دیتے ہیں مطابق محاورات روزمرہ کے یہ ایک جملہ ہے جس طرح کوئی حاکم کسی فریاد خواہ سے کہے کہ تم نے پولیس میں رپٹ لکھوائی تم نے کسی وکیل سے بھی مشورہ کیا اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس و وکیل سب آپ ہی ہیں ظاہر ہے کہ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا۔ کہ حاکم اور پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہیں ان میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور وکیل کوئی چیز قابل شمار نہیں۔ آپ ہی صاحب اختیار ہیں اسی طرح یہاں سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمہ اور اُو ایک ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں۔ صرف اُو کی ہستی لائق شمار ہے اور باقی جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی واقعی ہے مگر ان کی ہستی ہستی کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی یعنی کامل نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر صفت میں دو مرتبے ہوتے ہیں۔ ایک کامل ایک ناقص اور یہ قاعدہ ہے کہ کامل کے روبرو ناقص ہمیشہ کالعدم سمجھا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ادنیٰ درجہ کا حاکم اپنے اجلاس میں شان حکومت دکھلا رہا تھا اور پندارِ منصب سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا کہ ناگہاں بادشاہ وقت بسرِ اجلاس بطریق دورہ آپہنچا۔ اس کے دیکھتے ہی ہوش اُڑ گئے

اور سب پندار و دعویٰ و نشہ و غرور رہزن ہوگیا اب جو اپنے اختیارات کو اقتدارِ شاہی کے روبرو دیکھتا ہے تو اس کا کہیں نام ونشان نہیں پاتا۔ نیچے کو گڑا جاتا ہے نہ آواز نکلتی ہے۔ نہ سر اوپر اٹھتا ہے۔ اس وقت اس کا منصب و عہدہ معدوم نہیں ہوا۔ مگر کالعدم ضرور ہے۔ بس اسی طرح سمجھنا چاہیئے۔ کہ گو ممکنات موجود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود دیا ہے۔ موجود کیوں نہ ہوتے۔ مگر وجود حق کے روبرو ان کا وجود نہایت ناقص و ضعیف و حقیر ہے۔ اس لئے وجودِ ممکن کو وجودِ حق کے روبرو گو عدم نہ کہیں گے۔ مگر کالعدم ضرور کہیں گے۔ جب یہ کالعدم ہوا تو وجود متعدبہ ایک ہی رہ گیا۔ یہی معنی وحدۃ الوجود کے ہیں۔ کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ وجود کا ایک ہونا۔ سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا ہے بھی مگر ایسا ہی ہے جیسا نہیں ہے۔ اس کو مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ حضرتِ حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مُردہ کے۔ کہ گو نعش مُردہ بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے۔ آخر جسم تو ہے مگر زندہ کے روبرو اس کی ہستی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ مُردہ کی ہستی ناقص ہے۔ اور زندہ کی ہستی کامل۔ کامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے۔ اس مسئلہ کو مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہتے ہیں جس کی تحصیل کوئی کمال نہیں۔ اور جب یہ سالک کا حال بن جائے تو اس مرتبہ میں فنا کہلاتا ہے۔ یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے۔ جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے

کیونکہ اس کا ترجمہ ہے ایک ہونا شہود کا۔ یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہے مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور سب کالعدم معلوم ہوتی ہیں جیسا اوپر کی مثالوں سے واضح ہو چکا ہے۔ ایک اور مثال سب سے واضح تر شیخ سعدیؒ نے بیان فرمائی ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ	بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز	چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کاتشیں کرمک خاک زاد	جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم	ولے پیش خورشید پیدا نیم

(یعنی جگنو جو رات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے۔ اس سے کسی نے کہا کہ تو دن میں باہر کیوں نہیں نکلتا۔ تو اس نے بہت ہی اچھا جواب دیا کہ میں رات دن جنگل ہی میں ہوتا ہوں۔ لیکن سورج کی روشنی کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی۔)

پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے کما قال مرشدیؒ۔ مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے۔ اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا جو بہ نسبت عنوان مذکور کے اس معنی میں زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت معنی مذکور پر مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے اور دلیل نقلی اس مسئلہ کی یہ ہو سکتی ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ جیسا شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور مخلوقات کے کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و حفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں۔ ایسے وجود کو اصطلاح میں وجود ظلی کہتے ہیں اور ظل کے معنی سایہ کے ہیں۔ سو سائے سے یہ نہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہے۔ یہ عالم اس کا سایہ ہے بلکہ سایہ کے معنی وہ معنی ہیں جیسے کہا کرتے ہیں ہم آپ کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ یعنی آپ کی حمایت اور پناہ میں اور ہمارا امن و عافیت آپ کی توجہ کی بدولت ہے۔ اسی طرح چونکہ ہمارا وجود بدولت عنایت خداوندی ہے۔ اس لئے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں پس یہ بات یقیناً ثابت ہوئی کہ ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں ہے۔ عارضی اور ظلی ہے۔ اب وجود ظلی کا اگر اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجودِ حقیقی کا ثبوت ہوگا۔ اور وجود کو واحد کہا جاوے گا یہ وحدۃ الوجود ہے اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے۔ بالکل معدوم تو ہے ہی نہیں۔ گو غلبۂ نورِ حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آوے یہ وحدۃ الشہود ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ نور ماہتاب خودِ آفتاب سے حاصل ہے اگر اس نور ظلی کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منور اور ماہتاب کو تاریک کہا جاوے گا یہ مثال وحدۃ الوجود کی ہے اور اگر اس کے نور کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر اس کے کچھ آثار خاصہ ہیں گو بوقت ظہور نورِ آفتاب کے وہ بالکل مسلوب النور ہو جاوے یہ مثال وحدۃ الشہود

لہ تعلیم الدین صـ۹۵

کی ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ اختلاف لفظی ہے۔ مآل کار دونوں کا ایک ہے اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہوتا ہے اس کو اصلاح صوفیہ میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہو گئے یہ تو صریح کفر ہے۔ چنانچہ وہی صوفیہ محققین اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں پس یہ عینیت اصطلاحی ہے نہ لغوی مسئلے کی تحقیق تو اسی قدر ہے۔ اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام منثور یا منظوم میں پایا جائے وہ کلام حالتِ سُکر کا ہے نہ قابلِ ملامت ہے۔ نہ لائق نقل وتقلید۔

مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود، مسائل کشفیہ سے ہیں کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے مصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر نص اس کی محتمل ہو تو درجۂ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور اس کو درجۂ احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو اس کا دعویٰ کرنا احتمالاً یا جزماً صریح تحریف ہے نص کی البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر یا تاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخل حدود ہے اور اگر وہ کسی اور نص سے ثابت نہ ہو۔ تو وہ بھی

لہ بوادر النوادر ص۷۲۳، ۱۶۵

تکلف ہے۔

ضروری وصیت اول تو تمام مسائل کلامیہ میں عموماً اور انمیں سے ان مباحث میں جن کا تعلق ذات و صفات سے ہے خصوصاً بدوں قطعی عقلی یا نقلی کے محض ظنیات کی بناء پر کہ کشف سب سے انزل ہے کوئی حکم کرنا خصوص حکم جازم کرنا بلکہ بلاضرورت کچھ بھی گفتگو کرنا، سخت محل خطر و خلاف مسلک سلف صالحین ہے اور جن بزرگوں نے کچھ کلام کیا ہے۔ ان میں اکثر کی غرض محض اہل اہوا کا دفع تھا جیسا حضرت مجدد صاحبؒ نے بغرض اصلاح غلاۃ وجودیہ اس میں کلام فرمایا، گو بعض نے اس کو مقصود بنالیا۔ جو کہ خلاف احتیاط ہے اسلم ایسے مسائل میں یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کریں اور سلف کے مسلک پر اور ان کے اس ارشاد پر کہ اَبْھِمُوْا مَا اَبْھَمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ عمل رکھیں اور اگر کوئی حقیقت زائدہ علی النص کسی دلیل ظنی سے کہ کشف بھی اس میں داخل ہے۔ منکشف ہو۔ اور کسی دلیل عقلی قطعی اور نیز کسی نص قطعی یا ظنی کے مخالف بھی نہ ہو تو اس میں بھی خوض نہ کریں دونوں جانب کو محتمل سمجھتے رہیں چونکہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی ان ہی مسائل سے ہے جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے۔ کیونکہ حاصل اس کا ارتباط الحادث بالقدیم ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھیں۔ اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھیں۔ کہ عالم پہلے ناپید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم وقدرت و ارادہ سے پیدا فرمایا۔ باقی یہ کہ کس طرح پیدا فرمایا۔ اس میں نہ

خوض کریں نہ کلام کریں جیسے مسئلہ قدر میں احادیث میں بھی تعلیم منصوص ہے کہ اجمال کے درجہ میں اس کے اعتقاد کو فرض اور شرط ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ میں خوض یا کلام کو منع فرمایا ہے۔

باب دوئم۔ احوال محتملۃ الضرر

(یعنی وہ احوال جن میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ مقصد یہ کہ ذیل میں ذکر کئے جانے والے حالات وہ ہیں کہ اگرچہ ان سے نفع پہنچنے کی بھی توقع ہے تاہم احتمال اس کا بھی ہے کہ وہ کسی وقت ضرر کا باعث ہو جائیں)

فصل اول۔ استغراق

لوگوں نے ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی (آپ کی صاحبزادی کی طرف اشارہ کر کے جو آپ کے ساتھ جا رہی تھیں) آپ کی ہے تو آپ بہت غور سے اسکو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے یعنی یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ میری لڑکی ہے۔ گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔[1]

کیفیت استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوتی ہے کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھ رہے ہیں۔ اگر استغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا کہ

---

[1] طریق قلندر صفحہ ۱۵ مقالات حکمت ۵۵

میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں مگر نماز میں کسی بچہ کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا۔ البتہ محمود ضرور ہے۔ بشرطیکہ اس استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو۔)

دوسری فصل۔ تصرف و تاثیر (توجہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لہ ایک لمبی حدیث میں روایت ہے۔

فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ خوفا۔ الحدیث رواہ مسلم	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب ہو رہی تھی۔ آپ نے میرے سینہ میں ہاتھ مارا۔ میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت پیدا ہوئی۔ تصرف ہے۔ بعض لوگ فطرتاً صالح للتصرف ہوتے ہیں۔ گو صاحب نسبت نہ ہوں۔ اس کا طریق صرف ہمت کا صرف کرنا ہے دوسرے کی بھی ہمت اگر قوی ہو تو اس سے روک سکتا ہے۔ طرق تصرف کی تحصیل صرف مشاقی پر ہے۔

ضیاء القلوب میں ہے۔ اما ایں تصرفات عجیبہ وغریبہ بدوں حصول

لہ التکشف ص ۱۹۸ سے انفاس عیسیٰ ص ۱۰۲

نسبت فناء و بقاء دست نمی دہد و ایں معاملات از متوسطان سلوک اکثر واقع شوند۔ اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ یہ تصرفات عجیبہ و غریبہ بدوں حصول نسبت فناء و بقاء حاصل نہیں ہوتے بریں معنی مشاقی یا قوت فطریہ کے ساتھ (نافع فی الدین ہونا) بھی شرط ہے کیونکہ سالک کا اصل موضوع یہی نفع فی الدین ہے مراد بعض تصرفات عجیبہ و غریبہ سے وہی تصرفات ہیں۔ جو سلوک کے متعلق ہیں۔

تصرف و تاثیر دو طرح ہے تاثیر کرنا باطن مرید میں جس سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہو اور تاثیر دوسری اشیائے عالم میں خواہ ہمت سے یا دعا سے۔

توجہ (تصرف) کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق۔ محبت حق خوف وغیرہ پیدا ہو جائے اس کے واسطے دعا کر دے اس کا تو کچھ مضائقہ نہیں دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلحہ ہے وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے۔ یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔ اور اس میں فاعل قوت برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت بہت ہے نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے مسمریزم اور توجہ متعارف کا منشاء و ماخذ ایک ہے۔ ایک بڑی جگہ صرف ہوتا ہے

لہ تعلیم الدین صـــ ۱ سلہ کمالات اشرفیہ صـــ ۱۶۶

اور ایک اچھی جگہ صرف اتنا ہی فرق ہے اور یہ مشق پر موقوف ہے اسلئے
مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر نسبت کا القا کریں گے بعض مشائخ کے
یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے مگر اس کا نفع باقی نہیں۔ رہتا
طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی جانتا ہے۔ اس لئے کام چھوڑ
دیتا ہے اس میں چند خلجان ہیں۔ اوّل تو سنّت میں منقول نہیں۔ دوسرے
اس سے اکثر کو کام میں سُستی ہونے لگتی ہے خود دوسرے پر اثر پڑے
اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں
خدا تعالیٰ کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یوں
معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ یہ
اس سے اشد ہے۔ کیونکہ اس میں قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور
خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے۔ حلقہ
متعارف میں یہی ہوتا ہے۔ بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ نصیحت
دُعا ہے۔ اور توجہ تام حق تعالیٰ کا حق ہے البتہ اس کے کچھ آداب
ہیں:

ایک[1] یہ کہ غرض اور طریق مباح ہو دوسرے یہ کہ ظاہراً یا باطناً اس
پر عجب نہ ہو۔ اور اس کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ اس کو مقرون بالدعا کر دیا
جائے۔ جیسا حدیث میں دُعا بھی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس میں زیادہ
اشتغال نہ کرے کہ فاعل و منفعل دونوں کے لئے کثرت میں فتنہ ہے

---

[1] الکشف صفحہ ۹۵

لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں۔ جیسا بعض نے اختیار کیا ہے اور فتن اس کے مشاہد ہیں ان میں اعظم یہ ہے کہ عموماً اسکو کمال سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ یہ عمل محض ضرورت کے لئے ہے و الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ (ضروری چیز بقدر ضرورت اکتفا کیا جاتا ہے بعض اکابر نے تصریح کی ہے کہ جب مرید میں کوئی ذکر اثر نہ کرے۔ تب پیر توجہ سے کام لے وجہ اس کی وہی تقدر بقدر الضرورۃ (اکتفاء بقدر ضرورت) ہے۔

بعضے ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ واختیار میں ہوتا ہے مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں انک لا تہدی الخ مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے آپ اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے (اور وہ نہ مانتے تھے) اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہ ہو تو اوروں میں اور اس کا کب احتمال ہے۔ اور جب نفع دینی ہو جو اصل کام شیخ کا ہے۔ مستقلاً خارج از اختیار ہے تو نفع دنیوی تو بدرجۂ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہوگا بہت سے جہلا اس میں بھی گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہو گئی

لے التکشف صفحہ ۳۴۳

چوتھی فصل۔ شکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قال جبرئیل یا محمد لو رأیتنی وانا اخذ من حال البحر فادسہ فی فیہ مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ اخرجہ الترمذی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھ کو (اس وقت) دیکھتے (تو تعجب فرماتے) کہ میں دریا کی کیچڑ لیکر فرعون کے منھ میں ٹھونستا تھا اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ پا کیونکہ (ترمذی) نجر

باوجودیکہ مدار قبول ایمان کا بعد اجتماع شرائط کے قلب پر ہے۔ باوجود اس کے اس کے منھ میں کیچڑ دینا یہ بسبب غلبہ شکر کے تھا اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔

وارد غیبی کے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا شکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے جب عبداللہ بن ابی بن سلول منافق مر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے منع نہیں فرمایا بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی

لہ التکشف ص ۲۶۷ ج ۵ ۱۳۳

ہوا۔ کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں۔ جو صورۃً ادب سے مستبعد ہے سو ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے پھر جب حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا۔ اور نادم ہوا۔

غلبۂ حال جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے۔ اسی طرح گاہے کاملین پر بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ انبیاء پر بھی ہوتا ہے۔ واقعۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فتح کے لئے دعا فرما رہے تھے حتی کہ یہ بھی فرما دیا۔ اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد[1] یعنی اے اللہ! اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی جو اس وقت میرے ساتھ ہے تو پھر آج کے بعد کوئی آپ کا نام نہ لیگا۔ کوئی آپ کی پرستش نہ کریگا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غلبۂ حال تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ کوہِ طور پر گئے تھے وہاں اُن پر صاعقہ نازل ہوئی جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی جس میں یہ جملہ بھی ہے۔

اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ بِھَا مَنْ تَشَآءُ وَتَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ — یہ تیری آزمائش ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے۔

---

[1] ریاض الیتامی صفحہ ۱۸ مگہ العید والوعید صفحہ

فرماتے ہیں کہ یہ عبادت عجل (بچھڑے) کا قصہ آپ ہی کا تو کرشمہ ہے یہ بھی غلبۂ حال ہی تھا ورنہ بدوں غلبۂ حال کے انبیاء علیہم السلام ایسی بات نہیں فرما سکتے اسی طرح بعض کاملین رپر بھی غلبۂ حال ہوتا ہے جسمیں وہ معذور ہوتے ہیں مگر، انکو غلبۂ حال ایسا نہیں ہوتا کہ مسلوب الحواس ہو جائیں بلکہ ان کے حواس غلبۂ حال میں بھی درست رہتے ہیں اور ذرا سے محرک سے حالت سکر مبدل بصحو ہو جاتی ہے۔ مگر اس حالت (سکر) کے اقوال و اعمال میں ان کی تقلید نہ کرنا چاہئیے۔ کیونکہ یہ باتیں غلبۂ حال اور درجۂ معذوری میں کرتے ہیں اور معذوری کی حالت کا اتباع نہیں ہو سکتا صاحب حال صادق پر جب تک عذر غالب نہیں ہوتا۔ بہت ضبط سے کام لیتا ہے۔ جب ضبط کی طاقت نہیں رہتی۔ اور اختیار سلب ہو جاتا ہے اس وقت اس سے ایسی حرکات اور ایسے اقوال شطحیہ صادر ہونے لگتے ہیں۔ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

بہ تسلیم سر در گریباں برند   چو طاقت نماند گریباں درند

حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اخفاء حال میں کوشش کرو کیونکہ اہلِ زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا فتنہ میں پڑنا درست نہیں اور زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہو گیا ہے۔ اب اشک ندامت سے سکر کے اس دھبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہیئے۔ یعنی اس سے عذر کرو

ـــــــــــــــــــ

لہ التکشف صـ۲۳۳

توبہ چاہئے کیونکہ صحو میں ورع و تقویٰ واجب ہے اور ما فات کی تلافی لوازم تقویٰ سے ہے اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہوا ہی نہ تھا پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے اس کی توجیہہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا یعنی اختیار رہتا ہے مگر ناتمام جس میں ضبط متعذر (نا ممکن) نہیں۔ بلکہ متعسر (مشکل) ہو جاتا ہے تو اس وقت گناہ لکھا جانا بعید نہیں اور اگر سکر تمام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمہ غیر مشروعہ قبیح ہیں۔ اس کا قبح (برا ہونا) مقتضی معذرت ہے جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جائے تو اطلاع ہونے پر کسقدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے تیسرے اسلئے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے۔ جیسا حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی ھذا فقطعوا زناری و اقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ (یعنی اگر میں نے سبحانی الخ کہا ہے تو میں مجوسی ہو گیا کہ میں زنار توڑتا ہوں اور اشہد الخ پڑھتا ہوں)

(خلاصہ مطلب یہ ہے کہ) حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہئے کہ نا اہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہو گا۔ یا خود ان کو انکار کا ضرر ہو گا یا ان کے انکار سے خالی الذہن لوگوں کو مخالفت اہل حال کا ضرر ہو یا ان نا اہل نافہموں میں بعضے معتقد ظاہر پر محمول کر کے اپنا دین خراب کریں گے تو ایسی حالت بے اختیاری یعنی سکر کی باتیں قابل تقلید نہیں مگر ان پر انکا

بھی نہ کرنا چاہیئے۔

پانچویں فصل قبض و بسط

عن عائشۃ رض فی حدیث طویل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حزن حزنا غدا منہ مرارا کی یتردی من رؤس شواہق الجبال فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ منہ تبدی لہ جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقا فیسکن لذلک جاشہ وتقر نفسہ۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ابتداءِ نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا) اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑ کی بلندی پر سے گرکر جان دیدیں سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے گرانے کی غرض سے چڑھتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم (مغموم مت ہو) آپ اللہ تعالےٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو بیچ اس سے آپکے قلب کو سکون ہوجاتا۔ اور جی ٹھہر جاتا

واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے خوف و رجا جب بڑھ جاتا ہے قبض و بسط ہوتا ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ خوف و رجاء آئندہ کی حالت یاد کرکے ہوتا ہے

لہ تعلیم الدین صلا۹

اور محبوب[1] کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغنار کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے اسی حالت کو حدیث عبد اللہ بن کعب (قصہ تخلف عن تبوک) میں ضیق ارض و ضیق النفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور فرحت ہونا۔

کبھی سوء اعمال کی وجہ سے سالک سے لذت فی الطاعات مفقود ہو جاتی ہے اور کبھی بوجہ فتور و کسل و ملال کے طبعاً پیش آتی ہے۔ اور کبھی بمصلحت امتحان کے کہ یہ حق کا طالب ہے یا لذت کا، من جانب اللہ تعالیٰ وارد کی جاتی ہے۔

قبض کا سبب صرف عدم رضائے حق نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبض طاری کیا جاتا ہے سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مرتبہ مقدر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکو اس کے جسد اور اس کے اہل اور اس کے مال کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا تھا۔ حضرت حاجی صاحب یعنی شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز،

---

[1] التکشف: ص ۲۲ ۔ [2] انفاس عیسیٰ ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱

نے فرمایا کہ قبض حقیقۃً بصورت قہر، لطف ہے ؂

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو　　آں صلاح تست آتش دل مشو

(ترجمہ:۔ اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو۔ کہ وہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے۔)

قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔ چنانچہ غایت انکسار اور عبدیت کے آثار مثلاً مشاہدۂ عجز و ضعف اور غلبۂ انکسار و افتقار و فنائے دعویٰ دحالاً کا ترتب ہوتا ہے جیسا کہ اکابر کا الہام ہے انا عند منکسرۃ القلوب (میں (خدا تعالےٰ) شکستہ دلوں میں ملتا ہوں)

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ مے نگیرد فضل شاہ

(ترجمہ:۔ عقل و سمجھ کو تیز کرنا حقیقت میں راہ نہیں یعنی اس سے اسرار او مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ شکستہ دل کے سوا بادشاہ حقیقی کا فضل کوئی حاصل نہیں کر سکتا یعنی اس کا فضل متواضع لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔)

قبض سے عجب کا علاج ہوتا ہے۔ عبدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا اور تہیدستی رای العین ہو جاتی ہے اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور محل امتحان ہے اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا۔ اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہو گا۔

قبض فی نفسہ تو مضر نہیں مگر جب اس کا سبب کوئی فعل قبیح ہو تو وہ قبض مضر ہے اس کی اصلاح یہی ہے کہ اس فعل کا تدارک کیا جائے۔ جو امر غیر اختیاری ہو محمود ہے۔ قبض خود حالت نافعہ ہے اس کا علاج ضروری نہیں۔ اور جو علاج کے عنوان سے بزرگوں نے کچھ لکھا ہے اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اس کا ازالہ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قبض کے وقت یہ عمل کیا جائے گویا یہ اعمال آداب و حقوق ہیں قبض کے پھر ان کے بعد خواہ قبض رہے یا جائے دونوں حالتوں میں رضا و تفویض چاہئے غسل تازہ کر کے کپڑے بدل کر عطر لگا کر دو رکعت نفل پڑھکر استغفار کرنا اور ایک ہزار بار یا باسط پڑھنا قبض کے لئے نافع ہے ذکر جس قدر ہو سکے کرلیں اگر کسی قدر تکلیف بھی کرنی پڑے اور اگرچہ اسمیں دلچسپی بھی نہ ہو اور جس سے زیادہ کلفت ہو اس کو تخفیف کر دیں اور استغفار کی کثرت رکھیں اور جب تک یہ حالت رہے ایک بار یا دو بار ہفتہ میں اپنے شیخ کو اطلاع دیتے رہیں انشاء اللہ تعالےٰ بہت جلد یہ حالت رفع ہو جائے گی۔ سب کو یہ حالت پیش آتی ہے۔ (یہ) راہ قطع ہونے کی علامت ہے یہ سب راستے کی گھاٹیاں ہیں۔

چھٹی فصل مشاہدہ

عن حنظلة رضی فی حدیث طویل قلت نکون عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکرنا بالنار والجنة کانا رای العین الخ اخرجہ مسلم والترمذی[1]

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو ہوتے ہیں اور آپ ہم کو دوزخ بہشت یاد دلاتے ہیں تو اس وقت ایسے ہوتے ہیں گویا کھلی آنکھوں ان کو دیکھ رہے ہیں۔

کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر غالب اور قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے اس حدیث میں اسکا اثبات ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جنت دوزخ کی یاد کی نسبت یہ فرمایا کہ گویا کھلی آنکھوں دیکھنے لگتے ہیں مراد اس سے یہی غلبۂ استحضار ہے اور مشاہدہ کے لغوی معنی مراد نہیں ہوتے بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑجاتے ہیں۔

مشاہدہ (حق) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک، مشاہدہ تام یعنی رویت یہ تو جنت میں ہوگا۔ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مشاہدہ ناقص یعنی استحضار تام۔ یہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ گو مشاہدہ تام کے سامنے یہ دوسری قسم استتار ہی میں داخل ہے مگر چونکہ دنیا میں سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہوجاتی ہے اس لئے یہاں کے اعتبار سے استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہاجاتا ہے یہ مشاہدہ خواہ تام ہو یا ناقص۔ اسکا دوام بندہ کی مصلحت

---

[1] التکشف ص۳۲۲۱۳۲ [2] کمالات اشرفیہ ص۵۲

کے خلاف ہے نہ اس لئے کہ وہاں سے کچھ کمی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں کیونکہ دنیا میں تجلی دائمی سے بندہ مغلوب ہوجاتا ہے اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے جس سے قرب کم ہوجاتا ہے کیونکہ مدار قرب اعمال ہی پر ہے اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں کیا کہ حضور تام کے ہوتے ہوئے یا رویت کے ہوتے ہوئے حضور رویت سے منع کردیا ہو کیونکہ یہ صورت سالک کے لئے اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف متوجہ کردیا اور جنت میں بعض اوقات لذائذ بعض کی طرف متوجہ کردیں گے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک محبوب نے عاشق کو دیکھا کہ یہ بڑے غور سے گھور کر دیکھ رہا ہے اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ دیکھنے سے مر نہ جائے تو اب ایک صورت تو یہ تھی کہ عاشق کو اپنے سامنے رکھ کر دیدار سے منع کردے کہ ہم کو مت دیکھو یہ صورت بہت سخت ہے اس میں عاشق کو سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے محبوب نے یہ تو نہ کیا۔ بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے واسطے عاشق کو بازار بھیجدیا کہ جاؤ آم لے آؤ۔ اس صورت میں گو محبوب سے فی الجملہ استتار ہوگیا مگر اس سے شوق معطل ہوجاوے گا اور بازار جانے میں عاشق کی لذت بھی کم نہیں ہوتی کیونکہ تعمیل حکم محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو لذت دیدار ہی کے قریب ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی حضور تام تجلی باقی رکھ کر دیدار مشاہدہ

سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا۔ کہ ہر وقت حضور و مشاہدہ سے عشاق کے دل پھٹ نہ جائیں اور اس کا شوق معتدل رہے۔

ساتویں فصل۔ کرامت

اللہ تعالیٰ[1] نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (الآیہ)

(حضرت زکریا علیہ السلام) یوں فرمایا کہ اے مریم! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں

عن[2] ابی ھریرۃ فی الحدیث الطویل فی بعض بنات الحارث کانت تقول لقد رأیتہ یاکل من قطف عنب وما بمکۃ یومئذ ثمرۃ وانہ لموثق بالحدید الخ (اخرجہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے ایک طویل حدیث میں حارث کی ایک دختر سے منقول ہے وہ کہتی ہے میں نے ان (حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت مکہ میں میوہ یا پھل کا کہیں نام و نشان نہ تھا اور خود وہ لوہے میں مقید تھے (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا)

عن انس قال کان اسید بن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

---

[1] بیان القرآن ص ۲۲ [2] التکشف ص [illegible]

حضیر و عباد بن بشر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی لیلة مظلمة فخرج من عنده فاذا نور بین ایدیهما فلما فترقا صار مع کل واحد منهما نور اخرجه البخاری

حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے پاس ایک تاریک شب میں حاضر تھے۔ پھر دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے سو ان دونوں کے آگے ایک نور نمودار ہو گیا جب دونوں جدا ہوئے تو ہر ایک ایک نور ہر ایک کے ساتھ ہو گیا۔

اهتز العرش لموت سعد بن معاذ اخرجه الشیخان والترمذی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرش سعد بن معاذ کے مرنے سے ہل گیا

فقال الملائکة کانت تحمله اخرجه الترمذی.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (ملائکہ) بھی ان کے (جنازہ) کو اٹھائے ہوتے ... تھے۔

(قرآن مجید اور احادیث) میں عظیم کرامتیں مذکور ہیں جو کہ بشرط اتباع شریعت اہل اللہ کے حالات رفیعہ میں سے ہے

کرامت کی حقیقت

کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اور جس شخص سے امر صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا۔ وہ بھی کرامت

نہیں ہے جیسے جوگیوں، ساحروں وغیرہم سے بعض ایسے امر سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو۔ جس طرح اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق وفاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو۔ وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکا میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا محل صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔ اب ہمارے زمانے میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے اس کو غوث و قطب قرار دیدیتے ہیں اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں اور کیسے ہی اعمال و اخلاق ہوں یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اُڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

(۲) جاننا چاہیئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے احیانًا علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم وقصد دونوں امر ہوتے ہیں اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو قصد بھی۔ جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے دریائے نیل کا جاری ہونا اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت

مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میووں کا آجانا تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو۔ نہ قصد جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند، سہ چند ہو جانا چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک احتمال حصر عقلی ہیں سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدوں علم قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف وہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

(۳) اور جاننا چاہیئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسی ایک معنوی عوام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں جیسے ما فی الضمیر پر مطلع ہو جانا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا وغیرہ اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا۔ نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا حسد، کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گذرنا یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں۔ بخلاف قسم اول کے کہ اس میں احتمال موجود ہے اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج نہ ہو یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عجب پیدا نہ ہو جائے یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت نہ ہو۔ بلکہ بعض

نے فرمایا ہے کہ بعض اولیا نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا کیونکہ یہ امر مقرر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت ملی کسی کو کمی رہیگی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

(۴) اور جاننا چاہیئے کہ بعض علمائے نے کرامت کی قوت ایک خاص حد تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا۔ یا کسی جماد کا حیوان بن جانا۔ یا ملائکہ کا باتیں کرنا اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے۔ واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اس ولی کے سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہوسکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہوں کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو۔ البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی علیہ السلام کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہوسکتے جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

(۵) اور جاننا چاہیئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو۔ یا غیب سے اذن ہو یا حالات

اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق و مرید کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو۔ وہاں اظہار جائز ہے۔

(۶) اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبۂ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے انکی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں۔ اور بعضوں کو قوت تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا ظہور، یا وجود ضروری نہیں۔

(۷) اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنیً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

(۸) اور جاننا چاہئے کہ کرامت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبعیہ سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔

اس مقام پہ لوگوں کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے کمال معتقد بن جاتے ہیں جبکل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں۔ مسمریزم۔ فریمیسن۔ حاضرات ہمزاد کا عمل۔ عملیات و نقوش۔ طلسمات و شعبدات۔ تاثیرات عجیبہ ادویات سحر۔ چشم بندی وغیرہا کہ اس میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے اور بعض کرامات کو بھی قوت طبعیہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ صاحبِ بصیرت

طالب حق کو قرائن سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فعل میں قوی طبعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے۔ یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں۔ محض کائن عن الغیب ہے۔

(۹) اور جاننا چاہیے کہ جس فعل کا ظاہری قویٰ سے کرنا ممنوع ہے۔ باطنی قویٰ سے بھی ممنوع ہے جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی کے قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا یا کسی کا راز پنہانی معلوم کرنا۔ یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں۔

(۱۰) اور جاننا چاہیے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہو جانا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں قادح نہیں۔

کرامت[۱] کا مرتبہ ذکر لسانی سے بھی گھٹا ہوا ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ذکر سے کچھ تو قرب ہوتا ہے اگرچہ توجہ سے بھی نہ ہو اور کرامت سے تو کچھ قرب نہیں ہوتا بلکہ خود وہ قرب سے ناشی ہے قرب اس سے ناشی نہیں۔ تو غایت ما فی الباب وہ قرب کی علامت ہے بشرطیکہ وہ کرامت بھی ہو۔

خوارق[۲] کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں۔ بعض صحابہ سے

---

[۱] متفرقات انفاس عیسیٰ ص ۱۲۰ [۲] تعلیم الدین ص ۱۰۷

عمر بھر میں ایک خرق عادت بھی واقع نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ سب اولیا سے افضل ہیں فضیلت کا مدار قرب الٰہی واخلاص عبادت پر ہے خوارق اکثر جوگیوں سے بھی واقع ہوتے ہیں یہ ثمرہ ریاضت کا ہے خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے صاحب عوارف نے غیر اہل خوارق کو اہل خوارق سے افضل کہا ہے۔ عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوں اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔ شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ بعضے اہل کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیا کا اولیا ہونا کس طرح معلوم ہو سو اول تو ولایت ایک امر مخفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر معلوم کرنے سے یہ مقصود ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں تو ان کی صحبت و تعلیم سے شرف حاصل کرو۔ جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے۔

آٹھویں فصل کشف

بخاری، مسلم، اور ترمذی کی حدیث میں حضرت انس[۱] بن نضر رضؓ کا قول مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ:-

انی لاجد ریحها من دون احد الحدیث اخرجہ الشیخان والترمذی

میں جبل احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں

عن سعد بن ابی وقاص قال رأیت عن یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن شمالہ یوم احد رجلین علیهما ثیاب بیض یقاتلان اشد القتال ما رأیتهما قبلہ ولا بعد یعنی جبرئیل و میکائیل علیهما السلام۔ اخرجہ الشیخان۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے بائیں دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا۔ یعنی وہ دونوں شخص جبرئیلؑ و میکائیلؑ تھے۔ (بخاری و مسلم)

عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو حدیث کی دلالت ظاہر ہے۔ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آجانا

۱؎ التکشف ص ۳۸۵ ج ۲

حدیث میں صریحاً مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر یہ فرشتے اوروں کو بھی نظر آتے تھے تب مدلول حدیث مسئلہ تمثل ہے اور اگر اوروں کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔[1]

کشف[2] دو طرح سے ہے کشفِ کونی، کشفِ الٰہی۔ کشفِ کونی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔ کشفِ الٰہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں اور واردات غریبہ و مواجید مثل ذوق و شوق محبت و انس و ہیبت و انکشاف اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائض ہوں۔ جن کی لذت کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے۔ اور یہ امور حالات کہلاتے ہیں یہی علوم کشفِ الٰہی کہلاتے ہیں، کشفِ کونی نہ لذت میں اس کی گرد کو پہنچتا ہے۔ نہ قرب میں اس کو اس کا سا دخل ہے۔

بعض[3] اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیث بخاری شریف میں، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ جو شخص اس تحقیق سے آگاہ ہو جاویگا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور

---

[1] تعلیم الدین صـ۱۰۲ [2] تصوف و سلوک صـ۱۷ [3] التکشف صـ۱۳۲

ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں (بلکہ) ان کے اختیار سے باہر ہے (یہاں تک کہ) نبیوں کے اختیار میں بھی نہیں دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی۔ حالانکہ اس بے خبری سے جو کچھ ان کو رنج و غم پہنچا مشہور ہے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے تو اگر کشف امر اختیاری تھا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو کیوں خبر نہ ہوئی اور جب خبر ہونے کا وقت آیا تو میلوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کی خوشبو آنے لگی پس جبکہ کشف اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا ہی کرے (بلکہ حقیقت تو یہ ہے) کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی مجاہدہ اور ریاضت کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے نیز مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ میں نے خود ایک مجنونہ عورت کو دیکھا کہ اس کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا لیکن جب اس کا مسہل ہوا۔ تو مادہ کے ساتھ کشف بھی نکل گیا

کشف[۱] والہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اگر موافق قواعد شرعیہ کے ہے قابل عمل ہوگا۔ ورنہ واجب الترک ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو لیکن خود کشف میں باہم اختلاف ہو تو اگر وہ دونوں کشف ایک شخص کے ہیں تب تو آخیر کشف کا اعتماد ہوگا۔ اور اگر وہ

---

[۱] گناہ کی مضرت صفحہ ۱۲ [۲] علم و عمل کی فضیلت صفحہ ۳۷ [۳] تعلیم الدین صفحہ ۷۰

دونوں کشف دو شخصوں کے ہیں تو صاحب صحو کا کشف بہ نسبت صاحب سُکر کے قابل عمل ہوگا۔ اور اگر دونوں صاحب صحو ہیں تو جس کا کشف اکثر شرع کے موافق ہوتا ہے وہ قابل اعتبار ہے اگر اس میں بھی دونوں برابر ہیں تو جس شخص میں آثار قرب الٰہی و مقبولیت کے زیادہ پائے جائیں اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔ اور اگر اس میں بھی برابر ہیں تو جس کو اپنا دل قبول کرے اس پر عمل جائز ہے اور اگر ایک کشف ایک شخص کا دوسرا کشف کئی شخصوں کا ہو تو جماعت کے کشف کو قوت ہوگی البتہ اگر وہ تنہا سب سے اکمل ہے تو اس کے کشف کو ترجیح ہوگی۔

۷ معارف وحقائق

(اقسام علوم اور اس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ معارف وحقائق میں، ہر شخص[1] کا جداگانہ مذاق ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف وہ مقبول ہیں جن کو شریعت رد نہ کرے سیرتیہ میں ابوسلیمان دارانیؒ کا قول منقول ہے۔

ربما یقع فی قلبی النکتۃ من نکت القوم ایاما فلا اقبل منہ الا بشاھدین عدلین الکتاب و السنۃ۔

اکثر میرے دل میں کوئی نکتہ اسرار صوفیہ میں سے آتا ہے۔ مگر میں اس کو بلا دو عادل گواہوں کے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قبول نہیں کرتا

ابوخرازؒ کا قول ہے:۔

کل باطن یخالفہ ظاہر فھو باطلؒ۔

جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل اور مردود ہے۔

اور ان علوم کی دلیل کشف ہے اور بس۔ اور قرآن وحدیث کے اندر ان مسائل کا داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں (البتہ اگر کسی کو شوق ہو تو (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) اطاعت میں لگ جائے تو خود ہی سب حقائق (و معارف) منکشف ہو جائیں گے۔ اور یہ حال ہو گا ۔

---

[1] تعلیم الدین صـ۹۵ ـ تفصیل الدین صـ۳۲ـ۱۳

بینی اندر دل علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

(بغیر کسی تعلیم و معلم کے انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے)

اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوئے ہیں محض عمل اور اطاعت ہی سے حاصل ہوئے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یہ اسرار عقل پرستی اور فہم کے تیز کرنے سے معلوم نہیں ہوتے۔ بلکہ شکستگی اور انقیاد سے خدا تعالیٰ کا فضل متوجہ ہو جاتا ہے (یعنی ان حقائق و معارف کی معرفت۔ اطاعت اور عبدیت ہی سے حاصل ہوتی ہے عقل پرستی اور زیادہ قیل و قال سے حاصل نہیں ہوتی) جیسے کوئی شخص بادشاہ کا مطیع و محبوب ہو تو بادشاہ اسے کبھی اپنے محل کی سیر بھی کرا دیتا ہے کہ دیکھو یہ خزانہ ہے اور یہ چور دروازہ ہے اور یہ ہماری بیگمات کے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ آرام گاہ ہے لیکن اگر وہ از خود پوچھنے لگے کہ حضور کی بیگم کہاں رہتی ہیں اور خزانہ کہاں ہے تو ایسی بے نقط سنائی جائیں گی کہ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ پس اسرار (اور حقائق و معارف) کے دریافت کرنے کی درخواست ایسی ہی ہے کہ آدمی اپنے کو دشاہ حقیقی کے سامنے بالکل فنا کر دے (اپنی عقل و فہم کو ناقص سمجھ کر چھوڑ دے۔ فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش

یعنی عقل کی اطاعت میں سنگدل بنے ہوئے تو بہت دن ہو گئے اس نے

کچھ بھی حقیقت نہ بتلائی۔ اب ذرا کچھ دنوں خاک ہو کر دیکھو پھر کیا ہوگا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(یعنی بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے خاک ہو تاکہ پھر رنگا رنگ پھول کھلیں) پھر تمہارے اندر عجیب عجیب علم القا ہوں گے۔

(معلوم ہونا چاہئے کہ حقائق، اور معارف حسب اختلاف مذاق بے شمار ہیں مگر اس مقام پر چند معارف اختصار کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں جو زیادہ مشہور ہیں (مثلاً تجدد امثال، تنزلات ستہ اور وحدۃ الوجود۔ اب ہر ایک کو الگ الگ فصل میں ذکر کیا جاتا ہے۔)

پہلی فصل تجدد امثال

مخلوقات ہر وقت اپنے وجود میں فیضان الٰہی کی محتاج ہیں اگر ادھر سے وجود کی حفاظت نہ ہو تو فوراً نیست و نابود ہو جائے۔ اب اہل کشف کی تحقیق یہ ہے کہ یہ وجود ہر آن میں جدا آتا ہے مگر اتصال و تشابہ وجودات کی وجہ سے جس کو امتیاز تغائر کا نہیں ہوتا نہ درمیان کا علم معلوم ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے بتی کے سرے پر جو آگ کا شعلہ ہے اس میں چراغ سے ہر وقت نیا تیل آتا ہے اور وہ فنا ہو کر

---

[1] تعلیم الدین ص۹۵، ۹۶، ۹۷ [2] تفصیل کیلئے تنزلات ستہ وحدۃ الوجود کا بیان ملاحظہ ہو

دوسرا آتا ہے اسی طرح تمام نیل ختم ہو جاتا ہے مگر ہمیں ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ پہلا کب فنا ہو گیا اور کب دوسرا آیا۔ اس کو تجدد امثال کہتے ہیں۔

دوسری فصل۔ تنزلاتِ ستہ

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے۔ ورنہ کیونکر پتہ لگے۔ پھر خود صانع میں ایک مرتبہ ذات کا ہوتا ہے ایک صفات کا پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ تفصیل کا۔ اور ہمیشہ ذات کا نشان صفات سے لگتا ہے۔ اور اجمال کا پتہ تفصیل سے۔ جب یہ سب باتیں سمجھ میں آگئیں تو اب سمجھئے کہ مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہم کو علم ہوا۔ تو ظہور علمی کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظہور اللہ تعالیٰ کا مخلوقات سے ہوا پھر اسی قاعدہ مذکورہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفات تفصیلیہ سے صفات اجمالیہ اور ان سے ذات کا پتہ لگے گا۔ اس لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اول ظہور اللہ تعالیٰ کا صفت جامعیت و اجمالیہ سے ہوا۔ پھر صفات تفصیلیہ سے ہوا۔ پھر مخلوقات سے ہوا۔ اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے اور ایک عالم اجسام اور چونکہ ان میں بوجہ غایت لطافت و کثافت کے مناسبت نہیں۔ ان کے تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے اس کو عالم مثال کہتے ہیں تو مخلوقات

کی ترتیب میں روح پہلے ہوئی پھر عالم مثال پھر عالم اجسام۔ پھر عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا کر دیں۔ اس وجہ سے اس کو جامع کہتے ہیں۔ جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئیں ظہور صانع کا بڑھتا گیا۔ تو اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد ظہور مرتبہ صفات تفصیلیہ کے عالم ارواح سے ظہور ہوا پھر عالم مثال سے پھر عالم اجسام سے۔ پھر انسان سے۔ پس دو مرتبے ظہور کے تو صفات میں تھے اور چار مخلوقات میں۔ تو یہ چھ ظہور علی الترتیب[1] اعتبار کئے گئے۔ ان ہی چھ ظہور کو تنزلات ستہ کہتے ہیں اور تنزل ان کی اصطلاح میں ظہور کو کہتے ہیں نہ آسمان سے زمین پر۔ بلکہ انسان کے اندر آجانے کو۔[2] سو تنزلات کے تو چھ مرتبے ہوئے اور وجود کے سات مرتبے۔ کیونکہ ایک مرتبہ وجود کا خود ذات حق ہے سو مرتبۂ ذات حق کو ہاہوت کہتے ہیں اور مرتبۂ صفات اجمالیہ کو لاہوت اور حقیقت محمدیہ اور مرتبۂ صفات تفصیلیہ کو جبروت اور

---

[1] مگر ذات وصفات میں تو ترتیب محض اعتباری ہے۔ یہ نہیں کہ کسی وقت میں صفات نہ تھیں۔ پھر دفعۃً پیدا ہو گئیں۔ ورنہ صفات کا حادث اور مخلوق ہونا لازم آوے گا یہ اعتقاد محض باطل ہے۔ البتہ مخلوقات تو ہر طرح مؤخر اور حادث ہیں۔ ۱۲

[2] نیہ تو حلول ہے جس کا اعتقاد کفر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد قشیریہ میں منقول ہے من زعم ان اللہ فی شیء او من شیء فقد اشرک اذ لو کان فی شیء لکان محصورا و لو کان من شیء لکان محدثا ۱۲

اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم اور عالم ارواح و مثال کو ملکوت اور عالم اجسام کو ناسوت اور عالم انسان کو مرتبۂ جامعہ کہتے ہیں یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں ورنہ یقینی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام مخلوقات الٰہی سے ہیں نہ کہ صفات الٰہیہ سے تحقیق اس مسئلے کی اسی قدر ہے اس سے آگے اہل سُکر کا غلبہ ہے جس سے انکی زبان و قلم سے موہم الفاظ نکلے اور ناواقف لوگ اصطلاح کو لغت سمجھنے لگے

تیسری فصل۔ وحدۃ الوجود

(تفصیل کے لئے احوال کے باب میں وحدۃ الوجود کا بیان مع وصیت صفحہ ۳۹۲ ملاحظہ ہو۔)

۸۔ اصطلاحات

تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہے ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں۔ وہ تو شریعت سے الگ نہیں ہیں۔ بلکہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے اور دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو امور زوائدہ کے متعلق ہیں۔ وہ شریعت سے جُدا ہو سکتی ہیں۔ جیسے تجدد امثال توحید وجودی شغل رابطہ وغیرہ یہ صوفیہ کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں ورنہ وہ قرآن و حدیث سے جدا ہو کر کوئی نئی بات نہیں کہتے۔ ہاں علماء خشک جو ان کی اصطلاحات کو نہیں سمجھ سکتے ان پر اعتراض کر دیتے ہیں جو واقع میں ان پر نہیں ہوتا بلکہ اپنی فہم پر ہوتا ہے ؎

اصطلاحاتے ست مر ابدال را

(ترجمہ:۔ ابدال کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں۔

ان اصطلاحات کو دو فصلوں میں لکھا جاتا ہے۔ اول اقسام اولیاء اور دوم متفرق اصطلاحات)

لہ اشرف المسائل ص۱۰۷ کہ الشریعت ص۱۶۷

پہلی فصل۔ اولیاء اللہ اور اُن کے اقسام

الا اِنَّ اَوْلیاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ الآیۃ[1]

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ولی نہ اُن پر کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔

عن شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عند علی وقیل العنھم یا امیر المؤمنین قال لا۔ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب۔

رواہ احمد

شریح بن عبید رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے روبرو اہل شام کا ذکر آیا کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین! ان پر لعنت کیجئے۔ فرمایا نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی) شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا شخص بدل دیتا ہے ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ان کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اور ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب (دنیوی) ہٹ جاتا ہے۔

---

[1] تعلیم الدین صفحہ ۱۰۔ [2] التکشف صفحہ ۵۲۳

مکتوبات و ملفوظات صوفیہ میں ابدال و اقطاب و اوتاد و غوث وغیرہم الفاظ اور ان کے مدلولات کے صفات و برکات و تصرفات پائے جاتے ہیں۔ حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم و معلوم ہے۔ برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفات تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

اقسام اولیاء اللہ

اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں[1] ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں۔ ابدال، ابرار، اخیار، اقطاب، امامین، اوتاد، عمد، غوث، مفرد، مکتومان، نجبا، نقبا۔

۱۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ بائیس یا بارہ شام میں۔ اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

۲۔ ابرار اکثر نے ان ہی کو ابدال کہا ہے۔

۳۔ اخیار پانچسو یا سات سو ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں۔ سیاح ہوتے ہیں۔ ان کا نام حسین ہوتا ہے۔

۴۔ اقطاب قطب العالم ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب العالم و قطب اکبر و قطب الارشاد و قطب الاقطاب و قطب المدار بھی کہتے ہیں۔ اور عالم غیب میں اس کا نام عبد اللہ ہوتا ہے اس کے

---

[1] تعلیم الدین صد۱۰

دو وزیر ہوتے ہیں جو امامین کہلاتے ہیں وزیر یمین کا نام عبدالملک وزیر یسار کا نام عبد الرب ہوتا ہے اور بارہ قطب ہوتے ہیں سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں۔ ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں۔ اور پانچ یمن میں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے اور غیر معین ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔

۶۔ اوتاد | چار ہوتے ہیں عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں

۷۔ محمد | چار ہوتے ہیں۔ زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں سب کا نام محمد ہوتا ہے۔

۸۔ غوث | ایک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ کوئی اور ہوتا ہے اور وہ مکہ میں رہتا ہے بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔

۹۔ مفرداں | غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ مکتوماں | مکتوم تو مکتوم ہی ہیں یعنی پوشیدہ اور چھپے ہوئے

۱۱۔ نجباء | ستر ہوتے ہیں۔ اور مصر میں رہتے ہیں۔ سب کا نام حسن ہے۔

۱۲۔ نقباء | تین سو ہوتے ہیں۔ ملک مغرب میں رہتے ہیں سب کا نام علی ہوتا ہے۔

قطبُ الارشاد و قطبُ التکوین

اولیاء اللہ کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے متعلق خدمت ارشاد وہدایت و اصلاح قلوب و تربیت نفوس و تعلیم طرق قرب و قبول عند اللہ ہے اور یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہیں۔ اور ان میں سے اپنے عصر میں جو اکمل و افضل ہو۔ اور اس کا فیض اتم و اعم ہو۔ اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور یہ حضرات انبیا علیہم السلام کے حقیقی نائب ہوتے ہیں۔ لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں برکات سے متمتع ہونے کی شرط ان کے ساتھ اعتقاد ہے۔ اور ان کا طرز، طرز نبوت ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت اصلاح معاش و انتظام امور دنیویہ و دفع بلیات ہے کہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں اور یہ حضرات اہل تکوین کہلاتے ہیں۔ جن کو ہمارے عرف میں اہل خدمت کہتے ہیں اور ان میں سے جو اعلیٰ اور اقویٰ اور دوسروں پر حاکم ہوتا ہے اسکو قطب التکوین کہتے ہیں اور ان کی حالت مثل حضرات ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جنکو مدبرات امر فرمایا گیا ہے حضرت خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں ان کے مقام و منصب کے لئے ایسے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے بخلاف اہل ارشاد کے کہ انکا خود صاحب خوارق ہونا بھی ضروری

لہ کمالات اشرفیہ صد ۱۲۸ سے التکشف صد ۹۴

نہیں۔ البتہ ان حضرات کی کرامات اور طور کی ہوتی ہیں کہ انکا ادراک عوام کو نہیں ہوتا بلکہ وہ امور ذوقی و وجدانی ہیں کہ اکثر اوقات ان کی خدمت و صحبت سے جو شخص مستفید ہوتا ہے اس کو معلوم ہوتے ہیں باقی یہ کہ جب نفع طریقت اہل ارشاد ہی سے ہوتا ہے تو اہل تکوین کے کمالات بیان کرنے سے کیا فائدہ تو اس میں دو فائدے ہیں ایک علمی دوسرا عملی۔ علمی تو یہ کہ ایک کام کی بات معلوم ہو جائے تاکہ علم ناقص نہ رہے۔ عملی یہ کہ اکثر ایسے لوگ ظاہر صورت سے خستہ حال و شکستہ بال و ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ اگر یہ مسئلہ کسی کو معلوم ہوگا تو مساکین کی تحقیر و توہین تو نہ کرے گا۔ خوب سمجھ لو۔

(جاننا چاہئے کہ) قطب[1] التکوین کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنے قطب ہونے کا علم ہو۔ کیونکہ وہ ایک عہدہ ہے جیسا حسن میمندی جو سلطان محمود کا وزیر تھا۔ اس کو تو اپنے وزیر ہونے کا علم تھا۔ مگر ایاز کو اپنے محبوب ہونے کا علم ضروری نہیں کیونکہ محبوبیت کوئی عہدہ نہیں۔ قرب کی ایک قسم ہے۔ بس قطب الارشاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے قطب ہونے کو جان بھی لے ایک وقت میں قطب متعدد بھی ہو سکتے ہیں شیخ ابن عربیؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہر بستی میں خواہ وہ کفار ہی کی ہو قطب ہوتا ہے اس کلام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ وہاں ہی کے باشندہ نہیں ہو اور یا یہ

---

[1] الکلام الحسن ص۸۰

میں مسلمان ہو مگر کسی خاص حالت کی وجہ سے اخفا کرے اور یہ بعید ہے دوسرا یہ کہ وہ اس جگہ مقیم نہ ہو لیکن وہ بستی اس کے تصرف میں ہو جیسا تھانیدار کہ اس کا تعلق دیہات سے بھی ہوتا ہے اور وہ خاص حالت موجب اخفاء ذرا دقیق ہے اور وہ بھی شیخ ابن عربیؒ ہی کلام سے مفہوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں عقل نہ ہو جسکی وجہ سے کہ وہ مکلف نہ ہو مگر صحیح الحواس ہو جیسے حیوانات اور صبیان کے حواس درست ہوتے ہیں۔ مگر اس کی ایک خاص علامت ہے اور وہ علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل باطن کا اس کے ساتھ معاملہ دیکھا جائے۔ اگر وہ اس کا ادب کرتے ہوں تو ادب کرے۔ اور اس کے بارے میں کف لسان کرے ورنہ ہر کافر کا معتقد نہ بنے کیونکہ اس طرح تو جہاد وغیرہ سب بند ہو جائے گا۔

سالک مجذوب مجذوب سالک جو شخص[1] مقامات کو (جو کتاب الاعمال میں مذکور ہوئے ہیں) اول طے کرے پھر عالم غیب سے کشش کیا جاوے وہ سالک مجذوب ہے۔ اور جس کو پہلے کشش ہو۔ پھر مقامات طے کرے وہ مجذوب سالک ہے اور اول شخص کو محب اور دوسرے کو محبوب کہتے ہیں۔

قلندر[2] اصطلاح صوفیہ میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جنہیں اعمال قالبیہ یعنی اعمالِ ظاہرہ تو کم ہوتے ہیں مگر

---

[1] تعلیم الدین صفحہ ۹۵ [2] انفاس عیسیٰ صفحہ ۴۸۸

اعمال قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمال قلبیہ یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے قلب کی نگہداشت رکھی جائے کہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پاوے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر میں مشغول رکھا جائے نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل وحقد[۱] نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو نیز حقوق وقت ادا کئے جاویں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے نیز خوشی وغمی کے حقوق ادا کئے جاویں نعمت پر شکر ادا ہوتا رہے حزن وغم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے اس کے سوا اور بہت اعمال قلبیہ ہیں۔

طریق قلندر کے دو جزو ہیں۔ ایک عمل جو حقیقت ہے طریق پارسائی کی۔ اور دوسرا محبت اور طریق قلندر ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اصطلاح متقدمین کے اعتبار سے رہ قلندر میں یہ بھی قید ہے کہ جس میں اعمال ظاہرہ مستحبہ کی تقلیل ہو بہت نفلیں اور وظائف نہ ہوں بلکہ محبت کی خاص رعایت ہو یعنی تفکر اور مراقبہ زیادہ ہو اور ایک اصطلاح اور ہے یعنی خواہ ان اعمال کی تکثیر بھی ہو۔ مگر غلبہ آزادی کو ہو۔ لیکن خلق سے آزادی۔ نہ کہ خالق سے۔ کیا معنی کہ قلندر کو دنیا کی وضع اور رسوم کی پرواہ نہیں۔ نہ مصالح پر نظر ہوتی ہے۔ اس کا دل صاف اور سادہ ہوتا ہے اس کی بڑی مصلحت یہی ہوتی ہے کہ ایک کو لے کر سب کو ترک کر دو ہے

---

[۱] طریق القلندر صدا ملخصا ع کینہ وحسد

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

ملامتی

ملامتی وہ ہے جو اعمال میں تکثیر تو کرتا ہے۔ مگر ان کے اخفا کا اہتمام کرتا ہے جس سے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے وہ[1] ڈاکوؤں سے بچنے کے لئے اپنے اعمال چھپاتے ہیں اور رندوں کی سی وضع بنائے رہتے ہیں کیونکہ ہجوم عوام سے ان کے معمولات میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے عوام کو وہ ڈاکو سمجھتے ہیں۔

مجنون و مجذوب

مجنون[2] وہ ہے جس کی عقل اخلاط فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جائے۔ اور مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لئے علامت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے۔ مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے۔ علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت (محققین جامع شریعت و طریقت) اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔

یہ[3] ضروری نہیں کہ ہر مجنون مجذوب ہی ہوا کرے۔ اس میں ایک نکتہ ہے جس کی وجہ سے لوگ مجذوبوں کے طالب ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مجذوب جو کچھ کہہ دیتا ہے۔ وہی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے کہنے سے نہیں ہوتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ یعنی جب کوئی کام

---

۱ انفاس عیسیٰ ص [illegible] ۲ کمالات اشرفیہ ص [illegible] ۳ القول الجلیل ص [illegible] ۴ مزید المجید ص [illegible]

من جانب اللہ ہونے والا ہوتا ہے تو ان کو اس کا انکشاف ہو جاتا ہے نہ کہ وہ کام اس کے کہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا کہنا اسی کی وجہ سے ہوتا ہے اگر یہ نہ بھی کہتے تو تب بھی ہوتا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے تار بابو کے پاس تار آتا ہے۔ اور وہ اس کو لکھ کر لوگوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ اس میں انکو دخل نہیں۔ اگر اس پر یہ آمدنہ ہو تو پھر کچھ نہیں لکھ سکتا اب اگر کوئی اپنی بیوقوفی سے تار بابو کو مٹھائیاں اور نذرانہ پیش کرنے لگے۔ تو اس میں کسی کا کیا نقصان ہے اور اس بیوقوفی کا کیا علاج یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ خبریں اس بابو کے اختیار میں ہیں خواہ اچھی خبریں دے خواہ بری خبریں دیں حالانکہ بابو کو اس کے اخفاء و اظہار میں کوئی دخل نہیں بلکہ تم اگر اس کو بُرا بھی کہو گے تب بھی وہ اس میں کمی زیادتی نہیں کر سکتا غرضیکہ مجذوب وغیرہ کے قول کا کچھ اثر نہیں ہوتا لوگ ناحق اپنا وقت خراب کرتے ہیں اس لئے کہ مجذوب سے نہ دنیا کا فائدہ ہوتا ہے نہ دین کا دین کا تو اس لئے نہیں کہ وہ تعلیم و نصیحت پر موقوف ہے اور تعلیم و نصیحت اس سے حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ ظاہر ہے اور دنیا کا اس لئے نہیں کہ وہ دعا سے ہوتا ہے۔ اور مجذوب دعا کرتے نہیں کیونکہ وہ لوگ صاحب کشف[1] ہوتے ہیں ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اس طرح ہوگا تو اس کے موافق دعا کرنا تو فضول ہے اور

---

[1] علم و عمل کی فضیلت ص۵۵۳ عدد کشف کا بیان ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۲۸۳

ہے اور اس کے خلاف دعا کرنا تقادیر کا مقابلہ کرنا ہے بہرحال وہ لوگ دعا نہیں کرتے البتہ کشف کی بناء پر کبھی بطور پیشین گوئی کچھ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں معاملہ میں یوں ہوگا۔ سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا۔ اُس طرح ہو جانا کچھ ان کے کہنے کے سبب نہیں ہوا۔ غرض کہ مجذوب سے کسی طرح کا نفع نہیں ہوتا ہاں دوسرے بزرگوں سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم و نصیحت بھی ہوتی ہے اور دعا بھی دین کا بھی نفع ہوتا ہے اور دنیا کا بھی بلکہ مجذوبوں کے فکر میں پڑنے سے ضرر یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں شریعت کی وقعت و عظمت ایسے لوگوں کے دلوں سے جاتی رہتی ہے کیونکہ مجذوب مکلف نہ ہونے کے سبب شریعت کی پیروی تو کرتے نہیں پس ان کی فکر کرنے والے بھی شریعت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ مجذوب لوگ تو بوجہ عقل جاتی رہنے کے معذور ہیں اور ان لوگوں میں عقل و سمجھ سب کچھ ہے اس لئے یہ معذور نہیں رہذا یہ اپنا دین برباد کرتے ہیں، تو یہ کتنا بڑا ضرر ہے جو مجذوبوں کی بدولت بجائے نفع کے پہنچتا ہے اس لئے ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے (مطلب یہ کہ ان کی صحبت اور ان سے کسی غرض کے لئے ملنا جلنا بالکل ترک کر دینا چاہئے البتہ مجذوب کو برا بھلا کہنا جائز نہیں۔ بس) دعا تو سالک سے کرانی چاہئے کہ اُن کی دعا کا اثر ہوتا ہے اور خلاف انکشاف بھی دعا کر سکتے ہیں۔ بخلاف مجذوب کے کہ ان کو اس کی اجازت نہیں

ہوتی کیونکہ بوجہ نقصان حال اس انکشاف کا یقین ہوگیا ہے اور سالک کو بوجہ کمال حال کشف کا یقین نہیں ہوتا۔

مجذوب[1] کی نظر کبھی تو چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ جذب کی وجہ سے استغراقی کیفیت ان حضرات پر غالب رہتی ہے۔ اسی لئے ان کا فعل حجت نہیں۔ مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا وہ صرف معذور ہوتے ہیں۔

مجذوب[2] گو مقبول ہیں مگر کامل نہیں۔ کیونکہ وہ اعمال سے محروم ہیں اور ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے۔ ورنہ ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجسام میں نہ بھیجا جاتا۔ کیونکہ عالم ارواح میں ارواح حامل احوال تھیں مگر حامل اعمال نہ تھیں۔ چنانچہ ارواح میں محبت اس درجہ تھی کہ اس محبت ہی کی وجہ سے حمل امانت پر آمادہ ہوگئیں اس کا منشا محبت و عشق ہی تھا مجذوب کی خدمت اگر ہو سکے کر دے لیکن توجہ کا ان سے ہرگز طالب نہ ہو اور اگر ان کے حواس کی درستی میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کبھی نہ لے اگر لے لے تو اس سے نقطہ کا معاملہ کرے۔

طالبین کے اقسام اور ان کا طریق

طالب[3] تین قسم کے ہیں۔ مبتدی۔ منتہی اور متوسط الحال۔ مبتدی اور منتہی میں فرق مشکل ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر ہوتا ہے

---

[1] کمالات اشرفیہ صفحہ ۲۶۷، [2] ۵ انفاس عیسیٰ صفحہ ۶۳، [3] ۳

رہ) حال سے مغلوب ہوتا ہے گویا ایسا مغلوب نہ ہو کہ حدِ شرع کی حفاظت نہ کر سکے کیونکہ ایسا شخص تو مبحث سے خارج ہے لیکن مغلوب ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ذراسی بات پر رونے لگتا ہے ذراسی بات پر وجد آجاتا ہے زبان سے بے اختیارانہ کلمات نکلنے لگتے ہیں اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آجائے اور حال اس میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے ایسے شخص کے پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہئے۔ اس کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کر سکتے منتہی کا پہچاننا کچھ آسان کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیا کو تو لوگوں نے پہچان لیا۔ اور اولیا۔ کاملین اور انبیاء علیہم السلام کو نہ پہچان سکے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کہا گیا) اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ترجمہ:۔ نہیں ہو تم مگر ہم جیسے آدمی متوسط اولیاء میں تو جوش و خروش دیکھتے ہیں۔ اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے صاحب کمال کو ایک عجیب استغناء ہوتا ہے۔ دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہو جاتا ہے تو کسی کی طرف التفات نہیں کرتا یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اس کی ماہیت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ قصدًا اظہار تو کہاں۔ انکو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو۔ گویا اگر کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں

لہ وعظ میر ٹھ منا۔

البتہ ٹھگ کمالات دکھاتے پھرا کرتے ہیں پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ بھی نہیں ان لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے قلندر فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

(ترجمہ: مجھے اپنی آنکھوں سے شرم ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ تیرا چہرہ دیکھیں اور کانوں کو بھی تیری باتیں سننا میں پسند نہیں کرتا۔)

یہ لوگ امتثال امر میں لگے ہوتے ہیں کوئی ان کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پرواہ نہیں کرتے نیکی کر دریا میں ڈال اپنی طرف سے کبھی اظہار کا قصد نہیں کرتے۔ ہاں اللہ میاں کبھی ظاہر کر دیتے ہیں اس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفاء بے ادبی ہے۔ کیونکہ اطاعت تعمیل حکم اور رضا ہے جس طرح رکھیں بندہ کو اسی طرح رہنا چاہیئے۔ جب کہیں خاموش رہو خاموش ہو جاؤ جب کہیں تو بلا تامل کھل جائے یہ کھل جانا بھی طاعت ہے اس وقت اخفاء اتباع نفس ہے اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہو گی جو پہلے اخفاء میں تھی غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا نہ اخفاء میں نہ اظہار میں بس تعمیل حکم میں فنا ہوتا ہے اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ اب تک فنا ہی نہیں ہوا جب صاحب کمال سرتاپا محو ہوا امتثال امر میں تو اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں رہتی

کہ میں ظاہر ہوں یا نہ ہوں بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے ؛

دوسری فصل۔ متفرق اصطلاحات

ابرو و چشم و جمال لے کلام و الہام غیبی را گویند (کلام اور الہام غیبی کو کہتے ہیں)

ابن الوقت و ابوالوقت ابن الوقت کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہو جائے اس کے مقابل ابوالوقت ہے یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو یعنی جس کیفیت و حالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کرے۔ جس کیفیت کیطرف توجہ و قصد کرے اس کے آثار اس میں پیدا ہو جائیں مثل اُنس و شوق و فنا و وجد وغیرہ یا دوسرے معنی ابن الوقت کے دونوں مذکور معنوں کو عام اور شامل ہیں یعنی وہ سالک جو واردات مقتضائے وقت کا حق ادا کرے خواہ وہ واردات اسپر غالب ہوں یا یہ ان پر غالب ہو ؛

لے اکثر اصطلاحات تعلیم الدین سے ماخوذ ہیں اور جو دوسری کتب سے منقول ہیں ساتھ ہی قوسین میں لکھدیا گیا ہے ؛

اتحاد عبارت است از استغراق در ہستی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (یعنی خدا تعالیٰ کی ہستی میں مستغرق ہونے کا نام اتحاد ہے۔)

اتصال ماسوی اللہ سے منقطع ہونے کو حق کے ساتھ اتصال کہتے ہیں اور ذات کا اتصال ذات سے نہیں ہوتا۔ یہ جسم کا خاصہ ہے حق تعالیٰ کی شان میں اس کا اعتقاد کفر ہے۔ جیسا جہلا سمجھتے ہیں کہ قطرہ کی طرح سمندر میں مل گیا مولانا رح فرماتے ہیں ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب لناس را باجان ناس

(یعنی پروردگار عالم کو لوگوں کے ساتھ جو اتصال ہے وہ کیفیت و قیاس سے بالاتر ہے اور قطرہ و سمندر میں تو بے تکیف (بلا کیف) اتصال نہیں ہوتا اس سے اس جہل کی تردید ہوتی ہے اور جو کسی شعر وغیرہ میں ایسے الفاظ موجود ہیں وہ قابل تاویل ہیں قشیریہ میں ہے۔

سال ابن شاہین الجنید عن معنی مع فقال مع علی معنیین مع الانبیاء بالنصرۃ والکلاءۃ قال تعالیٰ اننی معکما اسمع واری ومع العامۃ بالعلم والاحاطۃ قال اللہ مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم الآیہ۔

ابن شاہین نے حضرت جنید سے معیت کے معنی پوچھے تو فرمایا کہ معیت کے دو معنی ہیں انبیاء علیہم السلام کیساتھ تو باعتبار نصرت و حفاظت کے معیت ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا انی معکما اسمع و اری اور عوام کے ساتھ علم اور احاطہ کے اعتبار سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں ہوتی تین آدمیوں کی سرگوشی مگر ضرور اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔

غرض بعد انقطاع خلق کے یہ جس مقام اور حال میں ہے خوف میں یا رجا میں انس میں یا ہیبت میں، سب وصال ہے۔

اجتباء بلا واسطۂ اکتساب و مجاہدہ جو احوال باطنیہ حاصل ہو جاتے ہیں اسکو جذب کہتے ہیں اور اجتبا اور محبوبیت اور مرادیت بھی کہتے ہیں (التکشف جلد۱)

آزادی حریت آزادی کے معنی ہیں اپنے نفس کی بندگی اور اطاعت سے نکل جانا نہ یہ کہ خدا تعالے کی بندگی اور احکام شرع سے باہر ہو جانا کہ عین گرفتاری ہے۔ احکام شرع کبھی معاف نہیں ہوتے البتہ پہلے جو اطاعت دشواری سے ہوتی ہے وہ اب آسانی سے ہونے لگتی ہے۔ تو تکلیف ساقط نہیں ہوتی بلکہ کلفت تکلیف ساقط ہو جاتی ہے ؎

من آزاں روز کہ دربند توام آزادم
پادشاہم کہ بدست تو اسیر افتادم

(یعنی میں جس روز سے تیری قید میں ہوں آزاد ہوں۔ جب سے تیرے ہاتھ میں قیدی ہوا ہوں بادشاہ ہوں۔)

اقامت غلبۂ عشق راگویند۔
(عشق کے غلبہ کو کہتے ہیں۔)

اوباش آنکہ غم ثواب و عقاب نہ کند (جو ثواب و عذاب کا غم نہ کرے۔)

بادہ و شراب عشق و محبت راگویند
(عشق اور محبت کو کہتے ہیں)

بازگشت | وآں این ست کہ ہر بارے کہ ذکر بزبان دل کلمہ طیبہ را گوید در عقب آں بدل مناجات کند کہ الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو (یعنی بازگشت یہ کہ جب بزبان دل کلمہ طیبہ کیا جائے تو اس کے بعد دل میں خدا تعالیٰ سے دعا کرے کہ خدایا تو اور تیری رضا ہی میرا مقصود ہے۔)

بادہ فروش، پیر مغاں، پیر خرابات و خمار | مرشد را گویند (مرشد و راہبر کو کہتے ہیں)

بامداد | مقام بازگشت احوال و واقعات (حالات و واقعات کے بازگشت کے مقام کو کہتے ہیں۔)

بت و شاہد | معانی مقصود را گویند (معانی مقصودہ کو کہتے ہیں۔)

بت خانہ، بت کدہ، شراب خانہ دیر، خرابات، عالم معنی

باطن عارف را گویند (عارف کے باطن کو کہتے ہیں)

بروز[1] | کوئی روح کسی زندہ کے بدن میں تصرف کرے یہ تصرف جن شیاطین کی تو معمولی بات ہے۔ اور انسان سے بطور خرق عادت واقع ہوتا ہے۔

بوسہ و غمزہ و فیض | جذبہ باطن را گویند باطنی جذبہ کو کہتے ہیں۔)

[1] تنبیہ۔ ہنود جو تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں وہ اہل حق کے نزدیک (بقیہ پر ص ۴۱۱

تجرید و تفرید دنیاوی و اخروی اغراض کو ترک کر دینا تجرید ہے اور کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا تفرید ہے

تجلی و استتار تجلی ظہور کو کہتے ہیں اور استتار، پوشیدہ ہونے کو۔ تجلی کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کے جدا آثار ہیں۔ ایک تجلی ذاتی ہے اس کا اثر یہ ہے کہ اگر سالک کے وجود عنصری کے صفات و آثار کچھ باقی ہیں تب تو بیہوش ہو جاتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام طور پر بیہوش ہو گئے اور اگر وجود عنصری کے آثار بالکل فانی ہو چکے ہیں تو مشاہدہ کر سکتا ہے چنانچہ قبل موت تو یہ خلعت خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا۔ اور بعد موت سب مؤمنین کو جنت میں دیدار ہوگا۔ دوسری تجلی صفاتی اس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفات جلالی تجلی کریں تو سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور

بقیہ از صفحہ ۴۱۰ باطل ہے بروز جس کا بیان ہوا۔ اور تمثل اور خلع بدن، جن کا بیان آئندہ آئیگا، کے وقوع سے کسی کو جواز تناسخ کا دھوکہ نہ ہو جائے۔ تناسخ میں اور ان میں صریح فرق ہے۔ تمثل میں تو ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال ہی نہیں ہوتا اور تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اعتبار کیا گیا ہے اس سے تو یہ فرق ہے اور خلع بدن میں جو روح دوسرے بدن میں گئی ہے اس کی ابھی موت نہیں آئی تھی اور تناسخ بعد مرنے کے قرار دیا گیا ہے اور بروز میں جس بدن میں روح نے اپنا اثر کیا۔ اس میں پہلے سے روح موجود ہے بخلاف تناسخ کے کہ یہی روح اس بدن میں آئی ہے۔ ان فرقوں کو اچھی طرح سمجھ لو ؛

انس ہوتا ہے تیسری تجلی افعالی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر کسی مدح و ذم، نفع و ضرر، رد و قبول پر نہیں رہتی۔

تجلی روح کے وقت سالک کے اندر عجب و پندار پیدا ہوتا ہے اور تجلی حق کے وقت فناء و عجز طاری ہوتا ہے یعنی تجلی روح کے وقت اور سب اشیاء پر تو فناء و عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے مگر خود سالک پر فناء و عجز کا ورود نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تجلی اسی روح کی ہے جس کے سامنے تمام عالم سربسجود نظر آتا ہے پھر اس پر فناء و عجز کیونکہ طاری ہوگا۔ اور تجلی حق کے وقت خود اس کی روح پر بھی فنا و عجز کا ورود ہوتا ہے اور تمام عالم کے ساتھ خود اس کی روح بھی سربسجود ہوتی ہے اس وقت سالک پر فناء و عجز کا غلبہ ہوتا ہے۔ (اشرف المسائل ص۸۸)

بعض اوقات سالک روحانی تجلی کو ربانی تجلی سمجھ کر گمراہ ہوتا ہے اس مقام پر شیخ کامل محقق کی ضرورت ہے۔

ترسا مرد روحانی را گویند کہ از صفات ذمیمہ و نفس امارہ خلاص یافتہ باشد و موصوف بصفات حمیدہ شدہ باشد (یعنی ترسا اس روحانی آدمی کو کہتے ہیں کہ جو بری صفات اور نفس امارہ سے خلاصی پائے ہوئے ہو اور اچھی صفات رکھتا ہو۔)

ترسا بچہ واردات غیبی را گویند کہ از عالم غیب در دل سالک فرود آید (یعنی ترسا بچہ ان واردات غیبی کو کہتے ہیں جو عالم غیب سے سالک کے دل میں وارد ہوں۔)

تزکیہ اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا جس طرح جسم ظاہری کے لئے ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اسی طرح باطن کے لئے بھی ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اور نفس کو امراض باطنیہ سے پاک کرنا یہی تزکیہ ہے۔ جس کا شریعت میں بہت تاکید سے امر ہے اور اسی کو مدار فلاح ٹھہرایا گیا ہے۔ (اشرف المسائل ص ۸۳)

تفرد عبارت است از تنہا کردن از جمیع ماسوی اللہ تعالیٰ (تمام غیر اللہ سے اپنے آپ کو خالی کر لینا۔)

تلوین و تمکین سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو، کبھی بسط، کبھی سکر، کبھی صحو بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر پیش آتا ہے اسکو تلوین کہتے ہیں یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہیئے[1] کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے (اور) دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت کے ساتھ مشغول رہنے سے حسب استعداد آخر میں مناسب حالت محمودہ پر قرار ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح تصوف میں تمکین کہتے ہیں۔ تمکین کے بعد تمام اشیاء کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں اسی تمکین کا نام توسط و اعتدال ہے اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط ہے تلوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے پس صاحب تلوین صاحبِ حال ہے اور صاحب تمکین[2]

---

[1] التکشف ص ۲۱۳ [2] انفاس عیسیٰ ص ۱۳۴، ۶۵

حقیقت شناس ہے صاحب تلوین ابھی راہ میں ہے اور صاحب تمکین واصل ہو چکا ہے یوسف علیہ السلام کے قصہ میں زنان مصر صاحب تلوین تھیں اور حضرت زلیخا صاحب تمکین۔

تمثل کوئی ذات باوجود بقا اپنی حالت وصفت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہیں گے جیسے جبرئیل[ع] علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہوتے تھے یہ نہ تھا کہ فرشتہ سے آدمی بن جاتے تھے ورنہ تمثل نہ ہوتا استحالہ وانقلاب ہوتا خواب ومکاشفات میں حق تعالیٰ کو صورت مثالیہ میں[ع] دیکھ سکتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی تجلی مثالی سے نور الٰہی کو دیکھا ذات خداوندی کو نہیں دیکھا ورنہ طالب دید اللہ ہوتے پس اللہ تعالیٰ مثل[ہ] سے پاک ہے مگر مثال[ہ] خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ دو چیزوں میں کچھ صفات مشترک ہوں۔ ان میں ایک کو دوسری کی مثال کہتے ہیں مثلاً حسین آدمی کو چاند سے تشبیہ دیں تو وہ آدمی چاند نہیں ہوگیا۔ مگر صفت حسن میں اشتراک ہونے سے چاند کو آدمی کی مثال کہیں گے اور اس کی شناخت سے حسن انسانی کی کسی قدر شناخت ہو جاوے گی گو کامل شناخت نہ ہو اسکو اچھی طرح سمجھ لو اس میں غور نہ کرنے سے کفر والحاد لازم آجاتا ہے۔

ع فتمثل لھا بشراً سویاً الآیہ ع رأیت ربی فی احسن صورتہ ۱۲

ہ لیس کمثلہ شیٔ ہ مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیہ ۱۲

جفا پوشانیدن دل سالک از مشاہدہ (مشاہدہ سے سالک کے دل کو باز رکھنا)

جمع و فرق و جمع الجمع مخلوق کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی فاعل اور موصوف بصفات فرمایا ہے فرق ہے اور یہ سمجھنا کہ ان میں نہ کوئی فعل ہے نہ کوئی صفت حقیقۃً فاعل اور موصوف ذات حق ہے اور سبب اس کا پرتو یہ جمع ہے۔ اور بالکل مخلوق پر نظر نہ رہنا یہ جمع الجمع ہے اور ایک اصطلاح اسمیں اور ہے ممکنات کو فاعل و موصوف سمجھنا فرق ہے اور صرف حق تعالےٰ پر نظر ہونا جمع ہے اور مخلوق کو آئینۂ صفات حق سمجھنا جمع الجمع ہے ۔

جور باز داشتن سالک از سلوک عروج (یعنی سالک کو مقامات عالیہ پر چڑھنے سے روکنا)

چلیپا عالم طبائع را گویند (عالم طبائع کو کہتے ہیں ۔)

حال و مقام سالک کے قلب پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو جس میں اس کا کچھ اختیار نہیں اس کو حال کہتے ہیں اور جس مرتبۂ سلوک میں اس نے پختگی و استقامت حاصل کی ہو وہ مقام ہے مقامات سلوک یہی اعمال باطنیہ ہیں جن کی تحصیل کا شریعت نے امر کیا ہے اور مسلمان خصوصاً سالک ہمیشہ ان کے طے کرنے میں مشغول ہے کسی وقت توقف نہیں ہوتا مقام تو سالک کے تحت

میں ہوتا ہے اور حال کے تحت میں سالک ہوتا ہے۔ (دلائل السلوک ص۲۹)

حجابات اہل کشف نے فرمایا ہے کہ ہر لطیفہ میں دس دس ہزار حجابات ظلمانی و نورانی ہیں اور لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہیں تو ستر ہزار حجابات ہوئے ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے اور لطیفہ کا نور سالک کو نظر آتا ہے یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہے مثلاً حجاب نفس کا، شہوت و لذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا غیر حق پر اور حجاب عقل کا معانی فلسفیہ میں خوض کرنا اور حجاب روح کا مکاشفات عالم مثال کے وعلیٰ ہذا ان میں کسی کی طرف ملتفت نہ ہو مقصود حقیقی کی طرف متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے۔ اشعار

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو نذر آتش کر دیتا ہے غیر اللہ پر لا کی تلوار چلا اور پھر دیکھ کہ لا کے بعد کیا رہتا ہے بس الا اللہ رہ جائے گا باقی سب ختم ہو جائے گا۔)

حجابات کے چار مرتبے ہیں۔ مرتبۂ لاہوت، مرتبۂ جبروت مرتبۂ ملکوت مرتبۂ ناسوت۔ یہ مقامات سلوک نہیں ہیں بلکہ یہ مراتب وجود ہیں۔ بعضوں نے ایک اور قافیہ نکالا ہے ہاہوت نہ معلوم یہ لغت بھی ہے یا نہیں۔ ہاہوت درجۂ ذاتِ حق ہے اگر یہ لغت صحیح ہو اور لاہوت مرتبۂ اجمال صفات ہے اور جبروت مرتبۂ تفصیل صفات ہے اور ملکوت عالم ملائکہ ہے اور ناسوت عالم انسان ہے ہاہوت و لاہوت و جبروت کا طے کرنا تو انسان سے محال ہے ذات و صفات حق کے مراتب کون طے کر سکتا ہے کہ امکان کا انقلاب وجوب کی طرف لازم آتا ہے اور ناسوت کے طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس میں تو آپ موجود ہی ہیں اور ملکوت میں پہنچنا ممکن تو ہے مگر اختیاری نہیں۔ بعد موت کے خود بخود ہر شخص وہاں پہنچ جائے گا۔ حتیٰ کہ کافر بھی پہنچ جائے گا مرتبۂ لاہوت و مرتبۂ جبروت غیر مخلوق ہیں۔ غیر مرتبۂ صفاتِ اجمالیہ تفصیلیہ اس کا بقدر انکشاف ہے وہ بے شک مقصود ہے باقی دو مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں مرتبۂ ملکوتی حجاب نورانی ہے اور مرتبۂ ناسوتی حجاب ظلمانی۔ مرتبۂ ناسوتی چونکہ مبتذل و حقیر ہے۔ اس وجہ سے چنداں حاجب نہیں بر خلاف مرتبۂ ملکوتی کے۔ کہ وہ زیادہ حاجب ہے۔

خاطر قلب پر جو خطاب وارد ہوتا ہے وہ خاطر ہے اس کی چار قسمیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا فرشتہ کی طرف

لہ مقالاتِ حکمت ص۵۳ و الرحمٰن، ص۱۳۱

ہے تیسرا نفس کی طرف سے۔ چوتھا شیطان کی طرف سے اول کو خاطر حق، دوسرے کو الہام، تیسرے کو ہواجس، چوتھے کو وسواس کہتے ہیں، پہچان یہ ہے کہ اگر نیک بات دل میں آوے اور اس کے خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے اور اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطر حق ہے اور اگر بری بات دل میں آئے تو اگر شہوت و غضب و کبر وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہوتی ہے تو ہواجس ہے اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہے تو وہ وسواس ہے بعضوں نے اور طرح فرق بیان کیا ہے۔

چہاردہ خانوادہ

(۱) زیدیاں منسوب بخواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

(۲) عیاضیاں منسوب بخواجہ فضیل بن عیاضؒ

(۳) خانوادہ ادہمیان منسوب بخواجہ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴) خانوادہ ہبیریاں منسوب بہ ابوہبیرۃ البصری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) خانوادہ چشتیاں منسوب بخواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۶) خانوادہ حبیباں منسوب بخواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۷) خانوادہ طیفوریاں منسوب بہ سلطان العارفین بایزید بسطامی ملقب بطیفور رحمۃ اللہ علیہ۔

(۸) خانوادہ کرخیاں منسوب بمعروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۹) خانوادہ سقطیاں منسوب بہ سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۱۰) خانوادہ جنیدیاں منسوب بہ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) خانوادہ گازرونیاں منسوب بہ ابو اسحاق گازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(۱۲) خانوادہ طوسیاں منسوب بہ شیخ علاء الدین طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(۱۳) خانوادہ سہروردیاں منسوب بہ شیخ نجیب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(۱۴) خانوادہ فردوسیاں منسوب بشیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ
یہ خانوادے تو اصل ہیں اور ان سے آگے اور شاخیں نکلی ہیں۔

اور ان کے نام یہ ہیں:۔
اول خانوادہ قادریہ غوثیہ منسوب حضرت غوث الاعظم (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)
دوم خانوادہ وسیویہ منسوب بخواجہ احمد وسیو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
سوم خانوادہ نقشبندیہ منسوب بخواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ
چہارم خانوادہ نوریہ منسوب بہ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
پنجم خانوادہ خضرویہ منسوب با احمد خضرویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ششم خانوادہ شطاریہ عشقیہ منسوب بہ شیخ عبداللہ شطار رحمۃ اللہ علیہ
ہفتم خانوادہ حسینیہ بخاریہ منسوب بہ سید جلال مخدوم جہانیاں بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ہشتم خانوادہ زاہدیہ منسوب بخواجہ بدرالدین زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
نہم خانوادہ انصاریہ منسوب بہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔
دہم خانوادہ صفویہ منسوب بہ شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

یازدہم خانوادہ عیدروسیہ منسوب بہ سید عبداللہ الملکی العیدروسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
دوازدہم خانوادہ مداریہ منسوب بحضرت بدیع الدین مدار رحمۃ اللہ علیہ۔

خشم | ظہور صفات قہر را گویند۔
(صفاتِ قہر کے ظہور کو کہتے ہیں۔)

خلع بدن | کوئی روح اپنا بدن حالت حیات میں چھوڑ کر دوسرے
مردہ بدن میں چلی جائے یہ بات ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

خلوت در انجمن | آنست کہ بظاہر با خلق و بباطن با حق تعالیٰ بود
باذکر و عبادت از ذکر لسانی و قلبی است یعنی
دور کردن غفلت بذکر حق تعالیٰ (خلوت در انجمن یہ ہے کہ ظاہر میں
مخلوق کیساتھ اور باطن میں بواسطہ ذکر حق تعالیٰ کیساتھ ہو اور ذکر سے
مراد ذکر زبانی اور قلبی ہے یعنی غفلت کو حق تعالیٰ کے ذکر سے دور کرنا)

دلبر | صفت قابضی را گویند
(قبض کی صفت کو کہتے ہیں۔)

دلبر و دوست و صنم و محبوب و یار | تجلی صفات را گویند
(صفات کی تجلی و انکشاف کو کہتے ہیں۔)

دلدار | صفت باسطی را گویند
(صفت بسط کو کہتے ہیں۔)

دیر | عالم انسانی را گویند (عالم انسانی کو کہتے ہیں۔)

رابطہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کرکے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کرکے دیکھا جاتا ہے۔

فیفرض کانہ حاضر ناظر لکن تصورا فقط لا اعتقادا فانہ شرک ولذا یمنع منہ العوام وھذا ھو المراد فی کلام بعض الاکابر حیث ادخل ھذا فی عموم قولہ تعالیٰ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔

(یہ فرض کیا جائے کہ شیخ حاضر و ناظر ہے لیکن یہ صرف تصور کے درجہ میں ہو نہ کہ اعتقاد کے، کیونکہ یہ شرک ہے اسی لئے عوام کو اس سے روکا جاتا ہے اور یہی مقصد ہے اکابرین کی ان عبارت کا جن میں تصور شیخ کو ماھذہ التماثیل کے عموم میں داخل کیا ہے جس کی رو سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔)

یہ تو حقیقت ہے اس کی اور فائدہ اس کا شیخ کے ساتھ شغف ہے جس سے بے تکلف اسکا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے اس لئے اور احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں لیکن۔

لما کان ضررہ العوام اکثر من ھذا النفع المذکور لم یعتبر ھذا النفع فی منعھم منہ (التکشف ص۳۲)

جب کہ عوام کے حق میں اس کا ضرر زیادہ ہے اس نفع سے جو ذکر کیا گیا تو اس سے ممانعت میں نفع کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

عہ اس مقام پر تصور شیخ کا بیان بھی ملاحظہ کیا جائے

رجعت | رجعت از مقام وصول بقہر بطریق انقطاع راگویند یعنی وصول کے مقام سے بسبب قہر بصورت انقطاع ٹوٹنے کو رجعت کہتے ہیں۔)

زلف | غیب ہویت راگویند
(ذات وحقیقت کے غائب ہونے کو کہتے ہیں۔)

زنار | علامت یک رنگی ویک جہت شدن راگویند (یک رنگی اور
یک جہتی کی علامت کو کہتے ہیں۔)

ساغر وپیمانہ | کسے کہ مشاہدۂ انوار غیبی وادراک مقامات کند رجو
شخص غیبی انوار کا مشاہدہ اور مقامات کا ادراک کرے

ساقی ومطرب | فیض رسانندگان معنی راگویند (معنوی فیض
پہنچانے والوں کو کہتے ہیں۔

سالک، واقف، راجع | فوائد الفواد میں ہے کہ سالک وہ ہے
جو راہ چلے اور واقف وہ ہے جو بیچ
میں اٹک جائے۔ پس جب سالک عبادت میں کوتاہی کرتا ہے اگر
جلدی سے توبہ واستغفار کر کے بدستور پھر سرگرم ہوگیا تو پھر سالک
بن جاویگا اگر خدانخواستہ وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع
یعنی واپس نہ ہو جائے۔

اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں اعراض حجاب تفاصل
سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت۔
اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت وتوبہ نہ کی حجاب ہوگیا اگر

پھر بھی اصرار رہا، تفاصل ہو گیا اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کہ طاعت کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں۔ اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل میں گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی۔ نعوذ باللہ منہا۔

سعادت: عبارت است از استغراق در ہستی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ (خدا تعالیٰ کی ہستی میں مستغرق ہو جانا)

سفر در وطن: آنست کہ سالک از طبیعت بشری سفر کند یعنی از صفات ذمیمہ بصفات حمیدہ برآید کہ معنی تخلقوا باخلاق اللہ است (سفر در وطن یہ ہے کہ سالک طبیعت بشریہ سے سفر کرے یعنی صفات ذمیمہ کو چھوڑ کر صفات حمیدہ اختیار کرے جو تخلقوا باخلاق اللہ کے معنی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اخلاق کو اپنانا اور اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کرنا)

سمع: نور اللہ را گویند (اللہ تعالیٰ کے نور کو کہتے ہیں)

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ: تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ

۱ؔ انفاس عیسیٰ ص۱۷۰

یہ غیر محدود ہے سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہو گئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے معالجۂ امراض سے واقف ہو گئے۔ نفس کی اصلاح ہو گئی اخلاق رذیلہ زائل ہو گئے اخلاق حمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادت میں سہولت ہو گئی نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق نسبت میں ترقی ہوئی اسرار و حالات کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے۔

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(عشق کا سمندر ایک ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جان سونپنے کے کوئی چارہ نہیں)

شاہد جو چیز قلب پر غالب ہو وہ شاہد ہے بعض کا قول ہے کہ شاہد صاحب جمال کو کہتے ہیں اگر اس کے روبرو آجانے سے صوفی کے قلب میں کچھ تغیر پیدا نہ ہو تو یہ علامت اس کی فنائے نفس کی ہے اور اگر تغیر پیدا ہو جائے تو علامت حیاتِ نفس کی ہے تو گویا صاحبِ جمال

اس کے حال کا مشاہدہ ہوا۔

شطح بے اختیاری کی حالت میں جو غلبۂ وارد کی وجہ سے ظاہری قواعد کیخلاف کوئی بات منھ سے نکل جائے وہ شطح ہے اس شخص پر نہ گناہ ہے نہ اس کی تقلید جائز ہے۔

شقاوت عبارت است از دیدار حق تعالیٰ باز ماندن (حق تعالےٰ کے دیدار سے محروم رہنا۔)

شیدا اہل جذب واہل شوق راگویند (اہل جذب اور اہل شوق کو کہتے ہیں۔)

صبح طلوع احوال و اوقات واعمال راگویند (احوال واوقات اور اعمال کے طلوع کو کہتے ہیں۔)

صبوحی محادثہ راگویند (باہم تکلم کو کہتے ہیں۔)

صوفی خیر القرون میں صحابی، تابعی، تبع تابعی، امتیاز حق کے لئے کافی القاب تھے۔ پھر خواص کو زہاد و عباد کہنے لگے پھر جب فتن وبدعات کا شیوع ہوا۔ اور اہل زیغ بھی اپنے کو عباد و زہاد کہنے لگے اس وقت اہل حق نے امتیاز کے لئے صوفی کا لقب اختیار کیا اور دوسری صدی کے اندر ہی اس لقب کی شہرت ہوگئی۔

طامات معارف راگویند (معارف کو کہتے ہیں۔)

طریق باطن مداومتِ ذکر اور اطاعت احکام و ملکات باطنہ مثل توکل رضا و شکر وغیرہ کا نام ہے (انفاس عیسیٰ ص ۱۸۱ ج ۲)

طریق جذب و طریق سلوک تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک جذب یہ کہ طالب پر ذکر و فکر کے ذریعہ سے محبت کا غلبہ کیا جائے اور اعمال زائدہ میں کم لگایا جائے اور اس طریق محبت کے ذریعہ سے اسکو مقصود تک پہنچایا جائے دوسرا طریق سلوک وہ یہ کہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جائے (دعوات عبدیت ص ۱۱۵ ج ۱۷)

عَالم خلق و عَالم امر و عَالم مثال اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوقات ذی مادہ و ذی مقدار پیدا کی ہیں ان کو مادیات کہتے ہیں تمام اجسام علویہ و سفلیہ ایسے ہی ہیں اور بعض مخلوقات مادہ و مقدار سے مجرد (خالی) پیدا کی ہیں ان کو مجردات کہتے ہیں اور ارواح انسانیہ اور دیگر لطائف نفس و سرّ و خفی و اخفیٰ ایسے ہی ہیں اور یہی مراد ہے صوفیہ کے اس قول سے کہ لطائف فوق العرش ہیں۔ مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہیں اور عالم مثال ان ہی دونوں عالم کے بین بین ہے یعنی غیر مادی ہونے میں عالم امر کے مشابہ ہے اور مقداری ہونے میں عالم خلق کے مشابہ ہے چونکہ عالم امر میں مقدار نہیں اور حدود خواص مقدار سے ہیں اس لئے عالم امر غیر محدود ہوا۔ اور چونکہ اس میں مادہ بھی نہیں اور زیادہ تر علت انفعال (تاثر) و ضعف کا یہی مادہ ہے اسلئے

اس عالم کے موجودات میں قوت بھی زیادہ ہے (التکشف صلہ)

عروج و زوال سالک جب مراتب سلوک طے کرتا ہوا مرتبۂ فنا پہنچتا ہے اور ہر مرتبہ میں تجلیات اسمائی و صفاتی کا انکشاف و مشاہدہ غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے جو اصطلاح میں عروج کہلاتا ہے تو غایت سکر سے منتہی ترقی احوال فنا کا ہوتا ہے لیکن محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ کے بعد ہر سالک سے جداگانہ ہوتا ہے۔ بعض کو حسب تمنا ان کے ان ہی احوال فنا میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ان کو مستغرق کر دیتے ہیں اور ان لوگوں سے آئندہ سلسلہ افاضہ کا جاری نہیں ہوتا اور بعض کو اس سکر و فنا سے افاقہ بخشتے ہیں اور یہ بقار و نزول کہلاتا ہے اور ایسے لوگ مسندِ ارشاد پر متمکن ہوکر خلق اللہ کو فیض پہنچاتے ہیں اور وہ تجلیات اسمائی وصفاتی ان سے بھی منقطع و مختفی نہیں ہوتیں بلکہ انکی معرفت ان اہل فنا سے اقوی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات ان تجلیات میں مغلوب نہیں ہوتے اور چونکہ اشتیاق ان کا تجرد توجہ الی الحق (محض اللہ تعالیٰ کیطرف توجہ) کو مقتضی ہوتا ہے اور توجہ الی الخلق (مخلوق کی طرف توجہ) بھی شانِ ارشاد کی لوازم سے ہے گو ان کے لئے یہ توجہ اس توجہ سے مانع نہیں بلکہ معین بلکہ عین ہے (یعنی توجہ الی الحق میں مددگار بلکہ یہی بعینہ توجہ الی الحق ہے)۔

علم اعتبار باطنی معنی جو بیان کئے جاتے ہیں اس سے مقصود تفسیر و تعیین مراد نہیں ہوتی بلکہ ایک شے کی حالت کو دوسری شے کی حالت پر محض تمثیل و قیاس ہوتا ہے اسکو علم اعتبار کہتے ہیں۔

(اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہو یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ مجاز میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اس لئے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہ کے غیر ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اسکا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے طویل النجاد کہ اس میں مدلول وضعی متروک نہیں مدلول کلام وہی ہے مگر مقصود طویل القامۃ ہے کیونکہ طویل النجاد کے لئے طویل القامۃ لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے بس وہ اعتبار گویا قیاس تصرفی ہے اور قیاس فقہی کے مشابہ ہے مگر عین قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ مؤثر ہوتی ہے حکم مقیس میں اس لئے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس علیہ میں تشابہ ہے اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ علم اعتبار کی حقیقت ہے بس صوفیہ تو اس حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کی نہ مدلولیت کے منکر ہیں نہ مقصودیت کے اور جہلا صوفیہ خود ان کی مدلولیت کے منکر ہیں اور جدید تعلیم یافتہ مدلولیت کے تو منکر نہیں مگر مقصودیت کے منکر ہیں بلکہ مقصود معانی سیاسیہ ہی کو سمجھ

انفاس عیسٰی صفحہ

ہیں ان سب فرقوں کے فرق کو خوب سمجھ لو۔

عینیت و غیریت یہ دو لفظ متقابل ہیں اور مختلف اصطلاح کو تین معنی پر ان کا اطلاق آتا ہے معنی اول عینیت کے یہ کہ دو مفہوموں کا مصداق من کل الوجوہ ایک ہونا یعنی دو چیزوں کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ ان میں کسی قسم کا فرق نہ ہو جیسے انسان اور حیوان ناطق یا زید اور ذات زید، کہ ان میں اصلاً تغائر نہیں اور غیریت یہ کہ ان دونوں میں کسی قسم کا تغائر اور امتیاز ہو۔ یعنی فرق ہو اس تفسیر پر عینیت اور غیریت میں باہم تناقض ہے جس سے ان دونوں کا ایک محل میں جمع ہونا بھی محال ہے اور دونوں کا کسی محل سے مرتفع ہونا بھی محال ہے۔ اور متبادر معنی عینیت و غیریت کے یہی ہیں اور یہی معنی لغوی ہیں اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے اور اکثر اہل معقول بھی یہی مراد لیتے ہیں اس تفسیر کے اعتبار سے کوئی شے موجود خواہ وہ حادث و مخلوق ہو جیسے تمام زمین و آسمان کی چیزیں یا قدیم و غیر مخلوق ہو جیسے صفات باری تعالےٰ کہ عین ذات باری تعالیٰ کی نہیں (مثلاً علیم و حکیم یعنی ذی علم و ذی حکمت وغیرہ) معنی ثانی۔ عینیت کی تو وہی تفسیر لی جاوے اور غیریت کے یہ معنی ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا بدون دوسرے کے موجود ہو سکنا اس تفسیر پر عینیت و غیریت میں باہم تناقض تو نہیں مگر تضاد ہے یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آ سکتے مگر دونوں مرتفع ہو سکتے ہیں یہ اصطلاح متکلمین کی ہے۔ اس تفسیر کے اعتبار سے بھی ذات باری تعالےٰ

اور مخلوقات میں عینیت نہیں بلکہ غیریت ہے۔

معنیٔ ثالث:۔ عینیت کے معنی ہیں ایک شے کا دوسری شے کی طرف محتاج فی الوجود ہونا گو وہ دوسری شے اس پہلی کی محتاج نہ ہو اور غیریت کے وہ معنی ہیں جو معنیٔ اول میں مذکور ہو گئے ہیں یعنی ان دونوں شے میں سے کسی قسم کا تغایر و امتیاز و فرق ہونا۔ اور اس تفسیر پر عینیت و غیریت میں نہ باہم تناقض ہے اور نہ تضاد۔ بلکہ دونوں کا جمع ہونا ایک محل میں ممکن ہے مثلاً زید اور اس کی صفات، کہ صفات بدون زید کے نہیں پائی جاتیں اس لئے عینیت صادق آئی۔ اور دونوں باہم ممتاز بھی ہیں اس لئے غیریت صادق آئی اور یہ اصطلاح حضرات صوفیہ کرام کی ہے اس تفسیر کے اعتبار سے ذات باری تعالےٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہیں گو ذات باری تعالیٰ احتیاج سے مبرا ہے۔ اور غیریت بھی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں۔ (التکشف صفحہ)

غمگساری | صفت رحمانی را گویند (رحمانی صفت کو کہتے ہیں)

غیبت وحضور وشہود | کوئی وارد قوی قلب پر آیا خواہ صفات خداوندی کا غلبہ ہوا۔ یا کچھ ثواب و عذاب یاد آیا اس کے غلبہ سے حواس معطل ہو گئے اور ادھر کی خبر نہ رہی یہ غیبت

ہے یعنی خلق سے اور جب ہوش آگیا حضور ہوگیا۔ اور کبھی اس غیبت کو حضور کہتے ہیں یعنی حضور بحق۔ کبھی حضور کی جگہ شہود بولتے ہیں۔ اس کے معنی بھی حضور ہی کے ہیں سو جو چیز قلب میں حاضر ہوگی وہ شاہد مشہود ہے لیکن اکثر صوفیہ جب لفظ شہود بولتے ہیں تو شہود حق مراد لیتے ہیں اور لفظ شواہد سے مخلوق مراد لیتے ہیں۔ پس غیبت کی دو قسمیں نکلیں۔ ایک محمود۔ اگر خلق کی طرف سے ہے ایک مذموم اگر حق کی طرف سے ہے۔ اسی طرح حضور کو سمجھ لو۔

غیرت — اہل کمال کے نزدیک طاعت حق ہر امر میں مقدم ہوتی ہے اگر احیاناً کسی چیز کی مشغولی نے طاعت حق میں خلل ڈالا تو اہل کمال کو اس چیز کو رفع کرنیکا ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے (یعنی، حق تعالیٰ سے غافل کرنیوالی چیز سے نفرت ہو جانا۔ اس کو غیرت کہتے ہیں (التکشف ص۲۲)

قلاشی — مباشرت و مباشرت اعمال را گویند (مصاحبت اور اعمال کے اپنانے کو کہتے ہیں۔)

قلندر و قلاش — اہل صفا و اہل ترک و اہل فنا را گویند (اہل صفا و اہل ترک اور اہل فنا کو کہتے ہیں۔)

کباب — پرورش دل در تجلیات حق (حق تعالیٰ کی تجلیات میں دل کی پرورش ہونا۔)

کشف و شہود — مرتبہ عین اللہ را گویند (عین اللہ کے مرتبہ کو کہتے ہیں۔)

کفر | تاریکی را گویند
(اندھیری کو کہتے ہیں۔)

کلیسا | عالم حیوانی را گویند
(عالم حیوانی کو کہتے ہیں۔)

گبر و کافر | کسے کہ یک رنگ در وحدت شدہ و روئے از ماسوی اللہ تعالیٰ برتافتہ (جو شخص وحدت میں ایک رنگ ہو جائے اور غیر اللہ سے رو گرداں ہو جائے۔)

مے | ذوق را گویند کہ از دل سالک سر زند و او را خوش وقت گرداند (اس ذوق کو کہتے ہیں جو سالک کے دل سے اٹھتا ہے اور اس کو خوش وقت بناتا ہے۔)

گیسو | ظاہر طالب را گویند
(طالب کے ظاہر کو کہتے ہیں)

لب و دہان | صفت حیات را گویند
(حیات کی صفت کو کہتے ہیں)

لطائف ستہ | حسب ذیل ہیں (بجز نفس کے، کہ وہ عالم خلق سے ہے، باقی سب عالم امر سے ہیں۔)

لطائف کا نام	نفس	قلب	روح	سرّ	خفی	اخفیٰ
غذا یا فعل	غفلت	ذکر	حضور	مکاشفۂ ملکوت	مشاہدۂ فنا	معائنہ فنا ما الفنا
مقام	زیر ناف	زیر پستان چپ	زیر پستان راست	مابین قلب و روح	مابین دو ابرو	ام الدماغ
رنگ	زرد	سرخ	سفید	سبز	نیلا	سیاہ

لطائف ستہ کشف سے دریافت ہوئے ہیں۔ اور اُن کے توحد و تعدد میں اختلاف ہوا ہے۔ لیکن ان کے افعال خاصہ سے ظاہر ان کے تعدد پر استدلال ممکن ہے۔

نفس بقیہ لطائف کے مضاد ہے اور باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں۔ اور ہر تحتانی رتبہ فوقانی کے لئے ممد ہے۔ اور فوقانی تحتانی پر مشتمل۔ اسی لئے فوقانی ذاکر و جاری ہونے سے تحتانی بھی ذاکر و جاری ہو جاتا ہے۔

بعض نے تعیین مقامات میں) کچھ اختلاف بھی کیا ہے اور وجہ اختلاف کی اختلاف کشف ہے۔ کیونکہ جملہ لطائف مثل مرایا متعاکسہ (آئینے جن میں عکس نظر آتا ہے) کے ہیں۔ جس شخص کو جہاں کسی لطیفہ کا نور نظر آیا ہے۔ اس نے وہیں اس کا مقام سمجھ لیا۔ اور کسی کو مقام اصلی منکشف ہوا۔

لطائف کی تحقیق مبسوط کا اگر شوق ہو تو" رسالہ" القطائف من اللطائف" کا مطالعہ کیا جائے۔ (مبادی التصوف صا۱۱)

مادہ و مجرد عالم خلق و عالم امر کی اصطلاح صفحہ (۲۷۸) پر ملاحظہ ہو۔

محاضرہ و مکاشفہ و مشاہدہ محاضرہ، تجلی افعال کو کہتے ہیں مکاشفہ تجلی صفات کو اور مشاہدہ تجلی ذات کو۔ محاضرہ قلب سے ہوتا ہے مکاشفہ سر سے اور مشاہدہ روح سے

محو و اثبات اس کے معنی قریب قریب فنا و بقاء کے ہیں اور وہی قسمیں یہاں بھی ہیں۔ اور محو کے معنی میں اور بھی چند الفاظ مستعمل ہیں محق، سحق، طمس۔ اور اگر ان الفاظ میں کچھ فرق کیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ مثلاً محو صفات کو محق کہیں۔ اور فنائے ذات کو سحق اور صفات و ذات کے آثار محو ہو جانے کو طمس کہیں۔

مدارات و مداہنت مدارات کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے کہ وہ دین کی طرف آجائیں اور اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں اول تو خود دین میں مقصود ہے اور ثانی مقصود دین میں معین ہے کیونکہ کسی شریر کی ایذاء میں مبتلا رہ جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔ اور مداہنت بددینوں کے ساتھ نرمی کرتا ہے تاکہ ان سے مال وجاہ کا

نفع حاصل کرے۔ اور یہ ناجائز اور حرام ہے۔)
اور مدارات حضرات صوفیہ کے خاص اخلاق سے ہے
(کمالات اشرفیہ ص۲۵)

مست وخراب | استغراق راگویند (استغراق کو کہتے ہیں۔)

مست وشیدا | اہل حزن وذوق راگویند (اہل حزن وذوق کو کہتے ہیں۔)

مستی | فروگرفتن عشق بجمیع صفات (عشق کو مع اس کی جمیع صفات کے اختیار کرنا۔)

مکہ ومدینہ | مکہ کی حقیقت تجلی الوہیت اور مدینہ کی حقیقت تجلی عبدیت ہے اور عارف ہر وقت اپنے اندر تجلی

الوہیت اور تجلی عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے وہ جہاں بیٹھے گا مکہ ومدینہ اس کے ساتھ ہے مگر جو محقق ہے وہ صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں دیتا۔ بلکہ حتی الامکان صورت و معنی دونوں کے جمع کرنیکا اہتمام کرتا ہے۔

میخانہ | لاہوت راگویند (لاہوت یعنی مرتبۂ اجمال صفات حق کو کہتے ہیں۔)

می لعل | خون عاشقاں کہ از راہ دیدہ در جام کنارش ریزند (یعنی عاشقوں کا خون جو آنسو بن کر اُن کی آنکھوں سے

ٹپکتا ہے۔)

نسبت نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا۔ جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔

جب ذکر اللہ کی مواظبت اور ریاضات و مجاہدات کی کثرت سے ظلمات نفسانیہ و کدورات طبعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ تو قلب و روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام وصول ہے۔

نسبت، تعلق طرفین کا نام ہے یک طرفہ تعلق کو نسبت نہیں کہا کرتے۔ پس بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ محض یاد کا تعلق ہے اور یہ تعلق یک طرفہ ہے تعلق دو طرفہ عمل و اطاعت سے ہوتا ہے جب انسان عمل و اطاعت کا اہتمام کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور اس کا القاء ایک دم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال، اقوال و حرکات میں زیادہ تشبہ ہو ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال

صادر ہونے لگیں۔ (انفاس عیسیٰ صلا اشرف المسائل صـ۱۵۵ ملخصاً)

نظر بر قدم آنست کہ در آمد و رفت راہ ہر جا کہ باشد نظر بر پشت پا دارد تا نظر پراگندہ نہ شود و شاید نظر بر قدم اشارت بسرعت سیر سالک بود در قطع مسافت ہستی یعنی نظر او جا کہ منتہی شود فی الحال قدم برآں نہد (یعنی نظر بر قدم یہ ہے کہ آمد و رفت میں جہاں کہیں بھی ہو۔ نظر اپنے پاؤں پر رکھے تاکہ نظر منتشر نہ ہو اور شاید نظر بر قدم کا اشارہ سالک کی مسافت ہستی کے طے کرنے میں تیز رفتاری کی طرف ہو۔ یعنی سالک کی نظر جس مقام پر ختم ہو سالک اپنا قدم اس مقام پر رکھے۔

نفس نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے۔ خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر۔ اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت امارہ کہلاتا ہے۔ یعنی کثیر الامر بالسوء (برائی کا بہت زیادہ حکم کرنے والا) اور اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہوی ہے۔ اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہوجانا اس مفہوم کے منافی نہیں۔ کیونکہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں۔ اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوامہ کہلاتا ہے۔ اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت مطمئنہ کہلاتا ہے۔ بمعنی ساکن الی الخیر (نیکی پر ٹھہرنے والا) گو کبھی اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احیاناً پیدا ہوجائے کیونکہ محض انجذاب بمعنی میلان منافی سکون

نہیں۔ چنانچہ اجسام ثقیلہ باوجود میلان الی المرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں البتہ اس خواہش کے اقتضاء پر عمل کرنا کہ حرکت ہی اثر ہے یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئنہ نہ رہے گا غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی اور شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں۔ بعض تو مشاہد ہیں جیسے نصیحت وصحبت نیک خواہش خیر کے لئے اور اغوار وصحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشاہد ہیں جیسے القاء ملک خواہش خیر کے لئے اور القاء شیطان خواہش شر کے لئے اسی کو حدیث میں لمۃ الملک اور لمۃ الشیطان اور ایعاد بالخیر اور ایعاد بالشر سے تعبیر فرمایا۔

نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے خرابی میں ڈالا تھا۔ تو یہ نفس شیطان کا بھی باپ ہوا۔ پس نفس کا مغلوب کرنا کفار کے مغلوب کرنے سے بھی اہم ہے اسی واسطے مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ (التکشف ص ۶۲۱ کمالات اشرفیہ ص ۱۵۱)

نگاہداشت مراد از مراقبۂ خاطر است از خطرۂ ماسوی اللہ تعالیٰ چنانچہ اگر در یکدم صدبار کلمۂ طیب را گوید خاطر بغیر نہ رود (مراد اس سے یہ ہے کہ اپنے دل کی غیر اللہ کے خیالات کے آنے سے نگہبانی کرنا دریں معنی کہ اگر یہ یک دم سو مرتبہ کلمۂ طیبہ کہے تو دل غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔)

واردات خاطر تو کلام نفسی ہے اور وارد عام ہے جمیع کیفیات کو جیسے حزن وسرور، وقبض وبسط وغیرہ۔

وصل | عبارت است ازآن یان خود بشہود نور وجود حق تعالےٰ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ذوقی حضور وتعلق ہو جاوے اور غیر سے غفلت و ذہول تب یہ نسبت متصل ہو جاوے اس کو وصل کہتے ہیں۔)

وفا | عنایت ازلی را گویند۔ (عنایت ازلی کو کہتے ہیں)

وقت ونفس | بندہ پر جو حال غالب ہو۔ جیسے حزن وسرور مثلاً اسکو وقت کہتے ہیں۔ اور یہ سالک وغیر سالک دونوں کو پیش آتا ہے دوسرے معنی وقت کے سالک کے ساتھ مخصوص ہیں وہ یہ کہ غیب سے کوئی ایسا حال غالب ہو کہ سالک اپنی حالت سے باہر ہو جاوے الصوفی ابن الوقت کے یہی معنی ہیں اگر یہ حالت دائم ہے تو نفس کہتے ہیں۔

وقوف زمانی | آنست کہ بندہ بہر حال واقف احوال خود باشد اگر بطاعت است شاکر باشد و اگر بمعصیت است عذر خواہد (وہ یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے احوال کا واقف ہو اگر طاعت ہے تو شکر کرے اور اگر نافرمانی ہے تو عذر چاہے)

وقوف عددی | وآں عبارتست از رعایت عدد طاق در نفی و اثبات (اسکا مطلب یہ ہے کہ نفی و اثبات میں طاق عدد کا لحاظ رکھے)

وقوف قلبی | آنست کہ ذاکر آگاہ و واقف باشد با حق تعالےٰ بوجہیکہ دل را بہیچ علاقہ بغیر حق نہ باشد (یعنی وقوف قلبی

یہ ہے کہ ذاکر حق تعالیٰ کا واقف ہو۔ اس طرح کے دل متواتر غیر اللہ سے متعلق نہ ہو۔)

ہمّت قلب کو کسی طرف اس طرح مجتمع اور یکسو کرنا کہ دوسری چیز کا خطرہ نہ آوے۔ ہمت ہے اس ہمت سے بڑے بڑے کام بنتے ہیں۔ آج کل تو اس کو توجہ کہتے ہیں۔

ہوش در دم عبارت، ازاں ست کہ ہمیشہ ہوشیار و آگاہ بر نفس خود باشد تاکہ دم بہ غفلت نہ برآید و ایں شغل دافع تفرقہ نفسی است (یعنی اپنے نفس پر ہمیشہ ہوشیار رہے اور اس پر آگاہ رہے تاکہ کوئی سانس غفلت میں نہ گذرے اور یہ شغل نفس کے انتشار کو دفع کرنے والا ہے)

ہیبت قبض میں جب اور ترقی ہوتی ہے اس کو ہیبت کہتے ہیں۔

یادداشت عبارت از متوجہ بودن بحق تعالیٰ است بہر حال بر سبیل ذوق (یعنی ہر حال میں بطریق ذوق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔)

یقین کے مراتب اعتقاد جازم مطابق للواقع کو (یعنی وہ پختہ اعتقاد جو واقعہ کے مطابق ہو) یقین کہتے ہیں اس کے تین مرتبے ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین علم الیقین کا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی کسی شئے کو اعتقاد جازم (یعنی پختہ

اعتقاد) کے ساتھ جان لے۔ جیسے کسی کو یہ علم ہو جائے کہ آگ جلاتی ہے۔

عین الیقین یہ کہ اس کے ساتھ مشاہدہ بھی ہو جائے مثلاً آنکھ سے دیکھ لے کہ آگ کسی شے کو جلا رہی ہے۔

حق الیقین یہ کہ اس کے ساتھ اتصال بھی حاصل ہو جائے مثلاً کوئی شخص اپنا ہاتھ آگ میں ڈال کر دیکھ لے اور ہاتھ جل جائے۔ (التکشف صفحہ مبادی التصوف صلا۔)

۹۔ موانع

یوں تو جتنے معاصی اور تعلقات ماسوی اللہ ہیں۔ سب اس راہ کے راہزن ہیں مگر چند ضروری چیزوں کو چند فصلوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی فصل۔ تصنع

عن اسماءؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو

۱۔ تعلیم الدین صفحہ ۲ التکشف صفحہ ۳ اس مقام پر رسالہ کا مضمون بھی ملاحظہ کیا جائے

المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور اخرجہ الخمسۃ

(جو) شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کو نہیں ملی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے (یعنی) [illegible] مطلب یہ کہ گویا سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا۔

چونکہ مالم یعط عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی اس لئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز و انداز سے اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں خاصکر جبکہ مرید کرنا بھی شروع کر دیں یہ تو بالکل دھوکہ کی صورت ہو گئی ہے۔

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند

حق را بسجودے و نبی را بدرودے

(یعنی اس قوم میں سے نہ ہو جانا جو خدا تعالیٰ کو سجدہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو درود سے دھوکہ دیتی رہے۔) اس پر تقدس کا دعویٰ ہے اور بزرگی کے مدعی ہیں (سو) یہ دینداری کی صورت تو ہے۔ مگر دینداری کی حقیقت نہیں۔ بادام اور شے ہے اور بادام کا چھلکہ اور شے ہے پستہ اور شے ہے اور پوست اور شے ہے۔ اخروٹ اور شے ہے اور چھلکہ اس کا اور شے ہے۔ اسی طرح آدمی کی صورت اور شے ہے اور حقیقت اور شے ہے۔

گو بصورت آدمی انسان بدے

احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بدے

لہ دعوات عبدیت ص ۶۴۳-۱۱-۱۳۸

اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

(ترجمہ: اگر آدمی شکل وصورت سے انسان ہوتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل برابر ہوتے جن لوگوں میں تو دیکھتا ہے کہ آدمیت نہیں وہ بظاہر تو آدمی ہیں لیکن حقیقت میں آدمی نہیں۔) ایسے ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(ترجمہ: خواجہ سمجھتا ہے کہ بہت کچھ حاصل ہے۔ حالانکہ اسے پندار کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں،) ان ہی صور اعمال پر نظر مقتصر کر کے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں۔ حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جائے تو یہ حالت ہے ہے

از بروں چوں گور کافر پرحلل واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ میدارد یزید۔

(یعنی باہر سے مثل کافر کی قبر کے آراستہ اور اندر خدا تعالیٰ کا عذاب بھرا ہے باہر سے طعنہ زن ہیں بایزید پر اور اندرونی طور پر (اعمال سے) یزید بھی شرم کرتا ہے۔)

اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں رہی۔ اگر بصیرت ہو تو معلوم ہو کہ سب اعمال میں نفس کی پخ لگی ہوتی ہے۔ واللہ العظیم ہم لوگوں کے اعمال وہ ہیں کہ قیامت کے روز اگر ہمارے جوتیاں نہ لگیں تو غنیمت ہے پہلے بزرگوں کی حالت اس کے برعکس تھی حضرت ذوالنون مصری سے

لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت بارش نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں۔ شاید بارش میری وجہ سے نہیں ہوتی میں یہاں سے چلا جاتا ہوں اس کے بعد چلے گئے اور بارش بھی ہوئی پس ہم لوگوں کو اپنے گناہوں پر نظر کرنی چاہیئے خالق تعالیٰ شانہ تو ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔ اس سے کیسے بچیں گے ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ۔۔۔ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

کارہا با خلق آرے جملہ راست ۔۔۔ با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

کارہا او راست باید داشتن ۔۔۔ رایت اخلاص و صدق افراشتن

(ترجمہ:۔ مخلوق کو فریب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے اور ہر خاص و عام کو غلطی میں ڈالا جا سکتا ہے مخلوق کے ساتھ اگر تمام کاروبار درست کیئے جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر و فریب کیسے روا ہے فی الحقیقت خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملات درست رکھنے چاہئیں اور صدق و خلوص کا علمبردار ہونا چاہیئے۔ یعنی، خدائے تعالےٰ کے ساتھ تو فریب نہ ہونا چاہیئے۔ اور نیک نامی اور بدنامی کو بالائے طاق رکھ کر سچا اتباع کرنا چاہیئے۔

دوسری فصل ۔۔ تعجیل

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لہ تعلیم الدین، ص ۱۲۹/۱۲۸

وسلم یستجاب لاحدکم ما لم یعجل۔ ترمذی — تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک جلدی نہ کرے۔

حصول ثمرات مجاہدہ میں تقاضا و عجلت کرنا کہ اتنے دن ہو گئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا یہ (بھی) ایک مانع (طریق) ہے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے۔ یا مجاہدہ ترک کر دیتا ہے طالب کو سمجھنا چاہئے کہ کوئی چیز بھی دفعۃً حاصل نہیں ہوتی۔ دیکھو یہی شخص کسی وقت بچہ تھا کتنے دن میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا۔ کتنے دنوں میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضا گویا اپنے ہادی پر فرمائش ہے۔ (حافظؒ فرماتے ہیں)

ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر لہ
نہاں کہ ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی، استعجال وصل، یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار رازِ محبت کرنا پڑا سب کو میرا حال معلوم ہو گیا۔) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جاوے

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت و طمانیت نہیں رکھتا

لہ التکشف ص ۱۲۰

بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی اور سے مذموم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہرجائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ و شفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے غرض ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ مچاوے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔

تیسری فصل حسن پرستی

جواہر غیبی[1] میں لکھا ہے کہ ایک شخص طواف کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا اللھم انی اعوذ بلک منک (ترجمہ:۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں)، کسی نے اس کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگا کہ ایک بار کسی حسین امرد کو نظر شہوت سے دیکھا اسی وقت غیب سے ایک طمانچہ لگا۔ جس سے آنکھ جاتی رہی۔ یوسف بن حسین فرماتے ہیں۔

رأیت آفات الصوفیۃ فی — دیکھا میں نے آفات صوفیہ کو امردوں

---

[1] تعلیم الدین ص ۱۱۹

صحبۃ الاحداث ومعاشرۃ : کے میل جول کرنے اور ناجنسوں سے
الاضداد و رفق النسوان : ملنے میں اور عورتوں سے نرمی برتنے میں۔

شیخ واسطیؒ فرماتے ہیں:۔

اذا اراد اللہ ھوان عبد القاہ : جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ذلت وخواری
الی ھؤلاء والانتان والجیف : چاہتا ہے ان گندوں اور سڑوں کی طرف
یدلہ بہ صحبۃ الاحداث : اس کو ڈالتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے اس سے انکی
مراد امردوں سے میل جول کرنا ہے:

مظفر قرمسینیؒ فرماتے ہیں:۔

اخلاق الارفاق النسوان علی : نرمی اور مہربانی کرنے میں سب سے
ای وجہ کان۔ : بڑا عورتوں سے نرمی اور مہربانی کرنا ہے
جس طرح ہو:

کسی نے شیخ نصیر آبادیؒ سے کہا کہ لوگ عورتوں کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے دیکھنے میں ہماری نیت پاک ہے انھوں نے فرمایا

مادامت الاشباح باقیۃ : جب تک جسم انسانی باقی ہے امر ونہی بھی باقی
فان الامر والنھی باق والتحلیل : ہے۔ اور تحلیل وتحریم کے ساتھ
والتحریم مخاطب بہ : مخاطب ہے۔

میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور

لے کب ۱۲

ایک محبت یعنی توجہ تقاضا کے درجے میں اول درجہ تو امر طبعی ہے حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے اور نہ اس کے کھونے کا انسان مکلف ہے اور دوسرا درجہ اختیاری ہے یعنی اختیار کو وجود و عدم میں دخل ہے انسان کسی چیز میں انہماک اتنا کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے جب یہ اختیاری ہے تو انسان اسکا مکلف بھی ہے۔ [1] شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں ہاٹے کا پیدا زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے۔ اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ حسن کا ادراک ہو اور اس کی طرف طبیعت میں میلان بھی ہو پھر بھی نامحرم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے کشش و میلان کا بالکل زائل ہو جانا تو عادۃً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اس میں ایسا ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت میں صعوبت نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف اسی میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے مقتضا کی مخالفت کی جائے گو کلفت ہو اس کو برداشت کیا جاوے سو کسی کو جلدی کسی کو دیر میں علی اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور رکنے کے لئے ہمیشہ قصد و ہمت کی ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ توقع رکھنا امنیہ (آرزو) محضہ ہے اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الْخَوَارِقِ (مگر یہ کہ خرق عادت ہو) اس اصل سے تمام فطریات میں کام لینے سے پریشانی ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا (کافور) ہو جاتی ہے۔

---

[1] کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۸۰، ۱۲۰، ۲۲۴

شہوت رانی میں بوقت قضائے شہوت بھی لذت آتی ہے اور بعد میں بھی لذت رہتی ہے قضائے شہوت کے بعد کچھ کوفت نہیں ہوتی اگر کسی کو روحانی کوفت ہوتی ہو تو ممکن ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں عام حالت یہی ہے کہ شہوت رانی کے بعد مزہ بڑھتا ہے پہلے سے زیادہ آگ بھڑک جاتی ہے گو تھوڑی دیر کے لئے سکون پڑ جاتا ہے اور شہوت بالنساء سے بھی زیادہ شدید شہوت بالامارد (امردوں سے) ہے آجکل امردوں کیساتھ ابتلاء عام ہو رہا ہے یہ فعل حرمت میں سب سے بڑھا ہوا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ شہوت سے پاک صاف ہیں مگر ان میں بھی اکثر نظر کے مرض میں مبتلا ہیں حالانکہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں حالانکہ نظر فعل کا مقدمہ ہے اور مقدمۃ الحرام حرام قاعدہ فقہیہ ہے یعنی حرام کے مقدمات بھی حرام ہوتے ہیں اس لئے نگاہ کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔

معالجہ یہ شر (بدنظری) ایسا ہے کہ اپنے اثر سے تمام طاعات کے نور کو تاریک کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج اہتمام سے کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ مادہ خلقی ہے پس وہ شر نہیں بلکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں البتہ اس مادہ کے اقتضاء پر عمل کرنا شر ہے اور وہ اختیاری ہے اور اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے پس فعل سے رکنا اختیاری ٹھہرا اس میں کوئی معذوری نہیں یہ خیال کرو کہ اگر اس عورت کے شوہر کو یا امرد کے

لے الکمال فی الدین ص۲۶۱، ۳۴۲ سے مقالات میں دشواری ص۲۰۳ مرض مجتبیٰ ص۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱

وارث کو اس خیال کی اطلاع کردوں تو کتنی رسوائی ہو تو حق تعالیٰ تو بے شک مطلع ہیں کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اس ارادے کو دیکھ رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں عقوبت ہم کو بھی مستحضر کرکے اس میں لگ جائے یا نفس سے یہ کہے کہ جس طرح تو مجھے دوسری عورتوں سے حظ حاصل کرنے کو کہتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص میری بیوی سے حظ حاصل کرے اور مجھ کو اس کا علم ہو جاوے تو میں کیا کروں گا ظاہر ہے کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاؤں گا اسی طرح کیا دوسروں کو غیرت نہ آئے گی کہ اگر ان کو خبر ہو جائے تو وہ بھی مجھے مار ڈالیں ہر طرح کے ضرر پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں پھر جہنم کا نقشہ پیش نظر کرے بدوں ہمت کے کوئی کام نہیں ہوتا اصل علاج نظر بد کا یہی ہے کہ جس وقت ایسا موقع ہو اکرے یہ خیال کر لیا کیجئے کہ حق تعالیٰ اس وقت بھی دیکھ رہے ہیں اور قیامت میں بھی باز پرس کریں گے اگر سزا کا حکم کر دیا تو کیسی بنے گی بار بار اس خیال کے حاضر کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہو گی بس ہمت کیجئے یہی اس کا علاج ہے چند روز تکلف ہو گا پھر عادت ہو جاویگی پھر لذت اور فرحت ہو گی۔[1]

چوتھی فصل۔ مخالفتِ سُنّت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ   جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں

---

[1] الاخلاص ص۷۲، دعوات عبدیت ص۱۸

وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (یعنی کسی شے کا امر فرمائیں) اس کو لو۔ اور
الآیہ۔ اور جس شے سے منع کریں اس سے باز رہو

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ اگر تمکو خدا تعالیٰ سے
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ الآیہ محبت ہے تو میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیگا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپکی سی ہیئت بناتا ہے اس پر خدا تعالیٰ کو محبت و پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہمشکل ہے اور یہ وصول کا ایسا طریق ہے جو سب سے زیادہ نزدیک ہے جو بھی اختیار کریگا وہ بہت جلد پہنچیگا اور بہت جلد کامیاب ہوگا۔ ورنہ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

(ترجمہ:۔ جو شخص پیغمبرؐ کے سوا راہ اختیار کریگا وہ ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا اور پیغمبرؐ کے نقش قدم کے سوا صحیح راستہ نہیں مل سکتا)

منقول از خیر المجالس :۔ ؎

مجلس ع۵ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ نے ذکر میں اولیاء اللہ کے فرمایا کہ متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور ہے قولاً و فعلاً و ارادۃً۔ اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتی۔

مجلس ع۲۲ جو کچھ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا وہ

ؔ السنۃ الجلیہ صفحہ ۳، ۸۰، ۱۳، ۱۸، ۲۲، ۲۹، ۳۴، ۵۲، ۶۱ ۔

کرنا چاہیئے اور جس سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے بچنا چاہیئے ۔ عے پھر کہا لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا لہذا خراب و پریشان ہیں۔

منقول از دلیل العارفین

مجلس دوئم حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ جو آدمی شریعت پر ثابت قدم ہوا اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالایا اور سرمو ان سے تجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے کو بڑھتا ہے یعنی تمام ترقیاں اسی پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔

مجلس عے علماء کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔

منقول از اسرار الاولیاء

اٹھارویں فصل حضرت شیخ فریدالدین نے فرمایا کہ اے درویش! حدیث شریف میں آیا ہے کہ فقیہ عالم ہزار ایسے ایسے عابدوں سے بہتر ہے جو شب کو قیام کریں اور دن کو روزہ رکھیں اور عالم کی ایک دن کی عبادت عابد بے علم کی چالیس دن کی عبادت کے برابر ہے۔

منتخب از مکتوبات قدوسیہ

مکتوب ۱۶۳ شریعت پر قائم رہو کیونکہ باطن کی صفائی اور اس جہان کی نجات کیلئے اسوقت بجز شریعت کے کوئی شئے حجت اور سبب نہیں

مکتوب ۱۲۲ وہ لوگ شریعت کے احکام سے ہٹ گئے۔ حلال و حرام چھوڑ دیا گمراہی میں پڑ گئے کل کے دن کفار کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے

از راحت القلوب۔

مجلس عے۱ حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا، جس مذہب میں ہم ہیں وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے یہ مذہب صواب پر ہے اور خطا کا احتمال نہیں ہے وہ کیسے خدا تعالیٰ کے بندے تھے کہ جنھوں نے سوائے متابعت خدا تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کام نہیں کیا۔

حضرتؒ[1] شاہ محب اللہ صاحبؒ الہ آبادی جو بڑے بزرگ تھے حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے آپ نے لکھا جب قاضی رضیا الدین سنامیؒ صاحب کی وفات کا وقت قریب آیا اور حضرت سلطان جی نظام الدین اولیاء عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ قاضی صاحب نے اپنا عمامہ خدام کو دیکر فرمایا کہ اسکو بچھادو اور سلطان جیؒ سے عرض کرو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں حضرت سلطان جیؒ نے وہ عمامہ اٹھاکر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا یہ دستار شریعت ہے اس کو تو میں سر پر رکھو نگا (جب) قاضی صاحب کا انتقال ہوگیا (تو) فرمانے لگے کہ افسوس شریعت کا ستون منہدم ہوگیا۔

فتوحات[2] میں ہے

کل حقیقۃ علے خلاف	جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو وہ بددینی اور
الشریعۃ زندقۃ باطلۃ	مردود ہے۔

---

[1] بزم جمشید صفحہ ۲۸ [2] تعلیم الدین صفحہ ۱۱۶

ولا طریق الی اللہ الا علی الوجہ المشروع لا طریق لنا الی اللہ الا ما شرعہ فمن قال ان ثم طریقا الی اللہ خلاف ما شرع فقولہ زور فلا یقتدی بشیخ لا ادب لہ

ہمارے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے مگر شرعی طور پر اور کوئی راہ نہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کو مگر وہی جو انہوں نے شریعت میں بتلائی ہے جو شخص کہے کہ ادھر کوئی اور راہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بخلاف اس کے جو شریعت نے بتلا دیا اس کا قول جھوٹا ہے۔ پیرا ایسے شیخ کو مقتدا نہ بنایا جائے جس کو ادب نہ ہو

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:

لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الہواء فلا تغتروا لہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر والنہی وحفظ الحدود والشریعۃ

اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ کرامتیں دکھائے یہاں تک کہ ہوا میں اڑتا ہے تو دھوکے میں نہ آجاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

الطرق کلہا مسدودۃ علی الخلق الا علی من اقتفی اثر الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کل مخلوق پر سب راہیں بند ہیں سوائے اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم

اور فتوحات میں ہے:۔

فما عند اللہ من لم یعلم بحکمہ بمکان فان اللہ ما اتخذ ولیا جاہلا وفیہ ان البطالۃ مع العلم خیر

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہے وہ شخص کسی مرتبہ میں جو اس کے حکم کو جانتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا اور اسی فتوحات

من العمل مع الجہل۔ میں ہے کہ باوجود علم کے بیہودگی کرنا اس عمل سے بہتر ہے جو جہل سے ہو۔ فقط

(الغرض) یہ حضرات[1] نہایت متبع سنت اور پابند شریعت تھے اور کوئی بزرگ بھی ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے اتباع سنت نہ کیا ہو سوئے کہ اگر غلبۂ حال سے کبھی اتباع میں کچھ کمی بھی ہو گئی ہے تو اپنی ساری حالت کو ناقص سمجھا ہے اور کبھی اصرار نہیں کیا سب بزرگوں کا ایک ہی طریق رہا ہے اور وہ طریق شریعت حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں بر ہوا پری مگسے باشی، بر آب روی خسے باشی، دل بدست آر کہ کسے باشی اگر بزور کرامت ہوا پر بھی اڑوگے تو کیا ہے گویا مکھی ہو جاؤ گے کہ وہ بھی تو ہوا میں بلا تکلف اڑتی ہے۔ پانی پر چلو گے تو یوں سمجھو کہ ایک تنکا ہو گئے کیونکہ وہ بھی تو پانی کی سطح پہ بہتا ہوا جاتا ہے ہاں اپنے دل کو قابو میں کرو تب انسان ہو گے حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ ایک قوم ہے جو یہ کہتی ہے نحن وصلنا فلا حاجۃ لنا الی الصلوٰۃ والصیام۔ ہم واصل ہو گئے ہیں لہذا ہمیں نماز اور روزہ کی حاجت نہیں رہی حضرت جنیدؒ نے جواب میں فرمایا صدقوا فی الوصول ولکن الی سقر یہ تو وہ سچ کہتے ہیں کہ واصل ہو گئے ہیں لیکن واصل جہنم ہوئے ہیں نہ واصل خدا تعالیٰ

فوائد الفواد مجلس ۲۹ جمادی الآخر ۷۱۸ھ میں ہے)

آپ نے (حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ) نے فرمایا کہ ایک دفعہ انھوں نے (حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ) نے سبحانی ما اعظم شانی دیا کہا ہوں

---

[1] طریق القلندر ص۱۰ [2] السنۃ الجلیہ ص۹۹

میں، کس قدر بلند ہے میری شان، کہا تھا پھر آخر عمر میں آپ مستغفر ہوئے اور کہا میں نے یہ بات ٹھیک نہ کہی تھی میں اس وقت یہودی تھا اب زنار توڑتا ہوں اور از سر نو مسلمان ہوں اور کہتا ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ ف۔ شریعت اور ادب کو کیسا جمع فرمایا ہے اور نسبت کے اثبات و نفی میں کیسی احتیاط فرمائی ہے۔

اس باب میں ہزاروں ارشادات بزرگوں کے مذکور ہیں کہاں تک لکھا جاوے قشیریہ میں حضرت ذوالنون مصریؒ و سری سقطیؒ و ابو سلیمانؒ احمد بن ابی الحواریؒ و ابو حفص حدادؒ و ابو عثمان نوریؒ و ابو سعید خرازؒ سے اور دوسری کتابوں میں بھی مثل دلیل العارفین ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ و مکتوبات قدوسیہ حضرت قطب العالم عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اور قوت القلوب ابو طالب مکی وغیرہا میں یہ مضمون نہایت استحکام کے ساتھ مذکور و منقول ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر میں اول علم شریعت پھر عمل شریعت کی سخت ضرورت ہے اور بدون اس کے آگے راہ نہیں کھلتی اور کبھی کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اور طریق بدعت کو اختیار کر کے ولی نہیں ہو سکتا جب بدعت قاطع طریق ہے تو کفر و شرک کا تو کیا پوچھنا ہے آجکل لوگوں نے علم و عمل کے اڑانے کو دو لفظ یاد کیے ہیں علم کی نسبت حجاب اکبر اور عمل کی نسبت دعوائے آزادی صاحبو! حجاب اکبر کے اگر یہ معنی ہوں تو جتنے بزرگوں کے نام لکھو

ف۔ تعلیم الدین صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۹

گئے ہیں یہ جھوٹے بلکہ محجوب ٹھہرتے ہیں یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے حقائق
کے قاعدے سے اس کے بہت باریک معنی ہیں مگر موٹے معنی یہ سمجھو کہ حجاب اکبر اس پردے
کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے قریب پڑا رہتا ہے کہ وہاں پہنچ کر بادشاہ کا بہت
ہی قریب ہو جاتا ہے تو اس میں علم کی مدح ہے یعنی جب علم حاصل کر لیا تو
جتنے حجاب تھے سب اٹھ گئے یہاں تک کہ حجاب اکبر تک پہنچ گیا اب ایک
تجلی سے حیرت کا غلبہ ہو یہ حجاب کبھی اٹھ جاوے، واصل ہو جاوے
اور جس نے سرے ہی سے علم حاصل نہیں کیا خواہ تحصیل سے یا صحبت علماً
سے وہ تو ابھی بہت پردوں کے پیچھے ہے اور بہت دور رہا۔
دعوائے آزادی کے معنی باب اصطلاحات میں درج ہیں) کہ قید شہوت
و غفلت سے آزاد ہونا ہے نہ کہ احکام محبوب حقیقی سے ؎

گر تو خواہی حری و دل زندگی	بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود بہر بندگی ست	زندگی بے بندگی شرمندگی ست
جز خضوع و بندگی و اضطرار	اندریں حضرت ندارد اعتبار
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی	کفر باشد پیش او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر	مغز باید تا دہد دانہ شجر

(ترجمہ:۔ اگر تو آزادی اور زندہ دلی کا خواہاں ہے تو بندگی کر زندگی بندگی
کے لئے مقصود ہے زندگی بغیر بندگی کے شرمندگی ہے عجز و انکساری اور
غلامی و بندگی کے سوا اس بارگاہ میں کوئی چیز معتبر نہیں جو شخص عشق میں
زندگی پاتا ہے اس کے آگے بندگی کے سوا سب کفر ہے ذوق ہونا چاہیے

تاکہ عبادات مثمر ہوں مغز ہونا چاہیئے تاکہ دانہ سے درخت پیدا ہوں۔)

اور اگر یہ شبہ ہے کہ علم حقیقت اگر علم شریعت کے خلاف نہیں ہے تو بزرگوں نے اسرار کو کیوں پوشیدہ کیا ہے شریعت تو اظہار کے قابل ہے تو اسکا حال اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ علم شریعت ہی کو علم حقیقت کہتے ہیں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ علم حقیقت علم شریعت کیخلاف نہیں ہے یعنی یہ نہیں ہے کہ شریعت نے ایک چیز کو حرام یا کفر کہا ہو حقیقت میں وہ حلال اور ایمان ہو جاوے مثلاً دیوانی کا قانون اور ہے فوجداری کا اور مگر یہ نہیں کہ جو چیز قانون اول میں جائز ہو وہ قانون دوم میں ناجائز یا بالعکس ہاں البتہ ہر ایک کے مضامین جداگانہ ضرور ہیں سو یوں تو شریعت میں بھی مضامین مختلفہ ہیں اور خود حقیقت میں بھی مگر وہ مضامین شریعت کے مضامین کی نفی نہیں کرتے پوشیدہ کرنے سے جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ تو رفع ہو گیا اب یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ پوشیدہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ تو سمجھنا چاہیئے کہ قابل اخفاء کے تین امر ہوتے ہیں ایک اسرار سو امام غزالیؒ نے قواعد العقائد میں اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مضامین خلاف شرع تو نہیں ہوتے مگر دقیق زیادہ ہوتے ہیں جو عوام کے فہم میں نہیں آسکتے اور ان کو مضر ہوتے ہیں دوسرے تعلیم سلوک کے طریقے اس میں اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ اعلان میں اسکی بے قدری اور دوسرے طالب کی ہوسناکی کا احتمال ہے تیسرے ثمرات مجاہدہ و مکاشفات وغیرہ اس کا اخفا بوجہ احتمال ریاء و دعویٰ کے ہے غرض کسی امر کا اخفا اس وجہ سے نہیں ہے کہ

مخالف شرع ہے اور اگر فرضاً ایسا ہو تو وہ قابل رد اور انکار کے ہے خلاصہ کلام یہ کہ جسکو دولت وصول میسر ہوئی ہے علم شریعت اور اتباع سنت سے ہوئی ہے اور اگر کسی بزرگ کا کوئی قول و فعل خلاف سنت منقول ہو تو وہ یا تو سکر اور غلبۂ حال میں صادر ہوا یا وہ حکایت غلط منقول ہے یا ان سے کسی باریک مسئلے میں جہاں دلیل شرعی خفی و دقیق تھی خطائے اجتہادی ہو گئی جس میں شرعاً معذور ہیں اور خدا تعالیٰ سے ان کو بُعد نہیں ہوا یہاں تو کھلم کھلا مخالفت بلکہ اسکی نفی اور اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع کوئی کام کرنا درست نہیں مثل طواف قبر و سجدۂ مشائخ وغیرہ ان کا ذکر باب مشاغل میں آئیگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کی اطاعت بھی جبھی تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخلاف نہ کہے ورنہ اس شیخ ہی کو سلام رخصت کرنا چاہئے حضرت نوریؒ فرماتے ہیں۔

من رأیتہ یدعی مع اللہ تعالیٰ حالۃ تخرجہ عن حد العلم الشرعی فلا تقربن منہ ؛	جس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب میں ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہو کہ جو حد شرعی سے خارج ہے اس کے قریب مت پھٹکو۔

افسوس اس زمانے میں رسوم و بدعات کی بڑی کثرت ہے اور تصوف ان ہی رسوم کا نام رہ گیا ہے ؛

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
یوشک ان یاتی علی الناس ؛	عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ

زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ الحدیث رواہ البیہقی فی شعب الایمان ؛

نہ باقی رہے گا اسلام سے مگر نام ہی نام اور قرآن سے نہ باقی رہے گا مگر خطوط اور نقوش ؛

جو حقیقت تصوف کی تھی کہ فنار و بقار کی نسبت حاصل کریں اس کے معنی بھی نہیں جانتے ان رسوم کے مقید ہو گئے ابو العباس دینوری نے اپنے زمانے کا حال بیان فرمایا ہے تو ہمارے زمانے کا کیا ٹھکانا ہے ان کا ارشاد ہے :۔

نقضوا ارکان التصوف و ھدموا اسلھا و غیروا معانیھا باسامی احدثوھا سموا الطمع زیادۃ و سوء الادب اخلاصا و الخروج عن الحق شطحا و التلذذ بالمذموم طیبۃ و اتباع الھوی ابتلاء و الرجوع الی الدنیا وصلا و سوء الخلق صولۃ و البخل جلادۃ و السؤال عملا و بذاءۃ اللسان ملامۃ و ما کان ھذا طریق القوم

لوگوں نے ارکان تصوف کو توڑ دیا۔ اور اس کے طریقوں کو تباہ کر دیا۔ اور اس کے معنوں کو بدل دیا ایسے ناموں سے جو خود گھڑے ہے طمع کا نام زیادت رکھا اور بے ادبی کا اخلاص اور دین حق سے نکل جانے کا شطح اور بری چیزوں سے لذت لینے کا خوش طبعی اور خواہش کی پیروی کا امتحان اور دنیا کی طرف لوٹ آنے کا وصل۔ اور بد خلقی کا رعب اور بخل کا جوانمردی اور سوال کا عمل اور بد زبانی اور بیہودہ گوئی کا ملامت اور قوم کا یہ طریقہ نہیں تھا ؛

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان رسوم کی نسبت فرماتے ہیں

نسبت صوفیہ غنیمت ست کبریٰ — صوفیہ کی نسبت تو بڑی بھاری غنیمت ہے

رسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد — لیکن ان کی رسوم کچھ وزن نہیں رکھتیں۔

پانچویں فصل۔ مخالفت شیخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں فرمایا:۔

من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ — جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس

بالحرب۔ الحدیث — سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں

شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور ڈالنا، یا اس سے بڑھ کر یہ کہ شیخ کا آزردہ کرنا مخالفت شیخ ہے۔

(۱) حضرت ابن منصورؒ حضرت جنیدؒ سے بیعت تھے مگر حضرت جنیدؒ ان سے خوش نہ تھے بلکہ ناراض تھے کیونکہ ابن منصورؒ اسرار کو ظاہر کر دیتے تھے ضبط نہ کرتے تھے وہ اپنے کو ضبط سے عاجز سمجھتے تھے مگر حضرت جنیدؒ جانتے تھے کہ یہ ضبط سے عاجز نہیں اگر ہمت کریں تو ضبط کر سکتے ہیں اس میں بہت سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے بعض دفعہ وہ اپنے کو عاجز سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ فی نفسہ عاجز نہیں ہوتے اس کا فیصلہ خود نہیں کرنا چاہئے بلکہ شیخ سے رجوع کرنا چاہئے اس طریق میں اتباع شیخ کی سخت ضرورت ہے۔[۱]

---

[۱] تعلیم الدین ص۱۲۹ ج ۲ بزم جمشید ص۱ تا ۱۲ ملخصاً۔

اسی لئے وہ ان سے مکدر اور ناراض تھے اور شیخ کی ناراضی و تکدر سے گو آخرت میں مواخذہ نہ ہو کیونکہ وہ نبی نہیں ہے جس کی ناراضگی سے گناہ ہو مگر تجربہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو دنیا میں کبھی چین نصیب نہیں ہوتا چنانچہ ابن منصورؒ کو بھی کبھی چین نصیب نہیں ہوا عمر بھر پریشان ہی رہے یہاں تک کہ انا الحق کہنے پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ تو ابن منصورؒ پر حضرت جنیدؒ کے تکدر سے وبال آیا گو آخرت میں وہ معتوب نہ ہوں گے کیونکہ اپنے خیال میں وہ معذور تھے۔

(۲) ایک[۱] مانع شیخ کی تعلیم سے زائد ٹوٹ کر مجاہدہ کرنا۔ چند روز میں گھبرا کر وہ تھوڑا تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاوے چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا۔ (رواہ الشیخان)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال میں سے اتنا اختیار کرو کہ اکتاؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔

(۳) ایک[۲] مانع یہ ہے کہ غلطی سے کسی بے شرع پیر سے بیعت کر لی اب ساری عمر اسی کو نباہتا رہا جب وہ خود واصل نہیں تو اس کو کیسے واصل کریگا حضرت بنداد کا قول ہے۔

صحبة اهل البدعة تورث الاعراض عن الحق۔	بدعتیوں کی صحبت اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لینے کا باعث ہے۔

---

[۱] تعلیم الدین صفحہ ۱۲۵ [۲] تعلیم الدین صفحہ ۱۲۷

شیخ قوام الدین فرماتے ہیں:-

اے درویش محک و معیار ایں کار کتاب و سنت است و سیر سلف کہ اہل اقتدا بودند نہ اجازت مجرد و مقام متبرک کہ فلاں فرزند درویش است در جائے آباؤ اجداد خود نشستہ و چیزیکہ از ستان شیخی محک معیار است آں فاسد و باطل یعنی اگر قول و فعل شیخ مخالف کتاب و سنت و اجماع بود ہیچ نہ باشد آں شیخ لائق شیخی و مقتدائے نبود ہر کہ بدو اقتدا کند بمقصود نہ رسد۔

اے درویش! اس کام کی اصل کسوٹی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر سلف ہیں جو پیشوائے دین ہیں نہ کہ محض اجازت اور متبرک مقام کہ فلاں درویش کا صاحبزادہ ہے اپنے آباؤ اجداد کی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور جو چیز شیخ سے معیار کے مخالف ہو وہ فاسد ہے یعنی اگر شیخ کا کوئی قول و فعل کتاب و سنت اور اجماع کیخلاف ہو تو وہ قول و فعل مردود اور وہ شیخ و مقتدا ہونے کے لائق نہیں جو شخص اس کی اقتدا کرے گا مقصود حاصل نہ کر سکے گا۔

بلکہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کامل سے بیعت کرے شیخ سعد الدین فرماتے ہیں:-

اگر از نادانی خود بجاہل یا باہل بدعت ارادت آورد تجدید ارادت کند و از دست او خرقہ پوشد تا گمراہ نشود۔

اگر بیوقوفی سے کسی جاہل یا مبتدع سے مرید ہو جائے تو تجدید بیعت کرے اور اس سے الگ ہو جائے تاکہ گمراہ نہ ہو جائے۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ "شیخ من جن است، اعتقاد من بس است" سو اول تو ایسے جاہل فاسق آدمی سے اعتقاد باقی رہنا مشکل ہے دوسرے یہ قاعدہ کلیہ نہیں شاذ و نادر ایسا بھی ہوگیا ہے جو شخص اس فن سے ذرا بھی واقف ہے جانتا ہے کہ وصول مطلب کا طریقہ شیخ کامل کی صحبت و تعلیم ہے درویش اور شیخ کامل وہی ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا تیسرے یہ کہ اس سے بے شرع پیر مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر بہت بڑے درجے کا کامل نہ ہو اور شرع کیخلاف بھی نہ ہو تو یوں سمجھے کہ اگرچہ اور ان سے بڑھ کر اور کامل ہوں۔ مگر میرے لئے یہی کافی ہیں اور میرا اعتقاد مجھے مقصود تک پہنچا دے گا۔[1]

۱۰۔ علوم ومسائل

ضرورت علم اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ	اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے ان لوگوں کے رتبے، جو تم میں سے ایمان لائے اور انکے جو علم دیئے گئے ہیں درجات پر جو ایمان لائے۔ اور عالم نہیں ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ	اے رسول صلے اللہ علیہ وسلم، آپ فرمادیجئے

[1] بہشتی جوہر ص۲۳،۲۴ ج۱

يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا — کیا برابر ہیں جو علم نہیں رکھتے اور
يَعْلَمُوْنَ. — وہ جو علم رکھتے ہیں۔

(ان ہر دو آیات کا مطلب یہ ہے کہ، اہل علم کا رتبہ غیر اہل علم سے بڑا ہے اور صحیح حدیث میں ہے جس کو جامع صغیر نے روایت کیا ہے

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى — علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر
كُلِّ مُسْلِمٍ. — (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)

جاننا چاہئے کہ فرض کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے اور جس کام کا کرنا بندہ پر فرض ہے اس کام کے کرنے کا طریقہ سیکھنا بھی اس کے ذمہ فرض ہے اور جس کام کا کرنا مستحب ہے اس کا طریقہ سیکھنا بھی مستحب ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جس کسی کا بھلائی چاہتا ہے اس کو دین سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں (علم کا) بانٹنے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے (بخاری ومسلم) نیز سخاوی شریف کی حدیث میں ہے

اِنْ لَّمْ يَكُنِ الْفُقَهَاءُ اَوْلِيَاءَ اللهِ — اگر فقہاء (علماء دین) اولیاء اللہ نہیں ہیں دنیا و آخرت
فِى الْاٰخِرَةِ فَمَا لِلّٰهِ وَلِيٌّ (سخاوی) — میں تو کوئی خدا تعالیٰ کا ولی نہیں یعنی علم بجو شرط ولایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ — عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ
كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ — میری فضیلت تمہارے میں سے ادنیٰ آدمی پر

حقیقت علم | (مندرجہ بالا آیات اور احادیث سے علم کی فضیلت اور اس کا ضروری ہونا ثابت ہوا۔ لیکن فضیلت علم کا منشا یہ

لہ انفاس عیسیٰ ص۲۷

ہے کہ وہ شرط عمل ہے کیونکہ عبادت بدوں علم کے نہیں ہو سکتی اور جو ہوتی ہے وہ عبادت کی محض صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی علم سے مراد یہ نہیں کہ محض الفاظ کی صحت کر لی ہو اور ان کا ترجمہ جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الآیہ) — اور ہم نے کر دیا اس کے لئے ایک نور جسکو وہ لوگوں کے درمیان لئے لئے پھرتا ہے

(سورہ نور یعنی) حقیقی علم وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ بدوں عمل کے حاصل نہیں ہو سکتی پس علم بدوں عمل کے جہالت ہے

علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت ست

(یعنی جو علم خدا تعالیٰ کا راستہ نہ دکھائے وہ جہالت ہے)

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت — زنگ گمراہی ز دل بزدایدت
ایں ہوسہا از سرت بیروں کند — خوف و خشیت در دلت افزوں کند
علم نبود غیر علم عاشقی — ما بقی تلبیس ابلیس شقی
علم چوں بر دل زنی یارے بود — علم چوں بر تن زنی مارے بود

(یعنی علم وہ ہے جو تیری رہنمائی کر سکے اور دل سے گمراہی کا زنگ دور کر سکے خواہشات نفسانی دماغ سے نکال باہر کرے دل میں خوف و خشیت کا اضافہ کرے علم فی الحقیقت علم عشق ہے اور اس کے ماسوا بدبخت شیطان کے مکر و فریب ہیں علم جب دل میں پیوست ہو گا دوست ہو گا اور مفید

لہ نفس ہو کو بھولنا صحیح لکہ انفاس عیسیٰ ص ۳۷۳

ہوگا۔ اور جب صرف بدن اور ظاہری جوارح و اعضا تک محدود رہیگا تو وہ مانند سانپ کے ہوگا یعنی سراسر مضر اور نقصان دہ ہوگا۔)

(جاننا چاہیے کہ) علوم (کی دو قسمیں ہیں) عقلیہ و وہبیہ (عقلیہ وہ ہیں جو عقل سلیم سے سمجھ میں آئیں اور وہبیہ وہ ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہوں)، جو علم یقیناً کسی قاعدۂ شرعیہ کے مخالف ہو وہ تو یقیناً باطل ہے اور جو علوم حقہ ہیں ان میں دونوں قسموں میں دو دو قسمیں ہیں علم عقلی کی دو قسمیں ہیں قطعی و ظنی اور علم وہبی کی بھی دو قسمیں ہیں قطعی یعنی وحی اور ظنی یعنی الہام پس وہبی قطعی (یعنی وحی) عقلی قطعی سے افضل ہے اور وہبی ظنی عقلی ظنی سے افضل ہے خود صاحب علم کے لئے بھی اور اس کے متبعین کے لئے بھی پس علوم منقولہ شرعیہ دیگر علوم سے افضل ٹھہرے اور عقلی قطعی وہبی ظنی سے افضل ہے کیونکہ عقلی قطعی جسقدر اثبات حق میں قوی ہے وہبی ظنی نہیں ہے۔

ہر علم و عمل جبکہ اس کو شریعت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تین قسم سے خالی نہیں ایک قسم یہ کہ شریعت اس کا اثبات کرے دوسری قسم یہ کہ شریعت اس کی نفی کرے۔ تیسرے یہ کہ شریعت اس کے اثبات و نفی سے ساکت ہو اول کو مدلول شرعی کہیں گے دوسرے کو مردود شرعی تیسرے کو نہ مدلول شرعی نہ مردود شرعی بلکہ نظر بقاعدۂ کلیہ حدیث عن ابن عباس قال: الحلال ما احل اللہ فی کتابہ (ای شرعہ) والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو عفو۔ رواہ ابن ماجہ والترمذی (یعنی جس کو

لہ التکشف ص ۶۷-۹۳

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (یعنی اپنی شریعت) میں حلال کیا وہ حلال اور جس کو حرام کیا وہ حرام اور جس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا وہ معاف ہے ایسے علوم کو (ماخذ ان شرعی کہیں گے صوفیہ کے علوم و اعمال بھی انہی اقسام پر منقسم ہیں اور چونکہ قسم ثالث استدلال جزئی کا نہ محل ہے نہ محتاج اسلئے قواعد شرعیہ کلیہ اس کی اباحت پر دال ہیں دلائل جزئیہ کا اسیر دال نہ ہونا کچھ مضر نہیں مثلاً لطائف جو عالم امر سے ہیں ان کا تعلق جسد کے خاص خاص مقامات سے بتلایا جاتا ہے اور مثلاً ایک شغل میں نظر (یعنی ناک کے سرے) پر جمائی جاتی ہے سو اس علم کے لئے کشف اور اس عمل کیلئے تجربہ کافی ہے کیونکہ یہ کشف و تجربہ بوجہ مصادم دلیل شرعی نہ ہونے کے ایسا ہے جیسے زید کے آنے کا علم اور حدث[ع] ایارج کا استعمال جس کے لئے نص شرعی کی حاجت نہیں بلکہ ایسے امور تو اگر کسی مصلحت و ضرورت معتد بہا کی بناء پر دوسری قوموں سے بھی ماخوذ ہوں بشرطیکہ انکا شعار نہ ہوں تب بھی مضائقہ نہیں (جیسا کہ جنگ احزاب میں خندق کا کھودنا وغیرہ) لیکن اگر ایسے امور کو کسی نص کے مدلول سے کسی درجہ میں گو وہ بعید ہی ہو اتفاقی توافق ہو جائے ایک گونہ تائید سے خالی نہیں گو اس توافق کو استدلال نہ کہیں گے جس طرح قسمین اولین کو کہا جاتا ہے مگر استیناس کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اور اہل ظاہر میں بھی یہ طرز بلا نکیر جاری رہا ہے ؛

ع ایک دوائی کا نام ع الثنیت و تعلق ؛

باب اول۔ مسائل جزئیہ

(۱) شرع کی جو میزان دنیا میں موجود ہے وہ وہی ہے جو علماء کے ہاتھ میں ہے پس جب کوئی ولی عقلی تکلیف کے ہوتے اس میزان سے خارج ہوگا اس پر اعتراض واجب ہوگا البتہ اگر کوئی حال غالب ہوگا تو اسکے لئے اس حال کو مسلم رکھیں اور اعتراض نہ کریں گے کیونکہ کوئی عقلمند آدمی ایسے شخص کا اتباع نہ کریگا لیکن اگر اس سے کوئی ایسا امر ظاہر ہو جو ظاہر شریعت کی رو سے موجب حد ہو اور وہ امر حاکم کے نزدیک بھی ثابت ہو جائے تو اس پر حد کی جائے گی۔

(۲) آدمی خدا تعالیٰ کا کیسا ہی پیارا ہو جائے مگر جب تک ہوش و حواس درست ہیں شرع کا پابند رہنا فرض ہے نماز روزہ اور کوئی عبادت معاف نہیں ہوتی اور جو گناہ کی باتیں ہیں وہ اسکے لئے درست نہیں ہو جاتیں

(۳) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی سب باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو بتلا دیں اب کوئی نئی بات نکالنا دین میں درست نہیں ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں بدعت بہت بڑا گناہ ہے البتہ بعض باریک باتیں دین کی جو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں اگلے عالموں نے اپنے علم کے زور سے قرآن و حدیث سے سمجھ کر دوسروں کو بھی بتلا دیں ایسے لوگ مجتہد کہلاتے ہیں مجتہد تو بہت ہوئے مگر چار انمیں بہت مشہور ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ

لہ تجدید تصوف و سلوک صفحہ ۲۱۲ سے تعلیم الدین صفحہ ۱۰۰

امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ جسکو جس مجتہد سے زیادہ اعتقاد ہوا۔ اس کی پیروی اختیار کرلی ہندوستان (و پاکستان) میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنے والے زیادہ ہیں وہ حنفی کہلاتے ہیں اسی طرح نفس کے سنوارنے کے طریقے قرآن و حدیث کے موافق وہی لوگوں نے اپنے دل کی روشنی سے سمجھکر بتلائے ایسے لوگ شیخ کہلاتے ہیں شیخ بہت ہوئے مگر ان میں چار زیادہ مشہور ہیں خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ۔ جس مجتہد اور شیخ سے اعتقاد ہو اس کی پیروی کرے دوسروں کو برا سمجھنا درست نہیں اور مجتہد اور شیخ کی پیروی اسی وقت تک ہے جب تک ان کی بات خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو

(۴) مقصود سلوک، رضائے حق ہے اور اس کے بعد دو چیزیں ہیں طریق کا علم اور اس پر عمل سو طریق صرف ایک ہی ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جس پر دوام ہو سکے دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لئے فراغت نہ ہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اس کا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں معاصی اور فضول میں مشغولی اور ایک امران سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام اب اس کے بعد اپنی استعداد ہے حسب اختلاف استعداد مقصود

لہ کمالات اشرفیہ ص ۱۷۶،۱۷۵

میں دیر سویر ہوتی ہے یہ ہمارے طریق کا خلاصہ ہے۔

(۵) حق تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں حمیدہ پیدا ہو جائیں معاصی چھوٹ جائیں طاعت کی توفیق ہو جائے غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔

(۶) جن مسائل کا تعلق اصلاحِ نفس سے ہے کسی تصوف کی کتاب میں دیکھ کر اس پر عمل کرنا اس شرط سے درست ہے کہ فہم میں یا حدود شرعیہ میں غلطی نہ ہو لیکن ان غلطیوں کا احتمال عادۃً غالب ہے اس لئے بدون کسی شیخ مبصر کے مشورہ کے خود عمل مناسب نہیں۔

(۷) عبادت میں تو بجز رضائے خدائے تعالیٰ کے اور ثمرات کا طلب کرنا اخلاص کے بالکل خلاف ہے۔

(۸) محققین نے تصریح کی ہے کہ اخلاص سب اخلاقِ حمیدہ کے بعد میسر ہوتا ہے اور ریاء سب اخلاقِ ذمیمہ کے بعد جاتا ہے۔

ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہا کرتا کیونکہ ریاء کرتے کرتے پھر اس کام کی عادت پڑ جاتی ہے اور جس کی عادت ہو جاتی ہے اس میں پھر کوئی خیال نہیں آیا کرتا پھر وہ اخلاص سے قریب ہو جاتا ہے۔

بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ مخلی بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہراً اس میں ریاء کا شبہ معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ تطییب قلب اہل اللہ کا مطلق مسلم خود عبادت ہے

ـــــــــــــــــــ

لے کمالات اشرفیہ ص۲۱-۲۵ دعوات عبدیت ص۷ ج۱۲ سے اشرف المسائل ص۱۰۰ ۱۹ ہے کمالات التکشف ص۲

تو اسکی حقیقت یہ ہوئی کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کیواسطے اچھی طرح کرتا ہے اس لئے ہرگز یہ ریاء نہیں ہے حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے (جیساکہ) برقانی کی روایت میں مسلم سے ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب ہی بنا سنوارتا (یعنی خوب اچھی طرح سے پڑھتا)۔

(۹) کسی پر تشدد یا قطع تعلق کرنے میں مفسدہ کا اندیشہ ہو اور اسکی طرف سے اضرار کا خوف ہو اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو تو اس کو امر بالمعروف سے سکوت کی اجازت ہے باقی جس کو ہمت ہو اسکو سکوت کی اجازت نہیں (۱۰) حمایت الٰہی اسوقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہو

(۱۱) امید و رجا وہی ہے جو عمل کے ساتھ ہو ورنہ غرور ہے۔

(۱۲) عقائد فی نفسہ بھی مقصود ہیں اور عمل کیواسطے بھی مقصود ہیں مثلاً مسئلہ تقدیر کی تعلیم سے صرف اعتقاد کر لینا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ عمل بھی مقصود ہے کہ مصائب میں مستقل رہے اور ہر مصیبت کو مقدر سمجھ کر پریشان نہ ہو اسی طرح نعمتوں پر بطر و تکبر نہ ہو ان کو اپنا کمال نہ سمجھے مثلاً توحید کے عقیدہ سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کا خوف دل میں جمع نہ رہے

(۱۳) مشہور ہے کہ بزرگوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور رہتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا اجر بڑھانا ہوتا ہے اگر بلا نہ ہو تو وہ اعمال کا اجر تو حاصل کر سکتے ہیں مگر بلا و مصیبت پر جو اجر ملتا ہے اسکو کیسے حاصل

کمالات اشرفیہ ص ۱۳، ۲۳، ۱۸، ۹۹، ۱۰۷، ۲۸

کر سکتے اور بلا سے مراد اگر بلائے ظاہری ہو جیسا کہ متبادر یہی ہے تب تو یہ اکثری ہے کلی نہیں کیونکہ جن بزرگوں میں ضعف طبیعت کے سبب جو کہ فطری ہے تحمل نہیں ہوتا لہذا بلا ان کے لئے مضر ہوتی ہے اللہ تعالے انکو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر بلا سے مراد عام بلا مراد ہو کہ بلائے باطنی کو بھی شامل ہو تو یہ حکم کلی ہے باطنی احوال سب اہل طریق کو ایسے پیش آتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کا تحمل نہیں کر سکتا جیسے خشیت، فکر آخرت اللہ تعالیٰ کی عظمت

(۴) اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو پس جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے اور اگر دل پریشان نہیں ہوتا بلکہ صابر و شاکر ہے تو یہ ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجب رفع درجات ہے۔

(۵) غم سے نفس کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن روح میں نور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ مجاہدہ ہے گو اضطراری ہی اور مجاہدۂ اضطراری بھی موجب اجر ہے اس بارے میں حدیثیں صریح طور پر موجود ہیں چنانچہ مرض فکر اور بلا پر بشارتیں وارد ہیں۔ اور اس کے ... ساتھ ہی اس کے لئے دعا و تدبیر کا بھی امر ہے پس دعا و تدبیر بھی کرنی چاہئے اور غم کے فضائل پر نظر کر کے صبر و رضا بھی اختیار کرنا چاہئے

(۶) مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دی جاتی ہے مصیبت حالانکہ تو

لہ انفاس عیسیٰ ص ۱۱۲

مصیبت ہے مگر مآلاً نعمت ہے کیونکہ اس سے منافع و مصالح دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے خاص کر ایمان کی پختگی ہوتی ہے جو امور باطنہ میں سب سے افضل ہے۔

(۱۷) گناہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی نافرمانی ہے اور ظاہر ہے کہ نافرمانی گو کسی قسم کی ہو زیادہ ہی بڑی ہے اور گناہوں کو درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امر اضافی ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اور دوسرا اس سے چھوٹا ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے گناہ کو ہلکا سمجھنا ضعف ایمان کی علامت ہے۔

گناہ میں جو لذت ہے اسکی مثال کھجلی جیسی ہے کہ خود اس میں لذت نہیں محض کیو جہ سے لذت معلوم ہوتی ہے پھر فوراً ہی سوزش پیدا ہوتی ہے سو یہ دراصل مرض ہے جیسا سانپ کے کاٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے۔

(۱۸) بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اسقدر ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ گو یہ صورۃ شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا کچھ نقصان کر دیا ہے کہ اب اسکو وہ معاف نہیں کر سکتے

(۱۹) ظاہری اعمال پر بزرگوں کی زیادہ نظر نہیں ہوتی کیونکہ ان کی

لہ دعوات عبدیت ص۵۶ لہ کمالات اشرفیہ ص۳۳۲ و ۴۷۵

اصلاح تو ایک منٹ میں ہو سکتی ہے یہ تو محض ارادہ کا بدلنا ہے بے نمازی
ایک منٹ میں نمازی ہو سکتا ہے فاسق فاجر ایک منٹ میں متقی بن سکتا
ہے لیکن بڑی چیز جن پر بزرگوں کی نظر ہوتی ہے اخلاق باطنہ ہیں مثلاً تکبر
وغیرہ ان کی اصلاح نہایت دشوار ہوتی ہے

(۲۰) تجربہ[1] ہے کہ چند روز میں رذائل کے خلاف کرنے سے اس عمل کی
عادت اور مشق ہو جاتی ہے پھر رذیلہ کے خلاف کرنے میں کچھ دشواری
نہیں ہوتی بلکہ رذیلہ کمزور ہو جاتا ہے۔

(۲۱) گناہوں کی وجہ سے بعض دفعہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے

(۲۲) حسد[2] وہ ہے جس میں محسود سے زوال نعمت کی تمنا ہو۔ اور غبطہ
رشک وہ ہے کہ اس کے پاس رہتے ہوئے اپنے لئے حصول کی تمنا ہو
(اول حرام اور ثانی جائز ہے)

(۲۳) حدیث[3] میں ہے اکثر من الاکلۃ کل یوم سرف یعنی ایک دن
میں ایک بار سے زیادہ کھانا اسراف ہے چونکہ اسراف حاجت اور اباحت
کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اس لئے حدیث اس صورت پر محمول ہوگی کہ بے
دوسری بار بدون بھوک کے کھائے جیسے اہل تنعم خاندان شکم کی عادت
ہے کہ محض ادائے حق وقت کے لئے کھاتے ہیں۔

(۲۴) مبہم بات (جس سے مقصود سمجھ میں نہ آئے) سنت کے خلاف ہے
صاف کلام کرنا سنت ہے ایسا کلام کہ مقصود پر دلالت مطابقی رکھتا ہو

---

[1] انفاس عیسیٰ ص [illegible] [2] انفاس عیسیٰ ص ۲۰۸ [3] کمالات اشرفیہ ص [illegible]

رحق تعالیٰ کا قرب و معیت اصل میں بے کیف ہے نہ اس کو قرب ذاتی کہہ سکتے ہیں نہ قرب مکانی بعض متکلمین اس کو قرب صفاتی کہتے ہیں یعنی قرب علمی لیکن سلف کا مسلک یہی ہے کہ صفات الٰہیہ میں تعیین نہیں کرتے بلکہ ابہمو اما ابہمہ اللہ تعالیٰ (جس کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اسے مبہم رکھو) پر عمل کرتے ہیں اور بعضے اکابر کے کلام میں جو اس قرب کی تعبیر بعنوان موہمہ للتقیید آئی ہے مقصود تقیید نہیں بلکہ مقصود تشبیہ بغرض تفہیم ہے۔

(۲۶) کیفیات کا مدار یکسوئی پر ہے اور یکسوئی کم عقلوں کو زیادہ ہو جاتی ہے عاقلوں کو خاص کر صاحب ذکاوت مفرطہ کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا دماغ ہر وقت حرکت فکریہ میں رہتا ہے

(۲۷) اہل حق کے تصرفات اتنے قوی نہیں ہوتے جتنے اہل باطل کے تصرفات قوی ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تصرفات کے اثر کی قوت کا دار و مدار قوت خیالیہ پر ہے اور خیال میں قوت یکسوئی سے ہوتی ہے اور اہل حق کو اس خیال میں جو غیر ذات حق کے متعلق ہو زیادہ یکسوئی نہیں ہوتی

(۲۸) دل کی بات بتا دینا یہ علم غیب نہیں بلکہ کشف ہے علم غیب اس علم کو کہتے ہیں جو بلا وسائط ہو اور یہ خاصہ خداوندی ہے اور جو علم بذریعہ کشف ہو اس میں کشف واسطہ ہے اسلئے وہ علم غیب نہیں۔

(۲۹) فتوحات مکیہ میں ہے کہ ابو یزید بسطامی کے طی ارض کی بابت

لہ التکشف ص۱۶ ؎ اشرف المسائل ص۲ ؎ القول الجلیل ص۳ ؎ التکشف ص۴

میں پوچھا گیا فرمایا کہ یہ کچھ نہیں ہے یعنی قبولیت کی دلیل نہیں کیونکہ ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک دم میں قطع کرجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا کچھ مرتبہ نہیں اور ہوا پر اڑنے کو پوچھا گیا تو فرمایا کہ چڑیاں ہوا پر اڑا کرتی ہیں اور مومن ان سے افضل ہے تو ایسی چیز کرامت کیسے شمار کی جا سکتی ہے جس میں چڑیاں شریک ہوں اور فرمایا کہ اگر تم ایسا آدمی دیکھو کہ بہت کرامتیں دیا گیا ہو یہاں تک کہ ہوا پر اڑتا ہے تو تم دھوکے میں نہ آجاؤ اس کے معتقد نہ ہو جب تک اس کو نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے۔

(۳۰) سکر اور غلبے میں صوفی کے منہ سے کچھ نکل جائے تو اس پر اعتراض نہ کرو اور نہ ہی اس کی تقلید کرو طریق اسلم سکوت ہے، باقی وہ بات ضرور قابل اعتراض ہے۔ خصوصاً جبکہ عوام کو مضر ہو۔ اس وقت اسکی غلطی ظاہر کر دینا واجب ہے (تعلیم ۱۱۴)

(۳۱) الاستقامة فوق الکرامة (استقامت یعنی اعمال شرعیہ کی پابندی کرامت سے بڑھ کر ہے۔)

لہ تعلیم الدین ص۹۴ بحاشیہ وص۱۴۰ ۲ہ طریق القلندر ص۸۸

باب دوم اصلاحات

۱۔ اس زمانے میں نماز و قرآن کی حد سے زیادہ بے قدری ہو رہی ہے عوام کیا خواص بھی بہت ہی کم ہیں جو ٹھیک طور پر نماز کی خصوصاً جماعت کے پابند ہوں بلکہ بہت سے فقیروں کا تو یہ گمان ہے کہ باطنی نماز کافی ہے ظاہری نماز کی کیا ضرورت ہے تو یہ صاف فرضیت نماز کا انکار کرنا ہے جس سے یقیناً ایمان سلب ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہ پھر جو ان میں پڑھے ہوئے ہیں وہ قرآن مجید کی آیتوں کی تحریف کرتے ہیں کہیں اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ (وہ لوگ کہ اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں) سے استدلال ہے کہ دیکھئے صاحب صلوٰۃ ظاہری تو دائم ہو نہیں سکتی پس صلوٰۃ باطنی مراد ہے کہیں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ سے تمسک ہے کہ گو نماز بھی اچھی چیز ہے مگر ذکر اللہ اس سے بھی اکبر ہے سو اکبر کے ہوتے ہوئے اصغر کی کیا حاجت ہے صاحبو! یہ صریح الحاد ہے ایک موٹی بات تو یہی ہے کہ تمہارے پیروں نے اور سب پیروں کے پیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں نہیں سمجھا کیوں نہیں کیا تمام عمر ایسے فضول کے پابند رہے دوسرے تمام قرآن و حدیث عموم فرضیت سے بھرا پڑا ہے اس میں نہ کسی آدمی کی تخصیص ہے نہ کسی حالت کا استثناء بجز ان لوگوں کے جو قاعدۂ شرعی سے مرفوع القلم ہیں رہا استدلال آیات مذکورہ سے وہ محض لچر ہے اول تو یہ کہنا کہ صلوٰۃ ظاہری دائم نہیں

لہ تعلیم الدین صـ ۱۲۴۷۸۱ ۱۲

ہو سکتی غیر مسلم ہے ہر چیز کا دوام اس کے مناسب ہوتا ہے مثلاً اگر کہا جاوے
کہ فلاں شخص ہمارے پاس ہمیشہ آتا ہے تو کیا ضرور ہے کہ وہ ہر وقت آنے ہی
میں مشغول رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو وقت اس کے آنے کا متعین ہے اس میں
بلا ناغہ آتا ہے اسی طرح نماز ظاہری کا دوام سمجھ لو کہ اپنے معین اوقات میں
ناغہ نہ ہونا یہی دوام ہے دوسرے اگر تسلیم کیا جائے کہ نماز باطنی ہی مراد
ہے تو چلو یہ بھی فرض ہی سہی مگر اس سے نماز ظاہری کا فضول ہونا کس طرح معلوم
ہوا۔ نماز باطنی اس آیت سے فرض نماز ظاہری دوسری آیت سے فرض دونوں
ادا کیا کرو اور یہ کہنا کہ ذکر اللہ نماز سے بھی بڑھ کر ہے تو اکبر کے سامنے
اصغر کی کیا حاجت یہ بھی محض مہمل تقریر ہے اول تو وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کی یہ
تفسیر متعین نہیں بلکہ ممکن ہے کہ نماز کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہو کہ نماز
میں فلاں فلاں برکت اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے
اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی بڑی چیز ہے اس لئے نماز میں یہ برکت ہوئی سو اس
تقریر پر تو اس میں نماز کی ترغیب ہے نہ کہ تنقیص اور اگر وہی تفسیر مان لیجئے
تو یہ کیا ضروری ہے کہ اکبر کے ہوتے ہوئے اصغر کی حاجت نہ ہو بھلا اگر دونوں
فرض ہیں تو کیوں نہیں حاجت ہو گی مثلاً ایک شخص کے دو بیٹے ہوں ایک بڑا
ایک چھوٹا تو بس اسی قاعدے سے کہ اکبر کے ہوتے اصغر کی کیا حاجت ہے
چھوٹے بیٹے کا گلا گھونٹ کر کام تمام کر ڈالنا چاہیئے اللہ فہم سلیم عطا فرمائیو۔

قرآن و حدیث کے ظاہری معنی کا انکار کرنا کفر ہے البتہ ظاہر کو تسلیم

لہ تعلیم الدین صہ ۱۱۴۔ ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۲

کرنا اور اس کے باطن کی طرف غور کرنا محققین کا مسلک ہے مثلاً حدیث میں
آیا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے اہل ظاہر نے تو کتا پالنے
کو برا سمجھا مگر دل میں صفات کلبیہ کو ہمیشہ جمع رکھا ان میں تو یہ کسر ہی
مگر ایمان موجود ہے جس سے مرنے کے بعد جنت تو مل جائے گی منکرین ظاہر نے
کتا پالنے کی اجازت دیدی اور کہا کہ مولوی لوگ حدیث کا مطلب نہیں
سمجھے بیت (گھر) سے مراد قلب ہے اور ملائکہ سے مراد انوار غیبیہ اور
کلب سے مراد صفات سبعیہ وغیرہ۔ یہ لوگ شرع کا انکار کر کے کافر اور مستحق
جہنم ہوئے محققین نے کہا کہ مطلب تو حدیث کا وہی ہے جو اہل ظاہر سمجھے
مگر اس میں غور کرنا چاہیئے کہ ملائکہ کو کتے سے نفرت کیوں ہے؟ صرف
اس کے صفات ذمیمہ سبعیہ و نجاست و حرص و غضب وغیرہ کی وجہ سے تو معلوم
ہوا کہ یہ صفات مذموم ہیں پھر جب ظاہری گھر میں کتا رکھنا جائز نہیں تو
باطنی گھر میں ان صفات کا رکھنا کیسے جائز ہوگا ان محققین نے ظاہراً کتا
پالنے کو بھی حرام کہا کیونکہ وہ مدلول مطابقی ہے اور باطناً ان صفات
مذمومہ کیساتھ متصف ہونیکو بھی حرام کہا کیونکہ وہ مدلول التزامی ہے
(۲) احادیث کے بیان کرنے میں نہایت بے احتیاطی ہوتی ہے حدیث
کی تحقیق علمائے حدیث سے کرنی چاہیئے یہ کسی طرح درست نہیں کہ کسی
اردو فارسی کی کتاب یا کسی عربی کی غیر معتبر کتاب میں حدیث کا نام دیکھ لیا اور
اس سے استدلال شروع کردیا بہت سی عجیب و غریب حدیثیں جن کا
کہیں پتہ نہیں مشہور ہیں جیسے انا عرب بلا عین اور مثل اس کے جن

کے نہ الفاظ کا پتہ نہ معانی کا نشان حدیث شریف میں اس بارے میں سخت وعید آئی ہے۔

مَن کذب علیّ متعمداً فلیتبوّأ مقعدہ من النار ۔ جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

اسی قبیل سے یہ دعویٰ کرنا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کئی ہزار کلمات تصوف کے جو شب معراج میں پائے لائے تھے سب علیحدہ تلقین فرمائے اور کوئی اس قابل نہ تھا اس دعوے میں کتنے جھوٹ جمع ہوئے ہیں اول یہ کہ کئی ہزار کلمات تصوف کے معراج میں عطا ہوئے مدعی کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی وہاں تو اس قدر ابہام ہے کہ فرشتے تک کو اطلاع نہیں ہوتی یہ کہاں کھڑے سنتے تھے بھلا ایسے مقام کا راز کسکو معلوم ہو سکتا ہے۔ بیت

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں   بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

۲- دوسرا جھوٹ یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ نے تلقین خفیہ فرمائی خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپکو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاص باتیں بتلائی ہیں؟ آپنے نہایت اہتمام سے اس کا انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے پاس کوئی خاص چیز نہیں مگر قرآن مجید کا سمجھنا جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے عنایت ہوتا ہے سو یہی فہم تفرد تھا اسی نور نسبت کا جو بدولت صحبت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم آپکے سینے میں پہنچی تھی اور وہی ابتک سینہ بسینہ منتقل ہوتی آئی

یہی معنی ہیں اس قول کے کہ تصوف سینہ بسینہ آتا ہے یہ ہیں کہ حضرت
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوشیدہ باتیں کانا پھوسی کے ذریعہ سے
اب تک آ رہی ہیں اگر ایسے بے اصل دعوے کا اعتبار کیا جائے تو تمام کارخانہ
ہی درہم برہم ہو جاتا ہے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میاں کتابوں میں گو لکھا
ہے کہ حاتم بڑا سخی تھا مگر یہ علم سفینہ ہے اور مجھ کو ایک بزرگ نے سینہ بسینہ
راز پہنچایا ہے کہ وہ بڑا کنجوس تھا مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں ورنہ خشک ملا تم
کو جھٹلانے لگے اسی طرح جس چیز کو چاہو سینہ بسینہ کی آڑ سمجھو پھر کس چیز کا اعتبار رہیگا
۴. تیسرا جھوٹ یہ کہ سب صحابہ کو نعوذ باللہ نا قابل ٹھہرایا اور قرآن
و حدیث سے صحابہ کے خصوصاً خلیفہ اول کے فضائل دیکھو تو سب اشتباہ
جاتا رہے سیر الاولیاء میں ہے کہ فاضل ترین ہمہ است حضرت امیر المومنین
ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسید اہل تجرید و بادشاہ اہل تفرید
مشائخ ایشاں را مقدم ارباب مشاہدہ می دارند (جواہر غیبی)
۵. ایک غلطی یہ کہ جس طرح حق تعالیٰ کا دیدار جنت میں ہوگا اسی طرح
دنیا میں دیدار کے قائل ہیں جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ
السلام کا قصہ مذکور ہے کہ دنیا میں دیدار کی تمنا کی اور لن ترانی
جواب ملا حدیث شریف میں موجود ہے انکم لن ترون ربکم حتی تموتوا
یعنی موت سے پہلے کبھی خدا تعالیٰ کو نہ دیکھو گے دوسری حدیث میں ہے۔

حجابہ النور لو کشفہ لاحترقت سبحات وجہہ ما انتہی الیہ

اس کا حجاب نور ہے اگر اسے اٹھا دے تو اس کے انوار ذاتیہ حد نظر تک خلقت کو جلا دیں یعنی

لیصر من خلقه دواه مسلم — کل خلقت کو۔

اب قرآن و حدیث کے بعد اور کونسی چیز ہے جس پر یقین آئے۔

قال اللہ تعالیٰ فبای حدیث بعدہ یؤمنون — اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اب اس کے بعد کس بات پر ایمان لاویں گے۔

۶۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں کوئی ایسا درجہ ہے کہ وہاں پہنچکر احکام شرعی ساقط اور معاف ہوجاتے ہیں یہ اعتقاد صریح کفر ہے جب تک ہوش و حواس قائم رہیں ہرگز احکام شرع معاف نہیں ہوسکتے البتہ بیہوشی میں معذوری ہے حضرت ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں۔

علم الفناء والبقاء یدور علی اخلاص الوحدانیۃ و صحۃ العبودیۃ وما کان غیر ھذا فھو المغالیط والزندقۃ — فناء و بقاء کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت و عبادت کی درستگی پر منحصر ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ اغلاط اور بددینی ہے۔

بعض جہلاء ایک عجیب دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہماری نسبت ایسی قوی ہے کہ گناہ سے بھی اسمیں فتور نہیں آتا اور بعضے کہتے ہیں کہ ہم کو لونڈوں، رنڈیوں کے گھورنے سے ترقی ہوتی ہے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نسبت جس کو معصیت سے ترقی ہو شیطانی نسبت ہے اور ایسی ترقی کو مکر و استدراج کہتے ہیں۔

شارح گلشن راز فرماتے ہیں کہ بعض اہل کمال کی تقلید سے بدوں غلبۂ حال کے خلافِ شریعت کلمات منہ سے نکال کر کافر مت بنو۔

تراگر نیست احوال مواجید مشو کافر بنادانی بہ تقلید

(یعنی اگر وجد کی حالت تجھ میں نہیں ہے تو جہالت سے تقلید کر کے کافر مت ہو۔)

۷۔ جس طرح اولیا کے آداب میں تقصیر ممنوع ہے اسی طرح افراط و غلو اور بھی بدتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تفریط ہوتی ہے مثلاً عالم الغیب سمجھنا اس سے کفر لازم آتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ و قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب	اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو آسمان اور زمین میں ہیں غیب کی بات نہیں جانتے مگر اللہ تعالیٰ اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں

یا ان کو کسی چیز کے موجود یا معدوم کرنے پر یا اولاد و رزق وغیرہ دینے پر یا خدا تعالیٰ سے زبردستی دلا دینے پر قادر سمجھنا کفر ہے

قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ما شاء اللہ ۔	اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میں اپنے لئے نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے ۔

یا ان کے ساتھ عبادت کے طریقوں کا کوئی طریق برتنا مثلاً انکی منت ماننا یا ان کا یا ان کی قبر کا طواف کرنا یا ان سے دعا مانگنا یا انکے نام کو عبادۃً جپنا۔ یہ سب بعض معصیت و بدعت ہے اور بعض کفر و

شرک کے طریقے ہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ
وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ
صَلٰوةٌ وَقَالَ الدُّعَاءُ هُوَ
الْعِبَادَةُ ثُمَّ تَلَا قَوْلَهُ تَعَالٰى
وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ
لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ
دَاخِرِينَ وَقَالَ وَالَّذِينَ
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ
عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ۔

ہم تجھی کو پوجتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طواف کرنا نماز کے مثل عبادت ہے۔ اور فرمایا۔ دعا مانگنا بھی بڑی عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے مانگو میں قبول کرونگا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔ عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔ اور فرمایا جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوائے وہ تمہارے مثل بندے ہیں۔

مشائخ کی تعظیم واطاعت میں ایسا غلو کرنا کہ وہ خلاف شرع بات کا حکم کریں جب بھی ان کی اطاعت کی جائے یہ بھی ارضائے خلق میں داخل ہے جو ایک مرض ہے۔

۸۔ اگر شیخ کی مجلس میں بھی غیبت ہونے لگے تو فوراً اٹھ جاؤ۔ جیسے بارش عمدہ چیز ہے اس میں نہانا مفید بھی ہے مگر اگر اولے پڑنے لگیں تو بھاگنا ہی چاہیے۔

لہ انفاس عیسیٰ ص۱۱۲۴۳

۹۔ فاسق و کافر صاحبِ نسبت نہیں ہو سکتا بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتا ہے سمجھتے ہیں یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلا کی ہے

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ رہبری نسبت) یوں کہے کہ میں حضرت یونس بن متی سے اچھا ہوں حضرت یونس علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ ان کے قصہ میں ظاہر گزشتہ توجہ عتاب کا ہوتا ہے جس سے مفضولیت کا حکم کیا جاتا ہے اور اس بنا پر مفضولیت کا حکم کرنا ظاہر ہے کہ موجب یا موہم تحقیر کو ہے اس سے نہی فرمائی گئی ہے پس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے کہ بعض لوگوں کی جو عادت ہے کہ اپنے سلسلہ کو یا شیخ کو اس طرح بڑھاتے ہیں کہ دوسروں کی تنقیص لازم آتی ہے یا بعضے اس کی تصریح کر دیتے ہیں یہ عادت واجب الاصلاح ہے ہاں نفس اعتقاد فضیلت جائز ہے مگر غیر مورد نص میں ظن کی اجازت ہے یقین جائز نہیں اور اگر صرف محبت یعنی میلان قلب ایک طرف زائد ہے تو بوجہ اس کے امر طبعی ہونے کے خود دائرۂ تکلیف سے خارج ہے اور موجب ملامت نہیں۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے قصہ سے استدلال کرے کہ انھوں نے باوجود حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کو کہ "دعا کرو" دعا نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنا خلاف

---

[1] التکشف صفحہ ۵۴۳ ۔ [2] دعوات عبدیت صفحہ ۲۶

بالقضاء اور تفویض و تسلیم کیخلاف ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ قصہ پہلی امت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا نہیں جو ہم پر حجت ہو دوسرے یہ کہ وہ صاحب وحی تھے انکو معلوم ہو چکا تھا کہ اسوقت دعا کرنا خلاف رضا ہے اسوقت غلبۂ حال میں تفویض اور تسلیم کی فضیلت منکشف تھی اور دعا کی فضیلت مستور اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت تفویض و تسلیم اور رضا کی فضیلت بھی منکشف رہتی تھی اور دعا کی فضیلت بھی اسی لئے دونوں کو جمع فرمایا اور اکثر بزرگوں سے غلبۂ حال میں اس قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ جنکی نہ تقلید درست ہے، نہ انکی باتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر انکار درست ہے وہ معذور ہیں۔

۱۲۔ ایک غلطی یہ ہے کہ زبان و پیٹ کی احتیاط نہیں کرتے یعنی زبان سے جو کلمہ چاہتے ہیں بیباک ہو کر نکال دیتے ہیں خواہ اس سے کفر ہو جائے یا حق تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی ہو جائے خصوصاً وحدۃ الوجود کے دعوی میں تو زبان کو لگام ہی نہیں کبھی خدا تعالیٰ کو بندہ بنا دیا کہیں بندے کو خدا تعالیٰ ٹھہرا دیا اس مسئلہ کی تو ہوا بھی نہیں لگتی زبانی جمع خرچ کیا ہوتا ہے اور شکم کی بے احتیاطی یہ کہ حلال و حرام کی کچھ پرواہ نہیں کرتے سود خوار، زن بازاری جو کوئی بھی ہو سب کی دعوت و نذرانہ قبول کر لیتے ہیں۔ بزرگوں نے صاف فرما دیا ہے کہ بدوں اکل حلال انوار الٰہی نصیب نہیں ہوتے۔

لہ تعلیم الدین صلا

۱۳۔ ذکر میں، نفس جہر تو نصوص کثیرہ سے ثابت ہے اس میں کسی کو کلام نہیں البتہ کلام جہر مفرط میں ہے سو بعضے غالی اس کو قربت مقصودہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نفع ذکر کا اسی پر موقوف ہے اور اسی وجہ سے انکو کسی کی راحت و ایذا کی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور بعضے تشدد اسکو مذموم و بدعت سمجھتے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ نہ قربت ہے نہ بدعت جبکہ اس کے قربت ہونیکا اعتقاد نہ کرے بلکہ اس کو معالجہ سمجھے کیونکہ اس میں تجربہ سے خاصیت دیکھی گئی ہے کہ قلب میں رقت اور خاطر میں جمعیت حاصل ہوتی ہے پس اس بنا پر یہ مباح ہے اور مباح کی اباحت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے رفع عوارض کیساتھ پس اس میں بھی قید ہوگی کہ کسی کو ایذاء و تشویش نہ ہو ورنہ آبادی سے دور چلا جانا چاہئے۔

۱۴۔ بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں یا فلاں خاندان سے بیعت ہیں اور اس بنا پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بیفکر ہو جاتے ہیں اس دعویٰ اور ناز کی حدیث سے جڑ کٹتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو، فرمایا۔

یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئا رواہ مسلم	اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ تعالےٰ سے بچانیکا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

۱۵۔ بعضے بیباک صوفی عوام کے سامنے بے تکلف تصوف کے دقائق

لہ التکشف صلا۳۶ ۵۲ التکشف صد ۴۴۰ ۴۴۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۲ ۶

بیان کر بیٹھتے ہیں بعض عوام تو ان کو خلاف شریعت سمجھ کر ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعض باوجود انکی حقیقت نہ سمجھنے کے انکو مان کر قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہوجاتے ہیں سو ہر حال میں اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ حدیث شریف میں اس عادت کی ممانعت ہے جیساکہ بخاری شریف میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات کرو جسکو وہ سمجھیں کیا سمجھ سے باہر باتیں کرکے تم اسکو پسند کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے (یعنی جب وہ بات قرآن و حدیث سے صراحۃً یا استدلالاً ثابت ہے تو خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی ہے۔ اور چونکہ سمجھ سے باہر ہے اسلئے عوام اس کی تکذیب کریں گے پس تم خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے سبب ہوئے اور چونکہ ضروریات دین میں سے کوئی امر ایسا نہیں ہے لہذا یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس سے بعض دین کا کتمان لازم آتا ہے۔)

باب سوم۔ تعلیمات

(۱) علم شریعت کو لازم پکڑو کیونکہ شریعت ہی تمہاری وہ کشتی ہے کہ جب اس میں رخنہ پڑجائے تو تم بھی ہلاک ہوجاؤ گے اور جتنے بھی اس میں سوار ہیں وہ سب ہلاک ہونگے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محب بننا چاہو تو اعمال میں ہمت کرکے

لہ تصوف و سلوک صـ ۲۲۳ لے کمالات اشرفیہ صـ ۲۰ / ۱۴ / ۱۵

شریعت کے پابند رہو۔

(۳) کمال مقصود یہ ہے کہ اقتضاءات بشریہ سب بدرجہ کمال موجود ہوں پھر مستقل رہو کہ شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

(۴) ظاہری جسم کے (خلافِ شریعت) مقتضیات پر عمل مت کرو تب تم کو عروج روحانی ہوگا۔

(۵) جب کوئی مرض یاد آجائے اس کو فوراً نوٹ کر لیا کرو اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرو، اور ایک ہفتہ تک دیکھو کہ وہ زائل ہوا یا نہیں اگر زائل نہ ہوا ہو تو نفس کو اور مہلت نہ دو بلکہ مصلح کو اطلاع دو[1]

(۶) اگر کوئی شخص ایک شیخ کی خدمت میں خوش اعتقادی کے ساتھ ایک معتد بہ مدت تک رہا مگر اس کی صحبت میں کچھ تاثیر نہ پائے تو اسے چاہیئے کہ دوسری جگہ اپنا مقصود تلاش کرے کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ ہیں نہ کہ شیخ لیکن شیخ اول سے بد اعتقاد نہ ہو ممکن ہے کہ وہ کامل مکمل ہو مگر اس کا حصہ وہاں نہ تھا اسی طرح اگر شیخ کا انتقال قبل حصول مقصود کے ہو جائے یا ملاقات کی امید نہ ہو جب بھی دوسری جگہ تلاش کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے دوسرے شیخ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہو سکتا البتہ صاحب نسبت کو احوال کی ترقی ہوتی ہے اور یہ شخص تو ابھی محتاج تعلیم ہے ورنہ کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی لاکھوں قبریں کاملین بلکہ انبیاء کی موجود ہیں اور بلا ضرورت محض

---

[1] کمالات اشرفیہ ص [2] تعلیم الدین ص۱۰۹،۱۱۰

ہوسناکی سے کبھی کبھی جگہ بیعت کرنا بہت برا ہے اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے اور شیخ کا قلب مکدر ہو جاتا ہے اور نسبت قطع ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے اور ہرجائی مشہور ہو جاتا ہے۔

(۷) مشہور ہے کہ اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے ظاہر اً اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وفوق کل ذی علم علیم۔ اتنا سمجھے کہ میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانیوالا شخص مجھ کو نہیں مل سکتا۔

(۸) شیخ سے اگر کوئی فعل قابل اعتراض سرزد ہو جائے تو اعتراض نہ کرے یا تو تاویل کرے یا یوں سمجھ لے کہ اولیاء معصوم نہیں ہوتے یہاں در توبہ سے سب معاف ہو جاتا ہے مگر یہ اس شیخ کیلئے ہے جو شرع کا پابند صاحب استقامت ہو اور اتفاقاً اس سے کوئی فعل ہو جائے اور اگر اس نے فسق و فجور کو عادت بنا رکھا ہو وہ ولی نہیں اس کے قول فعل کی تاویل کچھ ضرور نہیں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔

(۹) ابوبکر وراق کا قول ہے کہ صالحین کی مجالست دمجاورت غنیمت ہے اگرچہ مجالست بھی نہ ہو دیکھئے حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے ساتھ انکے کتے کا کس طرح ذکر فرمایا ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔

(۱۰) جس شخص کے اندر یہ تین باتیں ہوں اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو ایک یہ کہ فقیہ ہو۔ دوسرے محدث ہو تیسرے صوفی ہو۔

لہ مسائل السلوک ص ۳ کمالات اشرفیہ

(۱۱) اگر شیخ کے ماسوا دوسرے شیخ کی خدمت میں دو شرط ہو جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ اسکا مذاق اپنے شیخ کے خلاف نہ ہو دوسرے یہ کہ اس سے تعلیم و تربیت میں سوال نہ کرے۔

(۱۲) پیر کبھی فارغ نہ بیٹھو رہے کمالات میں ترقی کرتا رہے۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا — اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہئے اے رب بڑھا دے میرا علم۔

دعوائے کمال نہ کرے ہاں اظہار نعمت میں مضائقہ نہیں

لَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ — اپنے نفس کو پاکیزہ مت کہو
وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ — اور جو نعمت تمہارے رب کی ہے اسکو بیان کرو

اور افشائے طریق پر حریص رہے۔

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ — اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ رسول تمہاری بھلائی پر حریص ہیں۔

مریدوں کے ساتھ شفقت و محبت سے رہے۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ — مومنوں پر شفیق اور مہربان ہیں۔

ان کی خطا و قصور سے درگذر کرے۔

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْھُمْ — اور اگر تم تند خو سخت دل ہوتے تو بیشک وہ لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے آپ ان سے درگذر فرمائیں۔

لے انفاس عیسیٰ صد ۱۶۲ ۔ لے تعلیم الدین صلا

دنیا داروں کی خاطر سے ان کو علیحدہ نہ کرے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ الآیہ

نہ ہٹاؤ اپنے پاس سے ان لوگوں کو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام اس کی ذات کو چاہتے ہیں تم پر ان کا کچھ حساب نہیں ہے اور نہ ان پر تمہارا کچھ حساب جو تم ان کو ہٹا دو اور ناانصافوں سے ہو جاؤ۔

مریدوں سے متوقع دنیا و طالب نفع دنیوی کا نہ ہو۔

تُرِيْدُوْنَ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَقَالَ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دنیا کی زیب و زینت چاہتے ہو۔ اور فرمایا میں اس پر کسی قسم کا بدلہ نہیں مانگتا ہوں۔

اور ایذائے خلق پر صبر کرے۔

بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَحِمَ اللّٰهُ اَخِيْ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ اَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے میرے بھائی موسیٰ پر کہ انھیں اس سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔

اپنے آپ کو متانت و وقار سے رکھے۔ ورنہ مریدوں کی نظر میں بے وقعتی ہونے سے ان کو فیض نہ ہوگا۔

من يراه من بعيد هابه من يراه من قريب احبه

جو آپ کو دور سے دیکھتا تھا وہ خوف کھاتا تھا۔ اور جو نزدیک سے دیکھتا تھا محبت کرتا تھا۔

اور ایک مرید کو دوسرے پر ترجیح نہ دے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰیٓ — تیور چڑھائے اور منہ موڑا۔

البتہ اگر ایک کو خدا تعالےٰ کی طلب زیادہ ہے اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں اور ایسی حرکت نہ کرے جس سے خلقت کو بد اعتقادی ہو کہ اس میں طریق مسدود ہوتا ہے ؎

۴۳۔ چارپا را قدر طاقت بار نہ — بر ضعیفاں قدر قوت کار نہ
طفل را گر نان دہی بر جائے شیر — طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر
چونکہ دنداں ہا برآرد بعد ازاں — ہم بخود گردد دلش جویائے ناں
مرغ پر نارستہ چوں پراں شود — لقمہ ہر گربہ دراں شود
چوں برآرد پر بپرد او بخود — بے تکلف بے صفیر نیک و بد

(چارپایہ پر اس کی طاقت کے مطابق بوجھ رکھو کمزوروں پر ان کی قوت کے مطابق کام ڈالو بچے کو اگر دودھ کی بجائے روٹی دوگے تو اس بیچارے کو اس سے مار ڈالو گے ہاں جب بچے کے دانت نکل آئیں گے تو اس کا دل خود روٹی کی طرف مائل ہوگا وہ پرندہ جس کے پر نہ نکلے ہوں وہ اڑے تو پھاڑ کھانے والی بلی کا لقمہ بن جائے گا اور جب پر نکل آئیں گے تو خود بخود اڑنے لگے گا بغیر کسی تکلیف کے بغیر کسی نیک و بد کی آواز کے)

ان تمثیلات کے ضمن میں مشائخ کے لئے ایک دستور العمل ہے کہ طالبوں کو ان کی استعداد سے زیادہ تعلیم کرنا یا کوئی معاملہ کرنا یا بلا کمال کے خلافت دینی نہ چاہیے چنانچہ چارپایہ پر اس کی طاقت کے قدر بوجھ رکھنا

چاہیے اسی طرح ضعیفوں پر ان کی قوت کے قدر کام ڈالنا چاہیے اگر لڑکے کو بجائے دودھ کے روٹی دینے لگو تو اس غریب کو اس روٹی کی بدولت مردہ ہی سمجھو رکھو ہاں جب اس کے دانت نکل آدیں گے اسکے بعد اس کا دل خود روٹی کا خواہاں ہونے لگے گا جس پرندہ کے پر نہ جمے ہوں اگر وہ اڑنا شروع کر دے تو یقیناً بچیوں کا لقمہ بنے گا اور جب اس کے پر نکل آدیں تو وہ خود بلا تکلف و بلا احتیاج اسکے کہ کوئی آدمی بھلا برا اسکو آواز دے اڑنے لگتا ہے اسی طرح جب مبتدی کیساتھ منتہی کا سا معاملہ کیا جائے گا یا خود بخود مستقل بننا چاہے گا تو وہ ضرور تباہ و ہلاک ہو گا کیونکہ ابتدا میں اس کو ضرورت صحبت کی ہے جو بجائے شیر کے ہے البتہ جب اس کو بلا واسطہ فیض ہونے لگے اور مقام تمکین حاصل ہو جائے جو بجائے دانت نکلنے کے ہے تو اس وقت ترک صحبت کا مضائقہ نہیں ورنہ پنجہ شیطان میں کہ بجائے گربہ در اں لکہ ہے گرفتار ہو گا۔ اور بوجہ ناتجربہ کاری عقبات سلوک کی گھاٹیوں سے خدا تعالیٰ جانے کس جہالت و ضلالت میں مبتلا ہو جائے گا۔

۱۴۔ تصوف کا مقصودِ اصلی اور لئے نامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور امر اختیاری کا ہر شخص اہل ہے۔

۱۵۔ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے کچھ نہیں اس پر تمام اصلاحات کا مدار ہے اور یہی تمام کوتاہیوں کا

له انفاس عیسیٰ صفحہ ۴۶

اصل علاج ہے سارے افعال شرعیہ اختیاری ہیں ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے پس جب اختیار کو استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے البتہ اوّل اوّل دشواری اور کلفت ضرور ہوگی لیکن اسکا بھی علاج یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت سے اور اختیار سے برابر بہ تکلف اور بجبر کام لیتا رہے رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بسہولت ہو جائے گی سارے مجاہدے بس اسی لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار اوامر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہو جائے اور اوّل اوّل تو یہ دشوار ہوتا ہے مگر کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے جیسے حفظ کا سبق شروع میں دشوار ہوتا ہے مگر رٹتے رٹتے یاد ہو جاتا ہے اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھ کر ہمت ہار دی تو کوئی صورت ہی کامیابی کی نہیں۔

۱۶۔ معصیت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل خود ہمت کرے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ہمت طلب کرے اور خاصان خدا تعالیٰ سے بھی دعا کرائے انشاء اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی ضرور ہمت ہوگی کامیابی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک اپنی ہمت دوسرے بزرگوں کی دعا ان دونوں پہیوں سے گاڑی کو چلانا چاہیئے ایک پہیہ کافی نہیں۔

بندہ کو چاہیئے کہ خود ہمت کرے پھر اس کی تکمیل حق تعالیٰ خود کر دیتے ہیں جیسے باپ جب دیکھتا ہے کہ بچہ دس قدم چلا اور گر گیا تو خود

لہ کمالات اشرفیہ صـ۲۵۳

ہی رحم کھاکر اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو گود میں اٹھالیتا ہے تو جیسے باپ چاہتا ہے کہ بچہ اپنی طرف سے کوشش کرے چلنے کی اسی طرح حق تعالیٰ ہماری طلب کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

۱۷۔ محققین[1] مجاہدہ میں غلو کرنے سے منع کرتے ہیں حدیث میں اسکی صریح تعلیم ہے۔ اس غلو میں طبیعت کبھی اکتاجاتی ہے اور اصل عمل کبھی متروک ہوجاتا ہے اور صحت کبھی خراب ہوجاتی ہے یہ بھی سبب تعطل کا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات جنون تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی لئے ائمہ سلوک نے اتفاق کیا ہے کہ مجاہدہ و ریاضت میں اس قدر افراط و غلو نہ کرے کہ طبیعت تنگ ہوجائے یا صحت میں فتور پڑجائے اور جن حضرات سے اس کی کثرت اور مبالغہ منقول ہے ان پر شبہ نہ کیا جائے کیونکہ غلبہ شوق و قوت محبت میں ان کو فتور شستی و تنگی عارض نہ ہوتی تھی۔

۱۸۔ بعض اوقات ذکر اور عبادت میں حلاوت اور لذت محسوس نہ ہونے پر ناواقف تنگدل ہو کر اسکو چھوڑ بیٹھتا ہے یا افسردہ خاطر ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ میرا عمل محض عبث اور بے سود ہے اور اس گمان سے ترقی باطنی رک جاتی ہے کیونکہ اسکا بڑا مدار یقین پر ہے محققین نے تصریح فرمایا ہے کہ ذکر مقصود ہے لذت مقصود نہیں بلکہ لذت نہ ہونے پر برابر مشغول رہنا اس میں بوجہ زیادت مجاہدہ کے نفع زیادہ ہے۔

---

[1] التکشف ص ۲۲۳ تا ۲۲۰

باب چہارم۔ توجیہات

عن ابی ہریرۃ انہ دخل السوق فقال اراکم ھھنا وميراث محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقسم فی المسجد فذھبوا الی المسجد فرجعوا وقالوا ما رأینا شیئاً یقسم رأینا قوماً یقرؤن القرآن قال فذلک میراث نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ رزین۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے پس لوگ ادھر چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ بھی تقسیم ہوتے نہیں دیکھا مگر ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن پڑھنے میں لگ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہی تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے

اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائی جاتی ہیں جن کی توجیہ و مراد سمجھنے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقعہ کے ثابت ہوتی ہیں۔ کبھی ان کا سبب غلبۂ حال ہوتا ہے کبھی قصد اخفائے عوام سے کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے۔ اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع[عہ] فی النفس ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحت تشویق کے لئے اول ابہام فرمایا جس سے ابہام معنی غیر مقصود کا ہوا حتی کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی مگر بعد تفسیر علوم

لہ التکشف ص ۳۱۹ عہ نفس میں راسخ ہوتی ہے۔

ہوا کہ کلام صادق ہے پس عبادت موہمہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح قدح نہ کرے کہ ثمر حرمان (یعنی باعث محرومی) ہے (اسی طرح ایک حدیث بخاری و ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچکر اسکی نسبت فرمایا کہ یہ انسان ہے اور ایک خط اس سے دور کھینچ کر فرمایا کہ یہ اسکی موت ہے اور ایک خط اس سے دور کھینچکر فرمایا کہ یہ انسان کی آرزو اور امنگ ہے پس انسان اسی حالت میں رہتا ہے (آرزو پوری کرے) دفعتہً یہ پاس والی چیز یعنی موت آپہنچتی ہے۔

بہت سے بزرگوں کے کلام میں خصوص نظم میں ذات وصفات حق پر کہیں دریا کا اطلاق آیا ہے کہیں آفتاب و ماہتاب کا اور توجیہہ اس کی یہ ہے کہ مقصود تمثیل وتشبیہہ ہے نہ اتحاد اور تشبیہ میں کچھ محذور (ممانعت) نہیں کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ (مثل قندیل کے کہ انہیں چراغ ہو) خود قرآن مجید میں ہے۔ غایت مافی الباب (اس باب میں زیادہ سے زیادہ) یہ کہ کوئی کلمہ دال علی التشبیہ پر دلالت کرنیوالا) کلام میں مذکور نہیں لیکن حذف کر دینا اس کا کلام فصحاء میں بکثرت پایا جاتا ہے سو یہ حدیث اس حذف کی تائید و تقویت میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کی طرف اشارہ فرما کر ان کو انسان، اجل (موت) اور امل (آرزو) بتلا دیا کالانسان (مثل انسان)، کالاجل (مثل موت)، کالامل (مثل آرزو)

لہ التکشف ص ۲۶۳، ۲۶۴

نہیں فرمایا حالانکہ مقصود یہی ہے پس صحتِ اطلاق یقیناً ثابت ہوئی
نیز بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی میں بہ الفاظِ بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منقول ہے کہ اے
اللہ مجھ کو میرے گناہوں سے پاک کردے پانی اور برف اور اولہ سے
اس حدیث سے بھی اس تمثیل کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ ماء و ثلج و برد
(پانی اور برف اولہ) سے مقصود صفتِ رحمت ہے۔ لجامع التطہیر
(پاک کرنے میں شامل ہونے کی وجہ سے) اور چونکہ ذات اور صفات
میں تغائر (غیریت) نہیں۔ جب صفات کی تمثیل کا جواز ثابت ہوگیا
تو ذات کی تمثیل کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔

اکثر صوفیہ کرام کے کلام میں بعض آیتوں کا خلاف ظاہر معانی پر
محمول ہونا پایا جاتا ہے ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیاں واقع ہوجاتی
ہیں بعض لوگ تو یوں اعتقاد کر لیتے ہیں کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہے
اور علماء ظاہر نے جو تفسیر کی ہے وہ غلط ہے حالانکہ یہ اعتقاد بالکل
باطل اور شعار زنادقہ (زندیقوں) کا ہے اور اس سے تمام شریعت
ناقابلِ اعتبار اور منہدم ہوئی جاتی ہے اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن
کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی اور تفسیر بالرائے
کر دیتے ہیں اسلئے اسکی تحقیق ضروری ہے اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر
تو وہی ہے جو علمائے مفسرین نے کہی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مضمون

مدلول و مقصود بالقرآن ہے اس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون ہوتا ہے تو
مدلول قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا زید اور عمرو
میں مناسبت ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہیں اور عمرو یاد آجائے
اور اس انتقال ذہنی کی وجہ سے اس مدلول قرآنی پر اس مضمون مشابہ
کو قیاس کر کے اس کے لئے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کیلئے ثابت
کرنے لگتے ہیں تو مقصود ان کا اس نص میں اس مضمون کا داخل کرنا نہیں
ہوتا بلکہ محض قیاس و تمثیل کا قصد ہوتا ہے مثلاً اسی آیت طہّر بیتی کی تفسیر
ہے کہ تطہیر کعبہ سے ذہن منتقل ہوا کہ انسان میں بھی ایک چیز مشابہ کعبہ کے
ہے اور وہ قلب ہے کیونکہ جس طرح کعبہ پر انوار الٰہی نازل ہوتے ہیں قلب
پر بھی فائض ہوتے ہیں اس سے یہ قیاس کیا کہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہے
کیونکہ وہ مورد تجلیات ہے، اسی طرح چونکہ قلب بھی مورد تجلیات ہے اسکی
تطہیر بھی ضروری ہے اور مورد تجلیات علتِ مشترکہ ہے اس کو علم
اعتبار کہتے ہیں جس کی اجازت فاعتبروا یا اولی الابصار میں موجود
ہے اور جمیع فقہاء و مجتہدین احکام میں اس کا استعمال کرتے ہیں بس
اگر اس معنی مقیس کو کوئی شخص مجازاً مدلول نص کہدے باین معنی کہ وہ نص
مظہر ہے نہ مثبت تو اس میں کوئی بات قابل مواخذہ نہیں امر محقق اس
باب میں یہ ہے امام غزالیؒ نے بعض تصانیف میں اسکی تصریح فرمائی ہو
اور بعض نے جو ان توجیہات کی تعمیم کے لئے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت
کا ایک ظہر اور ایک باطن ہوتا ہے پس علماء ظاہر نے جو کہا ہے وہ ظہر ہے اور

صوفیہ نے جو فرمایا ہے وہ بطن ہے یہ تکلف نہایت بعید ہے کیونکہ ظہر اور بطن دونوں کا اس آیت کے وجود محتملہ سے تو ہونا ضرور ہے اور ایسے نکات و اعتبارات یقیناً آیت میں محتمل نہیں ہوتے جیسا کہ ماہرین قواعد شرعیہ و عربیہ پر مخفی نہیں اس لئے ان کو بطن قرآن کہنا نہایت امر مستنکر ہے بلکہ بطن سے مراد وہ معانی دقیقہ و مستنبطات غامضہ ہیں جنکو حضرات مجتہدین سمجھتے ہیں جسکی تفصیل اہل اصول نے وجوہ دلالات میں لکھی ہے اور ان بطون میں مراتب مختلف ہیں بعض وہ ہیں جنکو عوام نہیں سمجھتے علماء متوسطین سمجھ جاتے ہیں بعض وہ ہیں جن کو علماء راسخین و مجتہدین سمجھتے ہیں بعض ایسے ہیں جنکو صرف حضرات انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہیں دھکنا! وفوق کل ذی علم علیم[1]

پہلی فصل۔ باطن شیخ

حدیث شریف میں ہے:۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ — انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہے۔

گفت جانم از محبان دور نیست — لیک بیرون آمدن دستور نیست

وزیر نے جواب دیا کہ گو میرا جسم بظاہر بعید ہے مگر میری جان اہل محبت سے دور نہیں یعنی جان و باطن کے اعتبار سے میں تم سے قریب ہوں لیکن باہر نکلنے کی اجازت نہیں اسمیں مولانا (رومؒ) نے اشارہ کیا ہے کہ اگر پیر سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری مانع فیض نہیں حدیث اسکی موید ہے

---

[1] التکشف ص۳۴

یہی محبت معیت روحانی ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جسکو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو۔ صرف تقویتِ نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدوں قربِ جسمانی کام نہیں چلتا البتہ ثواب اور برکت ضرور ہے اس مضمون کو بعض صوفیہ ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ باطن پیر ہر جگہ ہے جس کے معنی سمجھنے میں عوام الناس غلطی کرتے ہیں کہ پیر نعوذ باللہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے سو یہ یقیناً غلط اور خلاف واقعہ ہے گو بطور خرق عادت و کرامت کے گاہ ایسا بھی واقع ہوا ہے مگر یہ امر غیر مستمر ہے اور غیر ضروری ہے کہ جب پیر کی شکل نظر آوے تو وہ سچ مچ پیر ہی ہو بعض اوقات کوئی فرشتہ وغیرہ اس شکل میں نظر آجاتا ہے بلکہ معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ باطن اصطلاح میں اس اسم الٰہی کو کہتے ہیں جسکا کسی مخلوق میں ظہور ہو پس شیخ کامل میں اسم ہادی کا فیض ظاہر ہے سو باطن شیخ سے مراد اسم ہادی ہوا چونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے مکان و زمان سے منزہ ہے اور اسکا نور اور فیض عام اور محیط ہے اس اعتبار سے کہدیا جاتا ہے کہ باطن شیخ ہر جگہ موجود ہے جسکا حاصل یہ ہوا کہ صفت ہادی کا فیض کسی زمان و مکان کیساتھ خاص نہیں اور چونکہ قابلیت اس فیض حاصل کرنے کی شیخ کی صحبت و تعلیم سے نصیب ہوتی ہے اسلئے باطن کو شیخ کی طرف بادنیٰ ملابست مضاف کر دیتے ہیں۔

دوسری فصل۔ تجلی حق در خلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ع‌ہ جن میں ہمیشگی نہ ہو

اتانی ربی فی احسن صورۃٍ[1] میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت
الحدیث اخرجہ الترمذی میں آیا (ترمذی شریف)

صوفیہ کے کلام میں ان دو مسئلوں کے عنوان تعبیری میں یہ دو اصطلاحیں پائی جاتی ہیں حقیقت اول کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلا حلول اپنی ذات وصفات کا خلق میں ظہور فرماتے ہیں جسطرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے پس خلق مظہر اور حق ظاہر ہے اور ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر و مظہر میں ایسا شدید تعلق ہے کہ مظہر سے انفکاک[2] ظاہر کا محال ہے سو مسئلے دونوں عقلی ہیں مگر عنوان تعبیری کسی قدر موحش ہو جاتا ہے۔ لیکن بعد وضوح مراد کے ایسی اصطلاحات کی گنجائش خود حدیث میں تامل کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے چنانچہ فی احسن صورۃ اصطلاح اول کی نظیر ہے اور رآت من ربی کو ربی کہدینا اصطلاح ثانی کی نظیر ہے اور اگر من تجریدیہ ہو تو خود فی احسن صورۃ اس ثانی کا بھی ماخذ ہو سکتا ہے کیونکہ صورت مباینہ کے تلبس سے غیر ذی صورت کو ذی صورت کہنا لازم آیا پس ذی صورت اور غیر ذی صورت میں اسی طرح استدلال ہو سکتا ہے البتہ تجلی و اتحاد کو معنی عرفی ولغوی پر محمول کرنا جائز نہیں جیسا عوام جہلا اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں

تیسری فصل تشبیہ نفس با فرعون

بزرگوں کو ہر وقت اپنے نفس کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے[3] وہ اسی

---

[1] التکشف ص۱۰۳ [2] علیحدہ ہونا [3] ملفوظات ص۳۰

دھن میں رہتے ہیں اس لئے اس طرف ذہن چلا جاتا ہے مثلاً انہوں نے کسی کو پڑھتے ہوئے سُنا اذھب الی فرعون انه طغی پس فوراً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ یاایتھا الروح اذھب الی النفس انه طغی (ترجمہ اے روح نفس کیطرف جا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔) اور وہ اسکو تفسیر نہیں کہتے بلکہ یہ سمجھ کر کہتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی دو چیزیں ہیں ایک موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ یعنی روح اور ایک فرعون کے مشابہ یعنی نفس مگر کوئی اسکو قیاس نہ سمجھے صرف صورت قیاس ہے بعض ظاہر بینوں نے اسکو قیاس میں داخل کیا ہے اور معنیٔ اعتباری کو نص کا مدلول کہا ہے مگر یہ قیاس نہیں فقط تذکرہ اور انتقال ذہنی ہے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرا یاد آجائے اس لئے اس کو نص کا مدلول نہ کہیں گے۔

چوتھی فصل الصوفی لا مذہب لہ

اس[1] کا مطلب یہ نہیں کہ صوفی لا مذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے ورع وتقویٰ اسی کا نام ہے ہمارے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

رعایۃ الخلاف والخروج منہ اولی مالم یرتکب مکروہ مذھبہ ۔ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔

---

[1] انفاس عیسیٰ ص ۲۸۳

پانچویں فصل۔ ہمہ اوست

(توجیہہ کے لئے فصل وحدۃ الوجود ملاحظہ ہو)

چھٹی فصل۔ دریا و آفتاب وغیرہ گفتن ذات و صفات حق را

(توجیہہ کے لئے شروع باب توجیہات صفحہ ۵۰۲ ملاحظہ ہو)

ساتویں فصل۔ خود را بد دین گفتن

بخاری شریف میں ابو ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے تیس صحابیوں کو دیکھا جو بدر میں شریک ہوئے تھے (جنکی بڑی فضیلت آتی ہے) سب کے سب اپنے متعلق منافق ہونے کا اندیشہ رکھتے تھے اور اپنے دین کے متغیر ہونے سے بے اندیشہ نہ تھے۔

بزرگوں کے کلام میں کثرت سے اس قسم کے کلمات پائے جاتے ہیں سبب اسکا غلبہ خوف ہے حدیث سے صحابہ کا بھی یہی مذاق ثابت ہوتا ہے اور اگر یخاف (خوف رکھنا) باعتبار مآل کے ہے تب تو نفاق اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور اگر باعتبار حال کے ہو تو نفاق سے مراد بعض آثار نفاق ہیں جو من وجہ نفاق کا ایک درجہ ہے۔

لہ التکشف صـ ۴۲۵

بابُ پنجم۔ متفرقات

نور و ظلمت قلب | ذکر و طاعت سے قلب نورانی ہو جاتا ہے اور غفلت و معصیت سے قلب ظلمانی ہو جاتا ہے

پس ذکر و طاعت کے آثار انوار ہیں اور غفلت و معصیت کے آثار ظلمات ہیں اور یہ نور و ظلمت مثل اجسام منیرہ و مظلمہ کے حسی نہیں ہیں۔ اور جو انوار بعض اوقات محسوس ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں۔

خلافت و سجادہ نشینی | اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقاء فیض اور اجراء سلسلہ کے لئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین کر دیتے ہیں ایک کو یا متعدد کو کبھی حیات میں اور کبھی بقید اپنی وفات کے مگر مقصود ان صورتوں کا مشترک و متحد ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو حدیث شریف میں اسکی اصل ثابت ہوتی ہے ایک عورت حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا اس نے عرض کیا کہ اگر اسوقت آپکو نہ پاؤں مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھ کو نہ پائے تو ابو بکر کے پاس چلی جانا اسکو بخاری و مسلم ترمذی نے روایت کیا اور اب جو خلافت و سجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں

ل التکشف ص ۳۴۴، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۴۵، ۳۷۳

اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جسکو زیادہ اختصاص دیکھا گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اس کی اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریقہ کا فساد اور طالبین کی رہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے امام مالکؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس عہدہ خلافت کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ البتہ ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں اس حدیث سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

تعظیم منتسبین مشائخ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجاہت لوگوں کی نظر میں زیادہ رہی جب ان کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کا رخ ذرا بدل گیا اسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اہل طریق کی عادت طبعیہ ہے کہ بزرگوں کی منتسبین کو محض اس انتساب کی وجہ سے معظم سمجھتے ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرات صحابہ میں بھی طبعاً پایا جاتا تھا ؎

مہاجرت مرید برائے زجر اکثر بزرگوں کی حکایتیں سنی گئی ہیں کہ مرید کی کسی خلاف وضع حرکت پر اسکو نکال

دیا۔ یا اس سے بولنا چھوڑ دیا یا اور کوئی مناسب سزا دی اور مقصود اس سے محض تنبیہ ہوتی ہے عداوت منشاء نہیں ہوتا سو حدیث سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب اور دوسرے دو صحابیوں کے غزوۂ تبوک سے رہ جانے پر مسلمانوں کو ان تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

بیعت صغیر ۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی بیعت کر لیجئے آپ نے فرمایا یہ بچہ ہے پھر آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا کی۔

اب بھی بزرگوں کا اصل معمول یہی ہے کہ بچوں کو بیعت کرنے میں عذر فرماتے ہیں، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیعت احکام لازمہ کا التزام ہے اور صغیر پر احکام التزام سے بھی لازم نہیں ہوتے تو بیعت کی حقیقت وہاں متحقق نہیں ہو سکتی اور بعض اوقات جو ایسا کر لیتے ہیں وہ برکت کے لئے محض صورت بیعت ہے۔

اختلاف تعلیم حسب استعداد ۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ دار کیلئے مباشرت سے ملنے کے متعلق دریافت کیا تو اسکو اجازت دیدی پھر دوسرا شخص آیا اور اسنے پوچھا تو اس کو منع فرمایا اور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جس کو اجازت

دی وہ بوڑھا تھا اور جس کو منع کیا وہ جوان تھا (ابو داؤد)

اہل ارشاد کی عادت ہے کہ ہر شخص کو اسکی استعداد اور حالت کے مناسب تعلیم و تربیت فرماتے ہیں یہ حدیث اس عادت کی اصل صریح ہے اور اخفاء تعلیم کا یہ بھی ایک نکتہ ہے تاکہ دوسرا اس کو سن کر ہوس کے مارے وہی نہ کرنے لگے اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مخفی تعلیم کی وقعت زیادہ ہوتی ہے اور وقعت سے اہتمام اتباع کا امر طبعی ہے۔

امتحان طالب بعنوان موحش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عورتیں (حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک بچہ کے حصول کیلئے) مقدمہ لے گئی تھیں حضرت سلیمان نے فرمایا کہ چھری لاؤ میں چیر کر دونوں میں تقسیم کردوں چھوٹی عورت نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے ایسا نہ کیجئے (میں نے چھوڑا) یہ اسی کا ہے پس آپ نے اس چھوٹی عورت ہی کو بچہ دیدیا بخاری و مسلم و نسائیؒ نے اس کو روایت کیا؛

بعض بزرگوں کی بعض مواقع ضرورت پر عادت ہوتی ہے کہ طالب کی ارادت و اعتقاد کا اس طریق پر امتحان کرتے ہیں کہ کوئی قول یا فعل ایسا کہتے اور کرتے ہیں جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہوتا ہے یعنی واقع میں تو وہ شریعت کے موافق ہوتا ہے اور ظاہر میں خلاف ہوتا ہے جیسا شیخ صادق گنگوہی نے ایک طالب کے سامنے کہدیا لا الہ الا اللہ صادق رسول اللہ

لہ التکشف ص ۲۹۷، ۲۵۸، ۳۵۱، ۳۶۰، ۴۱۷، ۴۴۳، ۴۵۹

مقصود تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صادق ہیں اور ظاہر میں شبہ ہوتا تھا کہ یہ خود مدعی رسالت ہیں اگر طالب کم سمجھ ہوا تو بھاگ جاتا ہے اور اگر سمجھدار ہوا تو اس کو احتمال کا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اقوال و افعال کو بھی دیکھتا ہے اگر علامات سے کمال ثابت ہو تو ایسے امور کی اجمالاً یا تفصیلاً تاویل کر کے طلب میں ثابت رہتا ہے یہ حدیث اس عادت کا ماخذ ہو سکتی ہے کہ باطن میں مقصود چیرنا نہ تھا مگر غیر والدہ کے امتحان کیواسطے ایسا ارادہ موحشہ ظاہر فرمایا۔

تیز مزاجی مسند دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیزی (جو لطافت طبیعت کیوجہ سے ہو) صرف میری امت کے صلحا و ابرار میں ہوتی ہے اور اسی سند سے بایں لفظ بھی روایت ہے کہ کوئی شخص (ایسی مذکورہ) تیزی کا صاحب قرآن سے زیادہ شایاں نہیں بسبب عزت قرآن کے جو اس کے جوف میں ہے

بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کے سبب ان کو نامناسب ورامور زیادہ ناگوار ہوتے ہیں اور یہ ناگواری ان کے بشرہ یا زندگی سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تغیر مزاج حد غضب تک پہنچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ نظروں کو ان پر بدخلقی کا شبہ ہوتا ہے سو بدخلقی وہ ہے کہ حد شرع سے متجاوز ہو جاوے ورنہ نفس حدت (یعنی تیزی) کا حدیث مذکور سے خلاف صلاح نہ ہونا ظاہر اور

صحاح میں ایسی روایات ہیں کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے موقع بات پوچھنے پر غضبناک ہوئے ہیں سو بزرگوں پر اعتراض کرنے میں مبادرت سبقت، نہ چاہیئے۔

ترکِ مباحثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ناحق پر ہو اور بحث و مباحثہ چھوڑ دے اور حق کو قبول کر لے، اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک گھر بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو اور پھر بھی بحث و مباحثہ چھوڑ دے یہ سمجھ کر کہ مخاطب مانتا نہیں فضول وقت برباد ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ شاید اپنے اندر کوئی نفسانیت پیدا ہو جائے، اسکو وسط جنت میں گھر بنایا جائیگا جو کہ کنارہ جنت والے سے اچھا ہے، اور جسکے اخلاق اچھے ہونگے اسکے لئے اعلیٰ جنت میں گھر بنایا جاویگا اس کو ترمذی نے روایت کیا:

اکثر بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ مکالمات و مخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے تو باوجود اپنے حق پر ہونے کے طرح دیکر سکوت فرماتے ہیں جس سے وہی مصلحت ہوتی ہے جسکی طرف ترجمہ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اس حدیث سے اسکا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

تمام لباس رنگین پہننا ترمذی و ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا کہ حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز کپڑے (لنگی اور چادر) دیکھے ہیں، بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ سر سے پاؤں تک رنگین کپڑے پہنتے ہیں

سو اگر یہ ریاءً ہو تب تو ظاہر ہے کہ مذموم ہے اور اگر کسی مصلحت سے ہو مثلاً یہ کہ رنگین کپڑے میلے کم ہوتے ہیں اور بار بار دھلوانا بھی مشغولی الی غیر المطلوب ہے تو مضائقہ نہیں اس حدیث میں بھی پورے کپڑوں کا رنگین ہونا مذکور ہے گو داعی یہاں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے۔ اور قیاس کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

صوف پہننا

بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا کہ حضرت عائشہؓ نے ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکالکر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دو کپڑوں میں وفات پائی۔ بعض درویش اکثر حالات میں کمبل وغیرہ اوڑھتے رہتے ہیں اور احقر کے نزدیک عجب نہیں کہ صوفی کا لقب اسی سے چلا ہو۔ گو اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں اگر یہ برائے تصنع و ریاء نہ ہو تو یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

چلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کے ساتھ عبادت) اختیار کرے علم کے چشمے اس کے قلب سے جاری ہو کر اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں روایت کیا اس کو رزین نے۔

اکثر بزرگوں سے چلہ نشینی کا اہتمام منقول ہے حدیث اسکی اصل ہے

ضبط اوقات و اہتمام مجلس خاص در خلوت و دربان کا مقرر کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ تمہارے لئے اذن کی یہی اجازت

ہے کہ تم پردہ اٹھادیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو جب تک میں منع نہ کردوں ابن ماجہ۔

(۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اپنے اندر آنیکے حصہ کو تین حصے فرماتے ایک حصہ وقت کا اللہ تعالیٰ کے کام کیلئے (مثل نوافل وغیرہ) اور ایک حصہ اپنے گھر والوں (سے بولنے چالنے) کیلئے اور ایک حصہ اپنے نفس کو (آرام کیلئے) ہے اور پھر اپنے حصہ کو اپنے ضروری کاموں اور لوگوں کے (نفع پہنچانے کے) درمیان تقسیم فرما دیتے (یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں) سو اس حصہ کو (جو لوگوں کے لئے نکالتے تھے) خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے اور لوگوں سے کوئی چیز (کام کی) اٹھا نہ رکھتے اور آپکی عادت شریف امت کے حصہ میں (جو باہر صرف ہوتا تھا) یہ تھی اہل فضیلت کو ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ جو حدیث میں مذکور ہے (شمائل ترمذی صـ۲۶)

(۳) حضرت موسیٰ اشعری رضؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دیدو میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے میں نے انکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوشخبری دیدی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اسی طرح حدیث میں حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کا تشریف لانا مذکور ہے اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے جسمیں عوام سے نہیں ملتے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھلا دیتے ہیں کہ عوام کو ہجوم سے روکے اور کبھی اسی وقت میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دیدیتے ہیں اہل بطالت ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع کا یا ترجیح بلا مرجح کا اور مثل اسکے کرتے ہیں بعضے خاص خادموں کو جاتا ہوا دیکھ کر خود بھی جا گھستے ہیں اور اسکے ماذون ہونے سے اپنے ماذون ہونے پر استدلال کرتے ہیں یہ حدیثیں ان سب امور کا صاف فیصلہ کرتی ہیں۔ حدیث ثانی سے ضبط اوقات واہتمام خلوت و صرف خواص کو آنے دینا اور حدیث اول سے خادم کے ماذون ہونے کا عام کے ماذون ہونیکو مستلزم نہ ہونا اور حدیث ثالث سے بواب (دربان) کا بٹھلانا صاف معلوم ہوتا ہے البتہ کسی کی ضرورت شدیدہ فوریہ کے وقت ملاقات سے عذر کرنا برا ہے ورنہ علاوہ احادیث کے خود قرآن مجید کی آیت (وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا اگر تم سے کہا جائے واپس چلے جاؤ تو واپس آجاؤ) اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کردینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح حدیث انزلوا الناس منازلھم خواص کی ترجیح کو عوام پر جائز بتلاتی ہے یہ تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔

شیطان سے عدم امن | حضرت ابو درداء رضہ سے روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے

لے التکشف صـ۴۳۷، ۴۴۹، ۴۴۲، ۴۶۵، ۴۶۶ ؎

ہوئے اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن خدا تعالیٰ یعنی ابلیس آگ کا ایک شعلہ لایا تاکہ اس کو میرے منھ میں لگائے اسکو مسلم نے روایت کیا اسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کامل کیوں نہ ہو جائے مگر اسکو شیطان سے بےفکر نہ ہونا چاہئے بلکہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقع پر اس کو لغزش میں نہ ڈالدے اس خبیث کی جرأت دیکھو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی تک پہنچنے کا اسکو حوصلہ ہوا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ نہیں کرا سکتا اسلئے ضرر جسمانی ہی کی ہوس ہوتی۔

توریہ بوقت خوف فتنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد (دجال) کو مدینہ کی رستہ میں ملے آپ نے فرمایا کیا تو میری رسالت کی شہادت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر اس کے سب فرشتوں پر اور اسکی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتا ہوں (یعنی جو رسول نہیں اس کی رسالت کی شہادت نہیں دیتا مگر آپ نے دفع فتنہ کی مصلحت سے مبہم فرمایا) اچھا یہ بتلا کہ تجھ کو کیا نظر آتا ہے کہنے لگا کہ ایک تخت پانی پر نظر آتا ہے آپ نے فرمایا تجھ کو شیطان کا تخت پانی پر نظر آتا ہے اسکو مسلم نے روایت کیا۔

بعض بزرگ کسی حاکم یا جاہل کے فساد سے بچنے کے لئے بعض باتیں مبہم فرما دیتے ہیں جس سے ظاہر پرستوں کو اخفاء حق کا شبہ ہو جاتا ہے

لیکن اگر کسی مصلحت معتد بہا عن الشرع سے ہو تو وہ بالکل اسی حدیث کے موافق ہے۔

کشف خلاف شرع

حدیث مندرجہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل کو بھی کشف ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کشف مقبول و محمود نہیں چنانچہ عرش ابلیس کے انکشاف کو معرض مذمت میں فرمایا گیا پس جو لوگ کشف کو ولایت کی علامت سمجھتے ہیں یا ہر کشف پر اعتماد کرتے ہیں ان پر یہ حدیث دیکھ کر دونوں امر کی اصلاح واجب ہے۔

ادب مردہ مثل زندہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے اس حجرہ میں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہیں بے تکلف چلی جایا کرتی تھی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کیے گئے پھر میں وہاں بدون اسکے کہ میرے کپڑے مجھ پر سب لپٹے ہوں (یعنی بلا پردہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرم آنے کیوجہ سے کبھی نہیں گئی۔ احمد نے اسکو روایت کیا (مشکوٰۃ شریف)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ مردہ کی قبر پر حاضر ہو کر اسکا اتنا ادب کرے جتنا حالت حیات میں کرتا تھا بشرط عدم تجاوز عن الشرع مثلاً قبر سے اتنے فاصلہ پر بیٹھے جتنے فاصلہ سے حیات میں اس کے پاس بیٹھتا تھا ونحو ذلک اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے دیکھو حضرت عائشہ رض

اگر حضرت عمرؓ کے پاس انکی حالت حیات میں کسی ضرورت سے تشریف لے جاتیں تو خوب پردے میں لپٹ کر جاتیں اسی طرز کی رعایت انکی قبر پر جانے کے وقت بھی کی یہ وجہ تھی اس طرح جانے کی اور یہ معنی ہیں حیائً من عمرؓ کے۔

فکرِ اصلاحِ خود حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز گرمی کے دن میں بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ کے پیچھے چلتے تھے جب آپ نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ کے قلب پر یہ امر گراں گزرا پس آپ بیٹھ گئے یہانتک کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ کوئی اثر برائی کا آپ کے قلب میں نہ واقع ہو جائے اسکو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بیفکر ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر نہ بیٹھنا چاہیئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہیئے اور اسی میں خیریت ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-)

فَلَا یَأْمَنُ مَکْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بیفکر نہیں ہوتا۔

و لنعم ما قیل (کیا خوب کہا گیا ہے۔)

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را	در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

نو میدہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل سیدہ اند
(غافل ہو کر نہ چل کہ بڑے بڑے شہسواروں کے گھوڑوں کے پاؤں سنگلاخ وادیوں میں قلم کر دیئے گئے ہیں اور ناامید بھی نہ ہو کہ کبھی رند بادہ نوش ایک ہی نالہ میں منزل پر پہنچ گئے ہیں مطلب یہ کہ اپنی ہمت اور عبادت پر زیادہ ناز نہ کر کبھی بڑے بڑے عابدین بھی اس ناز کی باعث راندۂ درگاہ ہو گئے ہیں اور بالکل ناامید بھی نہ ہو کہ بعض دفعہ بڑے گنہگار بھی اللہ تعالےٰ کی عنایت سے ایک ہی آہ میں منزلِ مقصود کو پا لیتے ہیں مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت خوف[1] اور امید کے بین بین رہنا چاہئے اسی مضمون پر اصل کتاب) کو ختم کرتا ہوں کیونکہ خاتمہ تنبیہ ہی کے مضمون پر مناسب ہے تاکہ یہ کتاب، جن علوم و اعمال کو متضمن ہے یہ تخویف انکی موافقت و امتثال کے لئے بیدار کر دے نیز اسی میں تاسّی[2] و اقتدار قرآن مجید کا بھی ہے کہ سب سے آخر آیت اس کی یہ ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ	اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا ۔

---

[1] خوف کا بیان صفحہ ۱۴۳ پر اور رجاء کا صفحہ ۱۵۶ پر ملاحظہ ہو [2] مشتق ۔ عمل

[2] اتباع ۔

۱۱۔ وصایائے جامعہ!

پہلی فصل۔ وصایائے غوثیہ[له]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ قطب ربانی۔ غوث صمدانی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی وصیتیں ہیں جو آپ نے اپنے صاحبزادے کو فرمائیں۔

بیٹا! میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور خائف رہنے کی اور اپنے والدین اور جملہ مشائخ کا حق سمجھنے کی کہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے راضی ہوتا ہے چھپے اور کھلے ہر حال حق کی حفاظت کر اور قرآن مجید کی تلاوت مت چھوڑ زبان سے اور دل سے پوشیدہ اور علانیہ فکر و تدبر اور حزن و بکا کے ساتھ اور سب احکام میں آیات محکمہ کی طرف رجوع کر کہ قرآن مخلوق پر خدا تعالیٰ کی حجت ہے اور علم شریعت سے قدم نہ ہٹا علم فقہ پڑھ اور عامی اور جاہل صوفیوں مت بن ان بازاریوں سے بھاگ کہ وہ مسلمانوں کے حق میں دین کے چور اور ڈاکو ہیں اہل توحید و سنت کے عقائد کو لازم پکڑ اور نئی باتوں سے بچ۔ کہ ہر نئی بات بدعت اور گمراہی ہے امردوں، عورتوں، بدعتیوں۔

له مکشوفات غوثیہ مترجم مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مدظلہ

دولتمندوں اور عام آدمیوں کے ساتھ صحبت نہ رکھ کہ اس سے تیرا دین جاتا رہے گا قلیل دنیا پر قناعت کر اور خلوت نشینی اختیار کر اور خوف سے رویا کر حلال غذا کھا کہ یہ خوبیوں کی کنجی ہے اور حرام کو ہاتھ نہ لگا ور قیامت کے دن تجھ کو آگ لگے گی حلال کپڑا پہن کہ ایمان اور عبادت کی حلاوت پائیگا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ اور اللہ تعالیٰ کی پیشی میں کھڑا ہونا مت بھول شب میں نماز اور دن میں روزوں کی کثرت رکھ جماعت نہ چھوڑ حکومت کا طالب مت ہو کہ جو شخص حکومت کو پسند کرتا ہے وہ فلاح نہیں پاتا دستاویز پر دستخط نہ کر حکام و سلاطین سے میل جول مت رکھ اور وصیتوں کے قصہ میں دخل نہ دے اور لوگوں سے بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے اور یکسوئی اختیار کر تاکہ تیرا دین برباد نہ ہو سفر کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سفر کیا کرو تندرست رہو گے اور مال غنیمت ہاتھ آویگا مشائخ کے قلوب کا محافظ بن اور اپنی تعریفوں پر مت بھول اور جو تیری مذمت کرے اسکی بات پر رنجیدہ نہ ہو مدح اور ذم تیرے نزدیک برابر ہے ساری مخلوق کے ساتھ خوش خلقی اور تواضع برت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو جھکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اونچا کرتا ہے اور جو بڑا بنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیچا دکھاتا ہے ہر حالت میں نیک و بد کیساتھ نیک برتاؤ کر اور ساری مخلوق کو خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے اپنے سے افضل سمجھ اور انکو بنگاہ شفقت دیکھ ہنسو مت کہ ہنسنا غفلت کا اثر ہے اور اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم کو معلوم ہوتا جو مجھے معلوم ہے تو

تو یقیناً تم کم ہنستے اور زیادہ روتے اللہ تعالیٰ کے مکر اور تدبیر سے مطمئن نہ ہو اور تعالیٰ کی رحمت سے نہ امید نہ ہو اور خوف اور امید کے درمیان زندگی گزار بیٹا! دنیا چھوڑ کہ اسکی طلب میں تیرے دین کی بربادی ہے اور نماز روزہ کا پابند رہ اور جسدن روزہ نہ ہو اس میں صاف ستھرا پاکدامن، مائل بحق، مہذب خدا رسیدہ، دانشمند، صاحب علم، جاہل صوفیوں سے دور، اور مال وجسم اور قدر و منزلت سے مشایخ کا خادم بنا رہ اور ان کے قلوب اوقات اور عادات کا لحاظ رکھ اور ان کی کسی بات پر اعتراض نہ کر ہاں اگر وہ خلاف شریعت ہو تو ان میں ان کا اتباع مت کر اگر انپر اعتراض کریگا تو کبھی فلاح نہ پائیگا لوگوں سے سوال نہ کر اور نہ ان کا مقابلہ کر کل کیلئے بچا کر نہ رکھ کیونکہ رزق جتنا قسمت میں ہے اللہ تعالیٰ دیگا اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اسمیں نفس اور دل کا سخی بن بخل اور حسد سے دور رہ کہ بخیل اور حاسد دوزخ میں جائیں گے اپنی حالت کسی مخلوق پہ نہ کھول اور اپنا ظاہر زیادہ نہ سنوار کہ یہ باطن کی ویرانی کا اثر ہے رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد رکھ کہ جاندار کے رزق کا اللہ تعالیٰ ضامن ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کوئی زمین میں چلنے والا نہیں مگر اسکی روزی اللہ تعالیٰ پر ہے ساری مخلوق سے نا امید بن جا اور ان سے دل نہ لگا حق بات کہہ اگرچہ تلخ ہو۔ ہر ایک معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر اور مخلوق میں کسی کا آسرا نہ لے ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے آستانہ سے دھکے دیگا اپنے نفس سے محاسبہ کو ضروری سمجھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی خوبی اس چیز کا چھوڑنا ہے جو اسکو فائدہ نہ پہنچائے ساری مخلوق کا خیر خواہ بن اور کھانا پینا سونا اور بولنا کم کر بلا احتیاج نہ کھا اور بلا ضرورت نہ بول اور نہ سو مگر غلبہ نیند کے وقت شب کی نمازوں اور دن کے روزوں کی کثرت رکھ اور اللہ واسطے کے سماع میں بھی زیادہ نہ بیٹھ کہ یہ نفاق پیدا کرتا ہے اور پھر قلب کو مار دیتا ہے اور سماع کا انکار نہ کر کہ بعض لوگ اس کے اہل بھی ہیں سماع صرف اس کو درست ہے جس کا دل زندہ اور نفس اس کا مردہ ہو پھر جس کی یہ حالت ہو اس کا بھی روزہ نماز اور وظیفوں میں مشغول ہونا افضل ہے چاہیئے کہ تیرا دل غمگین ہو تیرا بدن بیمار ہو تیری آنکھ اشکبار ہو، تیرا عمل خالص ہو، تیری دعا بکوشش ہو تیرے کپڑے پرانے ہوں تیرے رفیق فقراء ہوں۔ تیرا گھر مسجد ہو تیری جاگیر علم ہو، تیرا سنگھار زہد ہو اور تیرا مونس رب کریم ہو کسی کو دینی بھائی نہ بنا جبتک اس کی پانچ خصلتیں تجھے متحقق نہ ہو جائیں فقر کو تونگری پر ترجیح دیتا ہو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہو۔ ذلت کو عزت پر ترجیح دیتا ہو باطنی اور ظاہری اعمال کی نگرانی کرتا ہو اور موت کیلئے مستعد اور تیار ہو۔

بیٹا! دنیا اور اسکی آرائشوں سے دھوکہ نہ کھا کہ دنیا ہریالی آبدار اور مٹھائی ہے جو اس سے چپٹا وہ اس سے چپٹی اور جو اس سے الگ ہوا وہ اس سے الگ ہوئی نیز اس لئے کہ اس کو بقاء نہیں ہے دن رات دنیا کو بسوئے آخرت کوچ کرنے کو تیار رہ۔

بیٹا! خلوت اختیار کر جن اکیلا تنہا خوف خدا تعالیٰ سے دل فکر مند ہو

دنیا میں اپنی زندگی گزار گویا تو مسافر ہے اور اس سے باہر نکل جیسا تو اسکے اندر آیا تھا کیونکہ تجھے پتہ نہیں تیرا قیامت میں کیا نام ہوگا۔ فقط

دوسری فصل۔ امام قیسری کے وصایا کا خلاصہ

اول عقائد موافق اہل سنت وجماعت کے درست کرے پھر ضرورت کے موافق علم دین حاصل کرے خواہ درس سے خواہ صحبت علماء سے اور اختلافی مسائل میں احتیاط پر عمل کرے اور سب معاصی سے توبہ خالص کرے اہل حقوق کو راضی کرے۔ مال وجاہ کے تعلقات کو قطع کرے اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے نہ اس پر کوئی اعتراض کرے اپنی باطنی حالات شیخ سے پوشیدہ نہ کرے اور کسی سے ظاہر نہ کرے اگر کچھ قصور شیخ کا ہو جاوے فوراً معذرت کرے اور اقرار خطا کا کرے تاویل نہ کرے بلا ضرورت شدیدہ سفر نہ کرے بہت ہنسے نہیں کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے اپنے پیر بھائیوں پر حسد نہ کرے لڑکوں اور عورتوں کی صحبت سے بچے بلکہ ان سے زیادہ گھل مل کر باتیں بھی نہ کرے جب تک صاحب نسبت نہ ہو جاوے کسی کو مرید نہ کرے آداب شرع کا بہت پاس رکھے مجاہدہ وعبادت میں سستی نہ کرے تنہائی میں رہے اور اگر مجمع میں رہنے کا اتفاق ہو تو ان کی خدمت کرے اپنے کو ان سے کم سمجھ کر برتاؤ کرے دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز رکھے۔

لے تعلیم الدین ص ۱۲۹ تا ۱۳۱

تیسری فصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وصایا کا خلاصہ

بلا ضرورت و مصلحت دینی اغنیاء سے صحبت نہ رکھے صوفیان جاہل اور جاہلان عابد اور علماء زاہدان خشک اور جو محدثین اہل فقہ سے عداوت رکھیں اور جو لوگ کلام میں انہماک رکھتے ہیں ان سب کی صحبت سے بچے اور ایسے شخص کے پاس بیٹھے جو عالم صوفی ہو دنیا کا تارک، ذکر اللہ اور اتباع سنت کا عاشق ہو اور مذاہب میں ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے کہ حنفیوں کا مذہب سب سے اچھا ہے یا شافعیہ کا سب سے بڑھ کر ہے اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے نہ صوفیوں کے طرق میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کہ چشتیہ کی نسبت بڑے زور کی ہے دوسرا کہے نقشبندیوں میں اتباع سنت زیادہ ہے اور اسی قسم کے خرافات بکے جو لوگ مغلوب الحال ہیں یا کسی تاویل سے کوئی امر کرتے ہیں جو اس شخص کے نزدیک خلاف سنت ہے انکو برا بھلا نہ کہے اور خود وہی کرے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہے۔

چوتھی فصل حضرت سیدنا و مرشدنا شیخ العرب والعجم، الشیخ الحافظ الحاج محمد امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، کی وصایا کا خلاصہ

طالب حق پر لازم ہے کہ اول مسائل ضروری و عقائد اہل سنت و الجماعت کے حاصل کرے پھر ان رذائل سے تزکیہ کرے حرص، امل، غضب، جھوٹ، غیبت، بخل، حسد، ریا، کبر اور کینہ۔ اور یہ اخلاق پیدا کرے صبر، شکر، قناعت، علم، یقین، تفویض، توکل، رضا، تسلیم اور شریعت کا پابند رہے اور اگر گناہ ہو جائے جلدی کرکے نیک عمل سے تدارک کرے نماز باجماعت وقت پر پڑھے کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہ ہو لذت ذکر پر شکر بجالائے کشف و کرامات کا طالب نہ ہو اپنا حال یا سخن تصوف بغیر قوم سے نہ کہے دنیا و مافیہا کو دل سے ترک کرے خلاف شرع فقراء کی صحبت سے بچے لوگوں سے بقدر ضرورت خلق کے ساتھ ملے اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے کسی پر اعتراض نہ کرے بات نرمی سے کرے سکوت و خلوت کو محبوب رکھے اوقات منضبط رکھے تشویش دل میں نہ آنے دے، جو کچھ پیش آوے حق کی طرف سے سمجھے غیر اللہ کا خطرہ نہ آنے دے دینی کاموں میں نفع پہنچاتا رہے نیت خالص رکھے خورد و نوش میں اعتدال رہے نہ اتنا زیادہ کھائے کہ کسل ہو اور نہ اس قدر کم کہ عبادت سے ضعف ہو جائے کسب حلال افضل ہے اگر توکل کرے تو بھی مضائقہ نہیں بشرطیکہ کسی سے طمع نہ رکھے نہ کسی سے امید و خوف کرے حق تعالیٰ کی طلب میں بیچین

رہے نعمت پر شکر بجالاوے فقر و فاقہ سے تنگدل نہ ہو اپنے متعلقین سے نرمی برتے ان کی خطا و قصور سے درگذر کرے ان کا عذر قبول کرے کسی کی غیبت و عیب جوئی نہ کرے عیب پوشی کرے اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے کسی سے تکرار نہ کرے مہمان نواز و مسافر پرور رہے غربا و مساکین و علماء و صلحا کی صحبت اختیار کرے۔ قناعت و ایثار کی عادت رکھے بھوک پیاس کو محبوب سمجھے کم ہنسے، زیادہ روئے عذاب الٰہی اور اور اس کی بے نیازی سے لرزاں رہے موت کا ہر وقت خیال رکھے روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کر لیا کرے نیکی پر شکر، بدی پر توبہ کرے صدق مقال و اکل حلال اپنا شعار کرے غیر مشروع مجلس میں نہ جائے رسوم جہالت سے بچے شرمگیں، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، نیکو رفتار با وقار، بردبار رہے ان صفات پر مغرور نہ ہو اولیاء کے مزارات سے مستفید ہوتا رہے۔ گاہ گاہ عوام مسلمین کی قبور پر جاکر ایصال ثواب کرے مرشد کا ادب و فرمان برداری کامل طور پر بجالائے اور ہمیشہ استقامت کی دعا کرتا رہے

مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی چند وصیتیں اور مشورے

(۱) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے جن کی آج کل بیحد کثرت ہے اس میں ہرگز غفلت و کوتاہی نہ کریں۔

(۲) طالبعلموں کو وصیت کرتا ہوں کہ درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں اسکا کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و صحبت و نظر عنایت پر اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(۳) دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں (۱) شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں (۲) تعجیل نہایت بری چیز ہے (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں (۵) کثرت کلام اگرچہ مباح کیساتھ ہو اور کثرت اختلاط خلق بلا ضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ، خصوصاً جبکہ ہر کس و ناکس راز دار بھی بنالیا جائے نہایت مضر چیز ہے (۶) بدوں پوری رغبت کے کھانا بالکل نہ کھائیں (۷) بدوں سخت تقاضہ کے ہمبستر

نہ ہوں (۸) بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں (۱۱) سخت مزاجی و تند خوئی کی عادت نہ ڈالیں رفق اور ضبط و تحمل کو اپنا شعار بنائیں (۱۲) زیادہ سے بہت بچیں اقوال و افعال میں بھی طعام و لباس میں بھی (۱۳) مقتدا کو چاہیے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنائے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنیکے لئے (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۵) روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں (۱۶) بلاضرورت یا بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز و طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے احتیاط رکھیں (۱۸) حق پرست ہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں (۲۰) کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۴) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۃ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخشدیا کرے مگر کوئی امر خلاف سنت، بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔

(۵) حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگاویں۔ اور کسی وقت

فکر آخرت سے غافل نہ ہوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسیوقت پیام اجل آجائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اور ہر وقت یہ سمجھیں ع

"شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود"

اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے گناہوں سے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں

(۱۶) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل واکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت و تضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔

اور اسی کے ساتھ میں اپنے لئے بھی اس دعا کے لئے درخواست کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا بھی ایمان پر خاتمہ فرما دے

(از اشرف السوانح جلد سوم ملخصاً)

۱۲۔ درود شریف نعتیہ منظوم!

مترجمہ:

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاسِ ۔۔۔ مِنْهُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَاْسِ

رحمت بھیج اے پروردگار آدمیوں کے گروہ کے سردار پر جن سے خلقت کو امن ہے زمانہ شدت میں

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ فِیْ حَرِّ غَدٍ ۔۔۔ کُلَّ مَنْ یَظْمَأُ یَسْقِیْهِ رَحِیْقَ الْکَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر کہ قیامت کی گرمی میں جو پیاسا ہوگا وہ اسکو شراب رحیق کا پیالہ پلائینگے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَاءِ الْکَرَمِ ۔۔۔ خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْهِ بِعُمُوْمِ النَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جنھوں نے امید کرم کیساتھ خاص بنایا ہر شخص کو جو انکے پاس حاضر ہو عام لوگوں کیلئے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُؤْنِسِ کُلِّ الْعِتَرِ ۔۔۔ مُبْدِلِ الْوَحْشَةِ فِی الْقَبْرِ بِاسْتِئْنَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار تمام لوگوں کے مونس پر جو وحشت کو قبر میں مبدل بہ انس کرنے والے ہیں

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ ۔۔۔ نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِهٖ بِالرَّاْسِ

رحمت بھیج اے پروردگار رئیس الرسل کی روح پر ان کے قدموں پر ہم چلتے ہیں سر کے بل

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ دَائِمِهٖ ۔۔۔ اَنْعَمَ النِّعَمَ عَلَی الْعَبِیْدِ بِلَا مِقْیَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار دائمی نعمتوں والے پر جنھوں نے انعام فرمایا خیر بے حساب

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ ۔۔۔ فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَاءَ مِنَ النَّسْنَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اچھی شریعت والے پر جنھوں نے بھلے آدمیوں کو برے آدمیوں سے ممیز کردیا

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی ذِیْ کَرَمٍ اُمَّتُہٗ — تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ فِی الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسٍ

رحمت بھیج اے پروردگار صاحب کرم پر جن کی امت داخل جنت ہوگی حشر میں بلا وسواس

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ لَوْلَاہُ لَمَا — یَشْمُلُ النَّامِیَۃُ الْکَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر کہ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ شامل ہوتی قوت نامیہ عالم کو مع قوت حساسہ کے

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ عِصْمَتِہٖ — یَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّیْہِ مِنَ الْخَنَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار ذات پر جنکے معصوم ہونے کی برکت سے بچاتے ہیں حق تعالیٰ انکے محبین کو خناس سے

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مَنْ عَاذَ بِہٖ — لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَیْہِ یَدُ ذِی الْوَسْوَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر کہ جو شخص انکو پناہ لینے میں نہیں پہنچ سکتے اس تک ہاتھ شیطان کے

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ بَادِرَۃٍ — قَدْ اَذْھَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جنھوں نے تلوار کی چمک سے بیکار کردی بالکلیہ آنکھ آفتاب پرست کی

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ — مَیَّزَ النَّاسُ بِہِ الْفَضْلَ مِنَ الْاَجْنَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جنکو شرف کی ایسی نوع حاصل ہے جس کیوجہ سے لوگوں نے فضل کو اجناس سے جدا کیا

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ نَخْلِ الْکَرَمِ — فِیْ رِیَاضِ اُمَمِ الْیَوْمَ لَنَا الْغُرَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جو درخت کرم باغ امت میں آج ہمارے لگانے والے ہیں

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ غِنَاۃُ الْکَرَمِ — مِنْ بُیُوْتِ الْفُقَرَا آوٰی بَانَ ھَبًّا اَخْوَاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر جو کہ کرم کی تونگری سے فقراء کے گھر سے افلاس کو دور کرنیوالے ہیں

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی عِتْرَتِہِ الطَّاھِرَۃِ — وَعَلَی الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ

رحمت بھیج اے پروردگار آپ کی آل پاک پر اور اصحاب پر مع حضرت حمزہؓ وحضرت عباسؓ کے

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ لَّہٗ وَیْسٌ مِّنْہُ ۔ طُہِّرَ الْقَالِبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْاَدْرَانِ[ع]

رحمت بھیج اے پروردگار اس ذات پر کہ اویس کا ان سے جسم اور قلب سب میل کچیل سے صاف ہو گیا

۱۳۔ شجرۂ طیبہ چشتیہ صابریہ

نظمہا مولانا ذو الفقار علی الدیوبندیؒ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

یَا دَائِمَ الْاِنْعَامِ وَالْاِحْسَانِ ۔ اِرْحَمْ عَلَی الْعَبْدِ الْفَقِیْرِ الْجَانِیْ
بِالشَّیْخِ فَاضِلِ عَصْرِہٖ اَشْرَفْ عَلِیْ ۔ دَاعِیْ طَرِیْقَتِہٖ حَامِیِ الْقُرْاٰنِ
فَبِمُرْشِدِیْ[لہ] غَوْثِ الْوَرٰی شَمْسِ الْہُدٰی ۔ مِقْدَامِ اَہْلِ الْعِشْقِ وَالْاِیْمَانِ
اَلشَّیْخِ اِمْدَادِ اللّٰہِ الْقُطْبِ الْعَلِیْ ۔ اَلْجَاہِ ذِی التَّمْکِیْنِ وَالْعِرْفَانِ
وَبِکَاشِفِ الظُّلُمٰتِ نُوْرِ مُحَمَّدٍ ۔ وَبِسَیِّدِیْ عَبْدِ الرَّحِیْمِ الْفَانِیْ
وَبِعَبْدِ بَارِیْ ذَالِکَ شَیْخِ شُیُوْخِنَا ۔ وَبِعَبْدِ ہَادِیْ لِلسَّمَانِ اَمَانِ
وَبِحَقِّ عَضُدِ الدِّیْنِ حَقِّیْ مُحَمَّدٍ ۔ وَمُحَمَّدِیْ ظَاہِرِ الْبُرْہَانِ
وَبِحَقِّ مَوْلَانَا مُحِبِّ اللّٰہِ مَنْ ۔ اَحْیَیْتَ مِنْ اٰثَارِہٖ وَسَنِیْعِ بَیَانِ

ع یہ شعر جناب مولانا حکیم محمد مصطفٰی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ کیا ہے

لہ منصوب بنزع الخافض ۱۲

بأبي سعيد ما جليا متورع — بنظام دين عارف رباني

بجلال دين ذي المكارم والعلى — وبعبد قدوس عظيم الشان

بمحمد قطب الورى وبعارف — هم للورى كالماء للظمآن

وبحق عبد الحق قدس سره — بجلال دين ذا كبير عرفان

بالشيخ شمس الدين قدوة عصره — بعلاء دين صابر حقاني

بفريد دين الحق عم فيوضه — وبقطب دين ذاته قطب زمان

بمعين دين الله صاحب سره — غوث الورى وسيدي عثمان

وبحرمة الحاجي الشريف امامنا — بالخواجه مودود وحيد زمان

وسيدي كهف الورى علم الهدى — بأبي يوسف في الفضل كالهتان

بمحمد ذي المجد والعلياء من — قد فاق عرفانا على الاقران

وبحرمة الشيخ الكريم المقتدى — بأبي احمد في السر والاعلان

وبحق بو اسحاق مدشن دهره — وبحق ممشاد عديم الثاني

بأبي هبيرة ذي المقام العالي — بحذيفة هو نخبة الاعيان

وبحق ابراهيم سلطان الورى — بفضيل ان يهادي الى الاحسان

وبحق عبد الواحد الفرد الذي — هو في الغزاة كطاهر سكران

وبحق خير الاصفياء ما بصيره — حسن ولم ير مثله العينان

وبحق مولى المؤمنين اميرهم — وامام اهل الدين والايمان

اعني عليا خير من وطئ الثرى — ماوى الضعاف مجلي الاحزان

وبحق سيدنا النبي محمد — هو للخلائق رحمة الرحمان

مَنْ فَاقَ كُلَّ الْخَلْقِ فَضْلًا وَّجَاهًا ۔ مَنْ سَادَ مَجْدًا عَالَمَ الْاِمْكَانِ
وَبِفَضْلِكَ الْجَمِّ الْعَمِيْمِ الْهَنَا ۔ يَا غَافِرَ الذَّنْبِ وَالْعِصْيَانِ
قَدْ جَاءَ عَبْدُكَ بَابَكَ مُسْتَغْفِرًا ۔ مُتَوَسِّلًا بِاَنْبِيَائِكَ الْاَعْيَانِ
فَاغْفِرْ خَطَايَاهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ ۔ عَنْ مَا سِوَاكَ يَا رَجَاءَ الْعَانِيْ
سَلِّطْ عَلَيْهِ الْعِشْقَ حَتّٰى لَا يَرٰى ۔ مَنْ لَوٰى غَيْرَكَ كَائِنًا مَنْ كَانَ
ثُمَّ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى ۔ خَيْرِ الْوَرٰى رَسُوْلِكَ الْعَدْنَانِيْ

شجرہ مختصرہ منظومہ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب
مہاجر مکہ قدس سرہٗ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کے واسطے
اور درود نعت ختم الانبیاء کے واسطے
اور سب اصحاب و آل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
بالخصوص ان اولیا باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے[1]

---

[1] یہ شعر ایک معتقد سلسلہ نے منتسبین حضرت حکیم الامۃ مجدد الملت قبلہ و کعبۂ انام مولانا شاہ اشرف علی صاحب حملہ الشرکہ پڑھنے کیلئے بڑھا دیا ہے۔ ۱۲ شبیر علی عفی عنہ

حاجی امداد اللہ ذو العطا کے واسطے
حضرت نور محمد پر ضیاء کیواسطے

حاجی عبدالرحیم اہل عزا کے واسطے
شیخ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے

شاہ عبدالہادی پیر ہدیٰ کے واسطے
شاہ عضدالدین عزیزالدین دوسرا کیواسطے

شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کیواسطے

بوسعید اسعد اہل ورا کے واسطے
نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

شہ جلال الدین جلیل اصفا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق و صفا کیواسطے

اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے
شیخ احمد عارف صاحب عطا کیواسطے

احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کیواسطے

شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علاؤ الدین صابر با رضا کیواسطے

شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے

شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے
خواجہ عثمان باشرم و حیا کے واسطے

شہ شریف زندنی باتقا کے واسطے
خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے

شاہ بو یوسف شہ شاہ گدا کے واسطے
بو محمد محترم شاہ ولا کے واسطے

احمد ابدال چشتی باصفا کے واسطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کے واسطے

خواجہ ممشاد علوی بو العلا کے واسطے
بو ہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے
شیخ ابراہیم ادھم بادشاہ کے واسطے

شہ فضیل بن عیاض اہل دعا کے واسطے
خواجہ عبد الواحد بن زید شا کے واسطے

شیخ حسن بصری امام اولیاء کے واسطے
ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے

سرورِ عالم محمد مصطفےٰ کے واسطے
یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

یا حق اپنے عاشقانِ باوفا کے واسطے
یا رب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے
اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

شجرۂ امدادیہ ختم شد

شجرۂ منظومہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ

یا الٰہی بہر جاہ ہر نبی و ہر ولی[1] — بہر حضرت مرشدی اشرف علی تھانوی

بہر امداد بنور حضرت عبد الرحیم — عبد باری عبد ہادی عضد دین مکی ولی

ہم محمدی و محب اللہ و شاہ بوسعید — ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبد حق و شیخ جلال — شمس دین ترک و علاء الدین فرید مسعود دہنی

قطب دین و ہم معین الدین عثمان شریف — ہم بمودود و ابو یوسف محمد احمدی

بو اسحاق و ہم ممشاد و ہبیرہ نامور — ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی

عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دیں — سید الکونین فخر العالمین بشری نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش !
بہر ذات خود شفا بم دہ ز امراض دلی !

---

[1] یہ شعر ایک معتقد نے منتسبین حضرت مجدد الملت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پڑھنے کے لئے بڑھا دیا ہے ۱۲، محمد زین حنفی چشتی

عین الہدایہ شرح اردو ہدایہ ہدایہ مذہب حنفی کی سب سے زیادہ مستند اور مقبول کتاب ہے اور اسلام کے تمام مسائل پر پورے طور پر حاوی ہے اس کتاب کے مصنف نے اسی جلدوں کے پھیلے ہوئے مضامین کو اس کتاب کی چار جلدوں میں بڑی خوبی سے سمو دیا ہے اور ان تمام آداب و اہتمام کا لحاظ رکھا ہے جو ایک مذہبی کتاب کے لئے ضروری ہے اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر ہر مسئلہ کتاب و سنت اور عقلی دلائل دونوں سے مدلل ہے اور کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی ادا کئے گئے ہیں نیز انداز بیان اور زبان کی سلاست میں اپنی مثال آپ ہے یہی وجہ ہے کہ مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور اس کی سیکڑوں شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں مگر یہ سب کی سب عربی میں تھیں آج سے بہت پہلے اسکی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا جائے اور ایک مبسوط و مکمل شرح اردو میں لکھی جائے تاکہ غیر عربی داں مسلمان بھی اس سے پورے طور پر مستفید ہو سکیں، چنانچہ مولانا امیر علی صاحبؒ نے "عین الہدایہ" کے نام سے یہ عظیم الشان خدمت انجام دی مگر آج یہ بالکل نایاب ہے، کتاب کی افادی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو بطور جدید نور اللہ دایلہ کے نام سے قسط وار پروگرام کے تحت دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ ہر شخص آسانی کے ساتھ اسے خرید سکے کتاب ان خصوصیات کی حامل ہے۔

پہلے کتاب کا عربی متن پھر اس کا سلیس و با محاورہ ترجمہ پھر اس کی شرح
جس میں فتح قدیر، عنایہ اور اس کی دوسری شروحات کا نچوڑ مفصل درج
ہے فی قسط ۲/- جو صاحب ایک روپیہ پیشگی روانہ کر کے ممبر بن جائینگے
ان کو محصول ڈاک معاف کر دیا جائے گا۔ شائقین حضرات سے التماس
ہے کہ وہ خود بھی ممبر بنیں اور احباب و متعلقین کو ممبری کی طرف متوجہ
کر کے داخل حسنات ہوں۔

مجالس الابرار یہ کتاب محب سنت کے لئے مونس انیس اور رفیق نفیس
ہے علمائے حقانیین نے اس کی مدح و ثناء فرمائی ہے
اس کی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (محدث دہلوی) نے بھی توثیق
کی ہے اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اس پر پُر مغز حاشیہ
ہے۔ اس کی ضمانت میں انہیں دو حضرات کا نام کافی ہے واعظین
کے لئے ایک بہترین ذخیرہ ہے اس کتاب میں سو وعظ سفینۂ فلاح
اور ہر مضمون حرز جان ہے۔ قیمت ہر بیس وعظ ۳/-

انفاس قدسیہ اس کتاب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد
مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل سوانح حیات مصنف نے
بڑی تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ قیمت ۳/-

بانی دارالعلوم دیوبند اسمیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم
صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ضروری
حالات علمی خدمات اور عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ جذبات کا حوالہ تذکرہ کیا گیا ہے قیمت ۲/-

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ
حفظ الایمان مکمل اللہ علیہ نے رد بدعت کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں۔ یہ رسالہ بھی اسی کی ایک مثال ہے جس میں علم غیب غیر اللہ کے لئے سجدہ، قبروں کا طواف، قبروں پر بوسہ، قبروں پر سجدے اور ان سے متعلق پھیلی ہوئی جملہ رسومات اور بدعت کی حقیقت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۴۰/-

مصنفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی
قرآن اور اس کے حقوق یہ کتاب تفسیر و حدیث اور تاریخ و سیر کی صدہا کتابوں کا نچوڑ ہے اور سب سے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا معتبر و مستند کتاب سے باقاعدہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔

○ قرآن سے متعلق جس قدر مفید اور ضروری ابواب ہو سکتے تھے ان تمام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ہر باب کے تحت صحابہ کرام رضی وتابعین اور اسلاف کے حیرت انگیز واقعات کثرت سے لکھے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

○ قرآن کی تدوین و اشاعت اور اس کی دیگر خدمات کے سلسلہ میں بیشمار نئی نئی باتیں مستند حوالہ کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔

○ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے آداب کے سلسلہ میں مسائل کا مستقل ایک باب لکھا گیا ہے جس میں قدیم و جدید ہر قسم کے ضروری مسائل کتب فقہ اور فتاویٰ سے دیکھ کر لکھے گئے ہیں۔

زبان نہایت سلیس اور عام فہم اور انداز بیان نہایت والہانہ ہے اس سے پڑھنے والے کے قلب پر رقت طاری ہوتی ہے اور غیر اختیاری طور پر تاثر پیدا ہوتا ہے ؛ قیمت مجلد ۳/۵۰

نیل الامانی شرح مختصر المعانی اُردو - مصنفہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی فاضل دیوبند

درس نظامی میں جو مقام مختصر المعانی کو حاصل ہے اس سے علمی طبقہ پوری طرح واقف ہے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ معانی پر ایسی بے نظیر کتاب پورے عربی لٹریچر میں نہیں ہے "نیل الامانی" اسی مختصر المعانی کی وہ لاجواب اردو شرح ہے جس میں کتاب کی تمام خوبیوں کو برقرار رکھتے ہوئے مزید نادر نگینے بٹھائے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں ؛

① الفاظ مشکلہ کی لغوی تحقیق اور اس کا بے نظیر حل ؛

② ہر مسئلہ کی ایک مکمل بحث کی شکل تبویب ترتیب کر دی گئی ہے ؛

③ علماء معانی کے اختلافات اور ان کے حل راجح اقوال اور اس کی توجیہہ کا پورا پورا بیان ہے ؛

④ جو عبارتیں و الفاظ شارح و ماتن کی کاوش علمی کے باوجود تشنۂ تشریح رہ گئے ہیں ان کی پوری پوری تشریح کی گئی ہے ؛

⑤ دیگر فنون کے مصطلحات جن کا ذکر اور تعلق معانی سے چولی دامن کا ہے ان اصطلاحات کی توضیحی تقریر اور ربط بیان کیا گیا ہے جس سے کتاب کا سمجھنا آسان تر ہو گیا ہے ؛

⑥ استشہاد میں جو اشعار اصل کتاب میں موجود تھے ان اشعار کے قائلین کا مختصر تعرف بھی ہمراہ ہے اور جہاں کہیں شاعر کا نام مصنف نہیں بیان کر سکا ہے وہاں مترجم نے کاوش کر کے اسکا سراغ لگایا ہے اور ان شعراء کی نشاندہی کی ہے، جن اشعار کے قائلیں مختلف ہیں ان کی تحقیق بھی کی ہے اور رفع اختلاف بھی کیا ہے ؛

⑦ ابتداء کتاب میں ایک مقدمہ ہے جس میں معانی کی آٹھ سو سالہ تاریخ کا پوری طرح احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے عروج و زوال اور اس کے اسباب سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جن اشخاص و افراد نے اسکے پروان چڑھانے میں حصہ لیا ہے ان کا پورا تاریخی جائزہ بھی ہمراہ ہے؛

⑧ ہر مسئلہ کو آیات قرآنی و احادیث نبوی، عربی، فارسی اردو اشعار کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اور اس کی صحت و کتابت کا معقول انتظام کیا گیا ہے ؛ قیمت ۲۰/-

مولفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

اشرف الجواب یہ کتاب موصوف کے ملفوظات کا بے بہا ذخیرہ ہے جس میں حضرت نے مختلف فرقوں کے اعتراضات کے جوابات نہایت مدلل طریقے پر عقل کی روشنی میں بیان فرمائے ہیں ؛

قیمت حصہ اول ۷۵/- حصہ دوم ۵۰/۳ حصہ سوئم قسط اول ۵۰/-